سُنہری غول

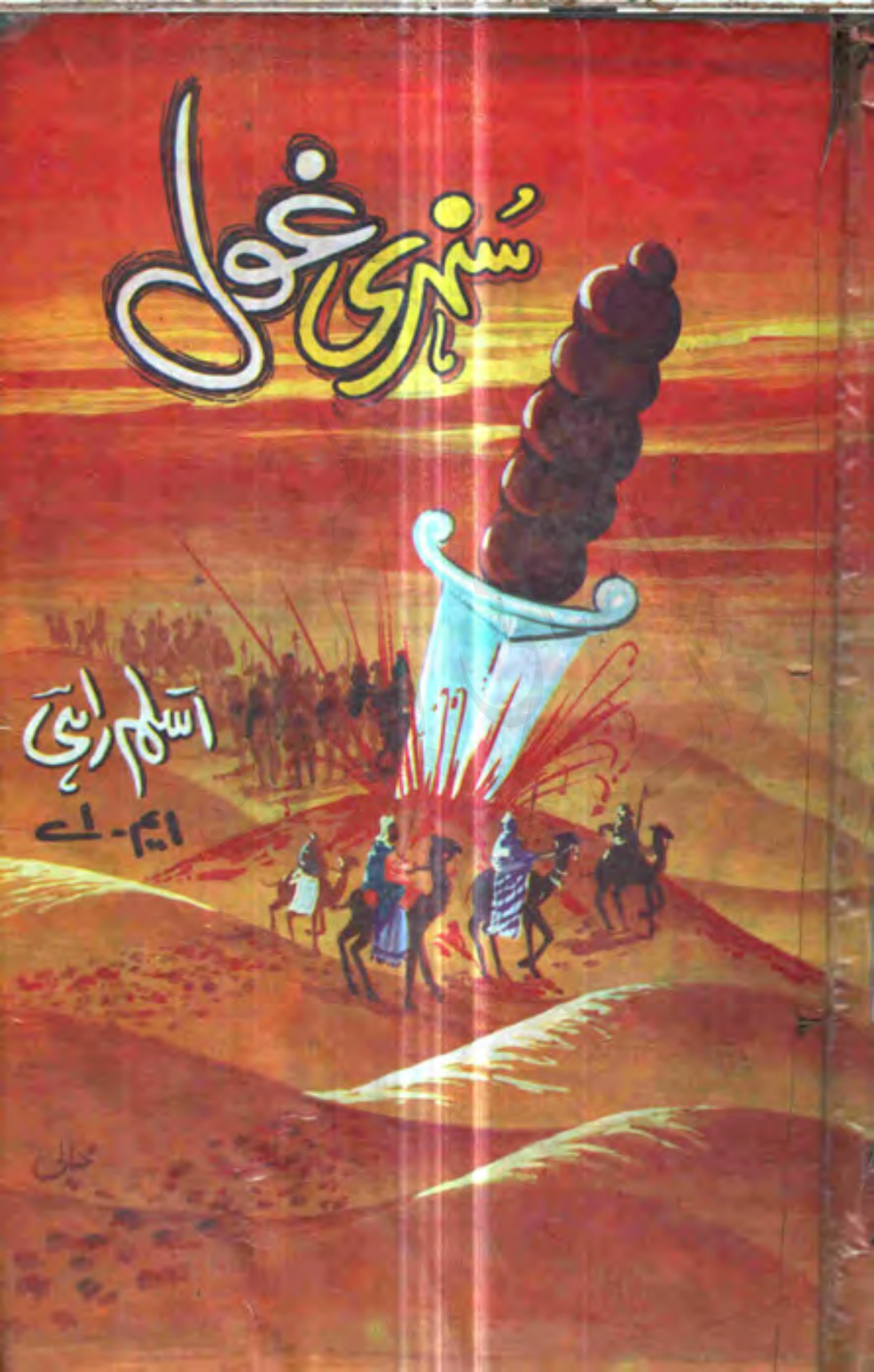

اسلم راہی
ایم۔اے

آٹھ ہجری کی ایک تاریک اور سنسان رات تھی۔ کوئی پچاس اونٹوں پر مشتمل ایک کارواں حمص سے نکل کر قریاطین میں سے ہوتی ہوئی شاہراہ پر مرج راہط کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ہر طرف سناٹا اور ہو کا عالم تھا۔ عرب مختلف قسم کی آوازیں نکالتے ہوئے بڑی تیزی سے اونٹوں کو ہانکتے جا رہے تھے۔ سب سے اگلے اور سب سے پچھلے اونٹ پر کجاوے کے ساتھ ایک دو فٹ اونچی لکڑی کے ساتھ مشعل جل رہی تھی۔

اونٹوں کی لمبی قطار کے ساتھ ساتھ چار گھوڑے بھی چل رہے تھے۔ ان پر کوئی سوار نہ تھا۔ ہاں ان پر زینیں پڑی ہوئی تھیں اور ان کے دہانے اونٹوں کے کجاوے کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔

سب سے اگلے اونٹ پر کوئی پچیس برس کے سن کا ایک قد آور، سڈول اور دوہرے جسم کا جوان بیٹھا تھا۔ اس نے کجاوے سے ٹیک لگا رکھی تھی اور اس کی آنکھیں تن میں رات کے اس وقت بھی شاہین کی سی چمک تھی اپنے سامنے شاہراہ پر جمی ہوئی تھیں۔

وہ کارواں کا سالار تھا۔ اونٹ رات کے وقت صحرا کے اونچے اونچے ٹیلوں اور نشیب کو جس تیزی سے روندتے جا رہے تھے اس سے صاف ظاہر تھا کہ کارواں کا سالار صحرا کے اس خطرناک راستے کی بھول بھلیوں سے خوب واقف ہے۔ وہ کبھی کبھی پیچھے مڑ کر شاید کاروان کی سلامتی کا بھی جائزہ لے لیتا تھا۔ سب سے پچھلے اونٹ کے کجاوے پر جلتی ہوئی مشعل اس کے اطمینان کا سب سے بڑا ذریعہ تھی۔

سارے اونٹ سامان سے لدے ہوئے تھے اور ہر اونٹ پر دو دو آدمی سوار تھے۔

کاروان پوری رات صحرا کی وسعتوں کو ناپتا رہا۔ ریت اڑتی رہی۔ صحرا میں کھڑے کہیں کہیں کیکر کے جھاڑی نما درخت گزرتے رہے۔

○

سورج طلوع ہونے کے بعد جب کہ صحرا میں آگ برسنا شروع ہو گئی تھی، کاروان مرج بابل کے نخلستانوں میں ہوتا ہوا ایک سرائے کے پاس آ کر رک گیا۔ سرائے کے باہر ایک کھلے میدان میں سارے اونٹ بٹھا دیئے گئے اور ان کی پشت سے سارا سامان اتار کر ایک جگہ درختوں کے سائے میں ڈھیر کر دیا گیا تھا۔

کاروان کا سالار ایک ایک اونٹ کا کجاوہ ٹٹول ٹٹول کر دیکھ رہا تھا۔ ایک کجاوے کو ہلاتے ہوئے اس نے اپنے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ایک جوان سے سنجیدگی سے کہا۔

"عروہ! کچھ کجاوے ڈھیلے ہو گئے ہیں اور کئی کی چھوٹی لکڑیاں بھی ٹوٹ گئی ہیں"

عروہ نے بھی اس کجاوے کو ہلا کر دیکھا۔

"اس سرائے میں گھوڑوں کی نعل بندی اور اونٹوں کے کجاوے مرمت کرنے والا ہے نا۔ اس سے ٹھیک کرا لیتے ہیں۔"

اب وہ دوسرے کجاوے دیکھتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ اتنے میں سرائے سے دو آدمی نکلے۔ ایک سرائے کا مالک بوڑھا ارید تھا اور اس کی کمر تھوڑی سی جھکی ہوئی تھی دوسرا اس کا بیٹا رباح تھا۔ ان کے گلے میں سنہری صلیبیں لٹک رہی تھیں جو ان کے عیسائی ہونے کی دلالت کرتی تھیں۔

سرائے سے نکلنے کے بعد رباح نے بڑے غور سے کاروان کی طرف دیکھتے اپنے باپ سے پوچھا۔

"یہ کس کا کاروان ہے؟ بہت بڑا ہے یہ تو!"

ارید مسکرایا ——————

"انہی کاروانوں کے سہارے تو ہم ان نخلستانوں میں زندہ ہیں۔ یہ لوگ ہمارے خوشی اور غمی کی امیدوں کا پیغام لے کر وارد ہوتے ہیں۔"

دونوں ذرا اور آگے بڑھے تو ارید چلا اٹھا۔

"ارے یہ تو صمام بن ثعلب کا کاروان ہے۔"

رباح بھی مسکرا دیا۔

"اور اس کے ساتھ عروہ بن مسعود بھی ہے بابا!"

ارید نے لاپروائی سے کہا۔

"یہ کوئی نئی بات ہے۔ صمام ہر سال جب اپنے کارواں کے ساتھ یہاں سے گزرتا ہے تو اس کا یہ دوست عروہ اس کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔"

دونوں باپ بیٹا جب ان سے ذرا قریب ہوئے تو صمام بن ثعلب انہیں دیکھتے ہی ان کی طرف بھاگا اور ارید سے گلے ملتے ہوئے اس نے کہا۔

"اوہ ارید! کیسے ہو تم؟"

اس کے بعد وہ رباح سے گلے ملا اور بعد میں دونوں باپ بیٹا اسی طرح کے تپاک سے عروہ بن مسعود سے ملے تھے۔

ارید نے گلے کے انداز میں کہا۔

"تم یہاں باہر کیوں کھڑے ہو، سیدھے سرائے میں کیوں نہ آئے؟"

صمام مسکرا دیا۔

"ابھی تو ہم اترے ہیں۔ میں ذرا کجاوے دیکھ رہا تھا۔ کچھ کجاوے ڈھیلے پڑ گئے ہیں اور کئی ایک کی چھوٹی لکڑیاں ٹوٹ چکی ہیں۔ کیا تمہاری سرائے میں کجاوے ٹھیک کرنے وا... بوڑھا عجب سے کہا... سے اس کا میں بھول... (illegible)"

"عطار"!

صمام نے پیشانی پر انگلی مارتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں، عطار بن حاجب۔ ادھر ہی ہے وہ؟"

"ہاں ادھر ہی ہے۔ تم چلو نا اندر۔ تم سے مل کر وہ بہت خوش ہو گا۔ اکثر وہ تمہاری راست بازی اور شجاعت کی تعریف کرتا رہتا ہے۔"

○

چاروں سرائے میں داخل ہوئے۔ ایک طرف بوڑھا عطار بڑی محنت سے ایک
گھوڑے کی نعلبندی کر رہا تھا۔ قریب ہی اس کا چھوٹا سا لڑکا بیٹھا نعلوں سے کھیل رہا تھا
صمام اور عروہ کو دیکھتے ہی عطار نے کام چھوڑ دیا اور بڑی گرم جوشی کے ساتھ دونوں سے ملا۔
صمام نے اس بچے کی طرف دیکھتے ہوئے عطار سے پوچھا۔
"یہ تمہارا لڑکا ہے چچا!"
عطار نے بچے کی طرف پیار سے دیکھا۔
"ہاں میرا لڑکا ہے۔"
صمام اور عروہ دونوں نے اسے ایک ایک درہم نکال کر دیا۔ بچہ پہلے جھجکا پھر
باپ کی طرف دیکھا اور پھر اس کا اشارہ پاکر دونوں درہم لے لیے اور نعل چھوڑ کر ان سے کھیلنے لگا۔
صمام نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔
"عطار چچا! میں آتا ہوں تھوڑی دیر تک پھر تمہارے ساتھ بیٹھ کر باتیں کروں گا۔"
عطار مسکرا کر پھر اپنے کام میں لگ گیا تھا۔
وہ چاروں سرائے کے اندر آکر بیٹھ گئے۔
رباح نے صمام کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی چاہت سے پوچھا۔
"کیا کھاؤ گے اخی!"
صمام نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔
"صبح کا کھانا تو ہم نے راستے میں ہی کھا لیا تھا۔"
اربد بھی بول پڑا۔
"کچھ پینے کو لے آؤ۔"
صمام نے دلچسپی سے پوچھا۔
"کیا ہے تمہارے پاس؟"
اربد نے لکڑی کے ایک برتن کی طرف اشارہ کیا۔
"جَو کی تازہ شراب۔"

صمام مسکرا پڑا۔
"وہ تو ہم خود بناتے ہیں اور میرے اُونٹ کے کجاوے کے ساتھ ابھی تک ایک شکیزہ
بھرا ہوا بندھا ہے۔"
"میرے پاس انگور کی شراب بھی ہے بالکل تازہ۔"
"کہاں سے منگائی ہے۔"
"رباح کچھ دن ہوئے دمشق گیا تھا وہاں سے لایا تھا۔"
صمام خوش ہو گیا۔
"وہ تو میں ضرور پیوں گا۔"
رباح اُٹھا اور شیشے کی ایک صراحی بھر کر ان کے سامنے رکھ دی۔ صمام اور عروہ دونوں
دو دو گلاس پی گئے۔
"دوپہر کا کھانا یہیں کھاؤ گے نا؟"
صمام نے غور سے اربد کی طرف دیکھا۔
"نہیں میں اب یہاں سے کھسیا جاؤں گا۔"
اربد نے کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھا۔
"تمہیں اس بوڑھے راہب سے بہت عقیدت ہے۔"
صمام کا چہرہ کچھ اس طرح ہو گیا تھا جیسے اس کی چوری پکڑی گئی ہو۔ مگر فوراً ہی وہ
سنبھل گیا۔
"ہاں! وہ بہت اچھا انسان ہے اور میرے ساتھ وہ بہت شفقت سے پیش
آتا ہے۔ میں ہر سال جب بھی اپنے تجارتی قافلے کے ساتھ یہاں سے گزرتا ہوں اس سے
ملے بغیر کبھی نہیں گیا۔"
"کہاں تک گئے تھے۔"
"حلب تک۔"
"کیا کیا لائے ہو؟"

"تلواریں، گندم، چاول، زیتون کا تیل، مصالحے اور کچھ چھوٹی چھوٹی چیزیں۔"

"لے کر کیا گئے تھے؟"

"کھجور، جَو کی شراب، گنّو، شہد، بھیڑوں کی اُون، اُونٹوں کی کھالیں۔"

"کیسے رہے سودے؟"

"میرا سودا ہمیشہ نفع میں ہی ہوتا ہے۔"

صمام کھڑا ہو گیا۔

"میں ذرا کلیسا ہو آؤں۔"

"رات رکو گے نہیں؟"

"نہیں میں بہت جلد وطن پہنچنا چاہتا ہوں۔"

○

صمام اور عروہ سرائے سے نکل کر باہر آئے۔ دونوں سامان کے ڈھیر کے پاس آ کر رُکے۔ صمام نے عروہ کی طرف دیکھا اور کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"میں کلیسا ہو آؤں؟"

عروہ کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ گویا کلیسا جانے میں کوئی گہرا راز تھا۔

"ہو آؤ ——"

"دوپہر تک اُونٹوں کو آرام کرنے دو۔ اس کے بعد۔ دس بارہ آدمیوں کو بھیجنا کہ انہیں گھما لائیں۔ یہاں درخت بہت ہیں اس لیے جلدی ہی اپنا پیٹ بھر لیں گے۔ سارے جوانوں کو دوپہر کا کھانا خوب اچھی طرح کھلانا۔"

"تم شام تک آ جاؤ گے نا"

"تم کوچ کر کے وہیں آ جانا۔ میں وہاں تیار ہوں گا۔ ویسے راستہ بھی وہی ہے۔"

"کس وقت کوچ کراؤں؟"

"بس جب سورج غروب ہونے لگے۔"

"ٹھیک ہے۔"

"پانی کے مشکیزے خیال کر کے سب یہاں سے بھر لینا۔"

"تم جاؤ میں ہر چیز درست کر لوں گا۔"

صمام نے سامان کے پاس پڑی ہوئی ایک زین اٹھائی اور میدان میں چرتے ہوئے ایک گھوڑے پر ڈال دی۔ دھاوا چڑھانے کے بعد وہ زین کا جائزہ لینے لگا۔ زین کے دونوں جانب تین تین مضبوط اور پتلی سی کمندیں لٹک رہی تھیں۔ زین کے دونوں طرف نلکی طرف تین تین چمڑے کی لمبی لمبی تھیلیاں بھی لگی تھیں اور ہر تھیلی میں ایک ایک خنجر تھا۔ زین کے اگلے حصّہ کی اُونچائی سے ڈھال بھی بندھی ہوئی تھی۔ اپنے کجاوے سے تین اور تھیلیاں نکال کر بھی اس نے زین سے باندھ دی تھیں۔

صمام نے اپنے سر پر سفید عمامہ درست کیا۔ کمر سے لٹکتی ہوئی تلوار کا جائزہ لیا اور چھلانگ لگا گھوڑے پر ہو بیٹھا۔ سرائے کے سامنے سے گزر کر بستی سے ہوتا ہوا وہ کوئی آدھا فرلانگ باہر آیا۔ سامنے ایک دوراہا آ گیا تھا جہاں سے ایک راستہ نکل کر دمشق کی طرف جاتا تھا اور دوسرا سیدھا یرموک کی طرف چلا گیا تھا۔

دوراہے کے بائیں طرف ایک کلیسا دکھائی دے رہا تھا جس کا زیادہ حصّہ انار اور انجیر کے گھنے درختوں کی بیلوں کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ صمام نے گھوڑا بائیں طرف موڑا اور کلیسا کی حدود میں داخل ہو گیا۔

عمارت کے سامنے انار اور انجیر کے درختوں کے نیچے ایک راہب چٹائی پر بیٹھا کوئی کپڑا سی رہا تھا۔ صمام جب اس کے پاس آ کر گھوڑے سے اُترا تو وہ چونکا ایک بار غور سے اس کی طرف دیکھا پھر گود میں رکھا ہوا کپڑا ایک طرف پھینک کر وہ کھڑا ہو گیا اور خوشی سے چلّایا۔

"صمام تم!"

صمام بھاگ کر اس کے پاس گیا اور بوڑھے راہب نے اُسے گلے لگا لیا اور پھر اپنے ساتھ ہی چٹائی پر بٹھلاتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"کب آئے ہو؟"

"آج ہی"۔

"وہیں ارید کی سرائے میں اترے ہوگے"۔

"جی ہاں"۔

صمام بڑی بے قراری سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ جیسے اسے کسی کی تلاش ہو۔ پھر اس نے ایک بار غور سے راہب کی طرف دیکھا اور جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"ربطہ کہاں ہے؟"

"اندر ہی ہے میں بُلاتا ہوں" پھر راہب وہیں بیٹھے بیٹھے زور سے چلّانے لگا تھا۔

"ربطہ! ربطہ!"

تھوڑی دیر میں ایک نوخیز، چھریرے بدن کی خوبصورت لڑکی عمارت سے نکل کر ان کی طرف آئی۔ اس کا چہرہ پکے ہوئے سُرخ سیب کی طرح دہک رہا تھا اور اس نے راہبہ کا لباس پہن رکھا تھا۔ جب وہ ان کے قریب آئی تو صمام کو دیکھ کر اس کے چہرے پر گہری اور بے پایاں مسکراہٹ پھیل گئی پھر ——— پھر مدھم اور کھنکتی ہوئی آواز میں اُس نے پوچھا ——— "کس وقت آئے ہو صمام!"

صمام نے چند لمحوں تک اسے ٹکٹکی باندھے بڑے غور سے دیکھا اور پھر وہ بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرا دیا۔

"ابھی آیا ہوں"۔

"قافلے کے ساتھ"

"ہاں"

راہب نے بڑی شفقت سے راہبہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اس کے کھانے کا کوئی بندوبست کر دو بیٹی!"

ربطہ نے واپس مڑتے ہوئے کہا۔

"ابھی لاتی ہوں"۔

ربطہ اندر چلی گئی۔ صمام اٹھا اور زین سے چمڑے کی دو تھیلیاں کھول کر راہب کے

سامنے رکھ دیں۔ راہب نے غور سے اس کی طرف دیکھا اور مسکرانے لگا۔

"ایک میں تو شہد ہوگی جو تم ہر سال لاتے ہو اور دوسری میں؟"

"کھجور کا شیرہ"

راہب تھیلیاں کھولنے لگا۔ صمام پھر کھڑا ہو گیا۔

"میں ربطہ کے لیے بھی کچھ چیزیں لایا ہوں۔ اسے دے آؤں"۔

راہب نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"دے آؤ، دے آؤ"۔

تیسری تھیلی پہلی دونوں تھیلیوں سے کافی بڑی تھی۔ صمام نے اسے کھولا اور کندھے پر رکھ کر عمارت کے اندر گھس گیا۔ ربطہ اندر اس کے لیے کھانا تیار کر رہی تھی۔ صمام تھیلی اس کے قریب ہی رکھ کر بیٹھ گیا۔

ربطہ نے تھیلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سنجیدہ و متین لہجے میں پوچھا۔

"یہ کیا ہے؟"

صمام نے تھیلی کا منہ کھولا اور ایک پوستین نکال کر ربطہ کے سامنے رکھ دی ———

"تمہارے لیے لایا ہوں"۔

ربطہ نے چور نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔

"کہاں سے؟"

"حلب سے خریدی تھی۔ ذرا پہن کر دکھاؤ"۔

"کھانا بنالوں پھر پہنوں گی"۔

صمام نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"نہیں ابھی"۔

ربطہ اٹھی اور پوستین پہن لی۔

"کیسی ہے؟"

"بہت اچھی ہے"۔

س تھیلی سے دو اور چھوٹی تھیلیاں نکال کر صمام نے اس کے سامنے رکھ دیں۔
"تمہارے لیے شہد اور کھجوریں۔ راہب کو نہ دینا اس کو میں اس کا حصہ دے آیا ہوں"
ربطہ ہنس دی تھی۔
"بہت چالاک ہو"۔
ربطہ پھر کھانا بنانے لگ گئی تھی۔ صمام نے کچھ دیر تک اسے خاموش اور گہری نگاہوں سے دیکھا اور پھر بکے سے کہا۔
"اس بار کیا تم چلو گی میرے ساتھ؟"
ربطہ نے بے تکلفی سے کہا۔
"کہاں؟"
"میرے گھر۔ میری ماں تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہو گی"۔
ربطہ سنجیدہ ہو گئی۔
"میں تمہیں پہلے بھی کئی بار کہہ چکی ہوں کہ میں مذہب کی جس راہ پر چل نکلی ہوں اس میں شادی کا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ میں ساری عمر شادی نہیں کر سکتی"۔
صمام اداس ہو گیا۔
"یہ بات تو تم ہر دفعہ ہی کہتی ہو"۔
"تو پھر اور کیا کہوں؟"
"کیا تم اپنی اس زندگی میں خوش ہو؟ ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے۔ اٹھارہ برس کی شکل سے ہو گی۔ آنے والی پہاڑ سی زندگی کیسے گزارو گی؟"
ربطہ کچھ اداس ہو گئی۔
"بس گزر ہی جائے گی"۔
"کیا میرے ساتھ شادی نہیں کرو گی؟"
"پھر وہی بات میں راہبہ ہوں اور ایک راہبہ شادی کا خیال بھی اپنے ذہن میں نہیں لا سکتی"۔

صمام نے جھلا کر کہا۔
"تم بالکل پتھر ہو۔ ایک سنگین دیوار ہو جس پر اس انام کے زندہ عناصر کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ کاش ——— کاش تم صرف ایک بار کہہ دیتی کہ میں" ——— ربطہ الجھ سی گئی اور اس کی بات کاٹتے ہوئے افسردگی سے کہا۔
"میں اگر راہبہ نہ ہوتی تو تمہیں اپنی زندگی کا ساتھی چنتے ہوئے فخر محسوس کرتی"۔
صمام اداس سا اٹھا اور آہستہ آہستہ باہر آ کر راہب کے پاس بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ربطہ باہر آئی اس کے ہاتھ میں انار کے رس سے بھرا ہوا ایک بڑا سا مٹی کا پیالہ تھا۔ صمام کی طرف بڑھاتے ہوئے اس نے کہا۔
"یہ لو!"
صمام نے پیالے کی طرف دیکھا اور ہاتھ سے پیچھے ہٹا دیا۔
"مجھے پیاس نہیں"۔ اس کی آواز میں دکھ بھرا ہوا تھا۔
ربطہ کے چہرے پر پژمردگی چھا گئی رنجی سی آواز میں اس نے پھر صمام سے کہا۔
"پی لو نا"۔
راہب بھی ربطہ کی تائید میں بول اٹھا تھا۔
"پی لو۔ پی لو بیٹے! یہاں اس کلیسا میں تکلف کیسا؟"
صمام نے غور سے ربطہ کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ اپنے ہونٹ کاٹ رہی تھی۔ پیالہ اس سے لے کر وہ چپ چاپ پی گیا۔ ربطہ نے اس کے بعد اسے کھانا پلایا اور اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ راہب نے صمام سے پوچھا۔
"آج رات یہاں قیام کرو گے نا؟"
صمام جو کسی سوچ میں پڑا تھا چونکا اٹھا تھا۔
"نہیں۔ میں آج شام کو کوچ کر جاؤں گا"۔
"تم لوگ زیادہ دیر باہر بھی نہیں رہ سکتے تمہارے قبیلے جو آپس میں لڑتے رہتے ہیں تو تمہارے قبیلے کا نام بھی بھول گیا ہوں۔ ذرا شکل سا نام ہے ———

"میں بنو اخزاعہ سے ہوں۔"

"ہاں ہاں تمہاری بھی کسی دوسرے قبیلے سے دشمنی ہوگی؟"

"ہاں ہمارا حریف بنی بکر ہے مگر کئی برس پہلے ہم نے ان پر فوقیت حاصل کی تھی سے اب تک کوئی جھگڑا نہیں اور دونوں قبیلے پُر امن زندگی بسر کر رہے ہیں۔"

"تمہارے ہاں سُنا ہے بہت سے خداؤں کی پُوجا کی جاتی ہے۔"

"ہاں ہمارے ہاں کئی بُت ہیں جن کی پُوجا ہوتی ہے۔ مثلاً لات، عزیٰ، مناۃ، ایک ہی وقت میں سب کی پُوجا ہوتی ہے؟"

"نہیں ہر قبیلے کا علیحدہ بُت ہوتا ہے مثلاً عزیٰ بنی شیبان کا بُت ہے۔"

"کہاں ہے یہ بُت؟"

"ایک جگہ ہے نخلہ وہاں۔ اسی طرح مناۃ اوس اور خزرج قبائل کا ہے اور سوا بنی ہذیل کا بُت ہے۔"

"اور تمہارے ہاں جس شخص نے نبوّت کا دعویٰ کر رکھا ہے اس کے پیروکار کیا کرتے

"میں نے آج تک نہ اس نبی کو دیکھا ہے اور نہ کبھی اس کے پیروکار کو، پر سُنا۔ کہ وہ صرف ایک خدا کی عبادت کرتے ہیں۔"

"تمہارے نزدیک ہی ہوں گے کہیں؟"

"نہیں بہت دُور ہیں۔ میرا قبیلہ مکہ شہر کے زیریں میں آب وتیز نامی ایک چشمے پاس آباد ہے اور وہ یثرب میں ہیں جسے آج کل مدینہ کہتے ہیں اور یہ شہر ہم سے کافی دُور ہے

"اس بار کارواں میں کتنے اُونٹ لائے ہو؟"

"پچاس کے قریب ہیں۔"

"یہاں سے واپس سرائے میں جاؤ گے یا"——— صمام نے راہب کی قطع کرتے ہوئے کہا ——— "نہیں کاروان تھوڑی دیر تک اِدھر ہی آئے گا اور میں کے ساتھ ہو لوں گا۔"

"یثرب کی طرف سے جاؤ گے؟"

"نہیں میں جبل ہاراں کے بائیں طرف سے ہوتا ہوا صحرائے حماد میں سے ہو کر جاؤں گا۔"

"وہ کیوں؟" راہب کا لہجہ فکر گیر تھا۔

"صحرائے حماد میں عربوں کی ایک بستی القطر ہے اس کے سردار کے ساتھ میرے بڑے ے مراسم ہیں۔ میں اس کے لیے کچھ تلواریں حمص سے خرید کر لایا ہوں۔ میں جاتی دفعہ بھی راستے سے ہوتا ہوا صحرائے حماد سے نکل چشمہ صوا اور وہاں سے حلب چلا گیا تھا۔"

راہب فکر مند ہو گیا تھا۔

"یہ راستہ تو بے حد خطرناک ہے۔"

"کیوں؟"

"جبل ہاراں میں حماص نامی جو لٹیرا رہتا ہے۔ وہ کوئی بھی کارواں سلامت نہیں نے دیتا۔ سب کو لوٹ کر مال چھین لیتا ہے اور قتل وغارت کا بازار گرم کر دیتا ہے۔"

صمام نے طنزیہ کہا۔

"اس پہاڑی چوہے کی کیا جرأت کہ مجھ سے ٹکرائے میں اسے پاش پاش کر دوں گا۔" وہ حماص اب پہلے والا حماص نہیں اس کے ساتھ کافی جمعیت ہو گئی ہے۔

"جس دن اس نے ہم عربوں پر ہاتھ اُٹھایا اس دن وہ نہ ہو گا یا ہم نہیں ہوں گے۔"

ربطہ پہلی بار بولی اس کی آواز میں شہد جیسی شیرینی اور حلاوت تھی۔

"صمام اگر وہ تم سے تعرض کرے تو میرا نام لینا۔ وہ تمہیں کچھ نہ کہے گا۔"

"کیوں؟" صمام نے چونکتے ہوئے پوچھا تھا۔

"وہ اکثر یہاں آتا رہتا ہے اور اس نے مجھے بہن کہا ہوا ہے۔"

"نہیں، میرے بازوؤں میں ہمت ہے۔ میرے ساتھی لڑائی کے ہر فن سے خوب ہیں۔ ایسے لفنگوں سے میں نمٹنا خوب جانتا ہوں۔"

اتنی دیر میں بستی کی طرف سے کاروان آتا دکھائی دیا اور صمام کھڑا ہو گیا۔

"میرا کارواں آ گیا ہے میں اب چلتا ہوں۔"

ربطہ بھاگتی ہوئی اندر گئی بڑی تھیلی اٹھا لائی اور صمام کے گھوڑے کی زین سے باندھ دی۔

"یہ کیا؟" صمام نے پوچھا۔
"تمہارے لیے کھانا۔"

کارواں کلیسا کی سیدھ میں آکر رُک گیا تھا۔ اونٹوں کی لمبی قطار انجیر کے درختوں کی گھنی بڑا دلفریب منظر پیش کر رہی تھی۔ راہب نے صمام سے ہاتھ ملایا۔

"یسوع مسیح تمہاری حفاظت کرے۔"

صمام ربطہ کے پاس سے گزر کر گھوڑے پر بیٹھنے لگا تو اس نے ہلکے سے درد آواز میں کہا۔

"خداوند ہمیشہ تمہارے ساتھ ہو۔"

صمام کلیسا سے نکل کر سب سے اگلے اونٹ کے پاس رُکا۔ اس پر عروہ بیٹھا تھا وہ نیچے اُترا اور اس سے پچھلے اُونٹ پر سوار ہو گیا۔ صمام نے گھوڑے پر بیٹھے ہی اس کی لگام اپنے اُونٹ کے کجاوے سے باندھی پھر بہت لگا کر اپنے اُونٹ پر بیٹھا

کارواں پھر چل پڑا۔ ربطہ باہر کھڑی غور سے کاروان کو صحرا کی طرف جاتا دیکھ تھی۔ جب وہ ریت کے اُونچے اُونچے ٹیلوں میں اوجھل ہو گیا تو اس کا سر جھک گیا آہستہ چلتی ہوئی وہ کلیسا کے اندر چلی گئی۔ باہر تیز ہوا ئیں چل رہی تھیں اور اس کی آواز میں اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کئی لوگ مل کر بڑے درد بھرے انداز گیت گا رہے ہوں ——— لپکے ہوئے رس دار سنتوڑے کی طرح حسین ربطہ اپنا کچھ اس طرح کلیسا کے اندر چلی گئی تھی جیسے ——— جیسے کسی پُراسرار جذبے وصال و جُدائی کے سنگم پر کھڑا کر دیا ہو۔ وہ سردیوں کے اس تنہا پہاڑی پھول کی اُداس ہو گئی تھی جس کی پتیاں بکھر جانے کا وقت آگیا ہو۔ راہب سے کوئی بات کیے کے بجھتے ہوئے الاؤ کی طرح ویران ویران سی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

کاروان رات بھر سفر کرتا رہا۔ صبح سویرے جب سُورج نے صحرا سے تاک جھانک شروع کی تو وہ جبل ہاران کے ساتھ ساتھ قدرے ہموار راستے پر سفر کر رہے تھے۔ ایک کھلی جگہ جہاں گھنے درختوں کے جُھنڈ بھی تھے کاروان رُکا۔ اونٹوں سے سامان اُتار کر انہیں درختوں کے پتوں سے پیٹ بھرنے کی خاطر کھلا چھوڑ دیا گیا۔ پہاڑ کے نیچے وادی میں خوب ہری ہری گھاس تھی۔ انہوں نے اپنے گھوڑے اس میں چھوڑ دیے اور کچھ عرب بیٹھ کر گھاس کاٹ کاٹ کر ڈھیر لگانے لگے تھے۔

ہر کوئی اپنے اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔ کچھ لوگ کھانا پکانے لگے تھے، کچھ اُونٹ چرانے چلے گئے اور باقی کے بڑی تیزی سے گھاس کاٹ رہے تھے۔ عروہ آہستہ آہستہ صمام کے پاس آیا اور غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اس پہاڑ کے اُوپر شاید کوئی چشمہ ہو۔ اونٹوں کو پانی پلانے کا بندوبست بھی یہیں سے کر لیتے ہیں۔

صمام نے اپنے سامنے چرتے ہوئے گھوڑوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ———

"نہیں، آج دن کو بھی سفر جاری رکھیں گے۔ کافی دُور تک درختوں کا سایہ ہے اگر ہم اسی طرح سفر جاری رکھیں تو شام تک ہم صحرائے حماد میں پہنچ سکتے ہیں۔ جانوروں کو پانی وہیں جبل ہاران سے نکلنے والے دریائے سومان سے پلائیں گے۔"

عروہ نے اس کی تائید میں مطمئن ہو کر کہا۔

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے پھر یہاں سے کس وقت کُوچ کیا جائے؟"

"بس جانوروں کو پیٹ بھر لینے دو، جوانوں کو کھانا کھا لینے دو اور پھر چلتے ہیں۔"

عروہ ایک طرف ہٹ گیا اور ساتھیوں کے کام کا جائزہ لینے لگا تھا۔

○

سب اُونٹ ایک جگہ بیٹھے جگالی کر رہے تھے اور عرب کھانا کھا چکنے کے سامان لاد رہے تھے۔ صمام اور عروہ بھی اپنے گھوڑوں پر زین ڈالنے کے بعد دوسرے کے دوش بدوش کجاووں سے سامان باندھ رہے تھے۔ ناگاہ صمام کی نگاہیں اپنے کی جانب اُٹھ گئیں اور اس کے چہرہ پر وحشت کی پھیل گئی۔ بیشمار آدمی درختوں کے پتھر پھلانگتے ہوئے ان کی طرف بھاگے آرہے تھے۔ سب کے ہاتھ میں ڈھال اور تلوار تھی

صمام نے فوراً تلوار سونت لی۔ عروہ بھی اپنی چمکتی ہوئی تلوار نکال چکا تھا عربوں نے کام بند کر دیا تھا اور اپنی تلواریں اور ڈھال لے کر مستعد ہو گئے تھے۔ کچھ جلدی جلدی اپنی پیٹھ پر ترکش باندھ کر کمانیں سیدھی کر لی تھیں۔

صمام اور عروہ دونوں اپنے گھوڑوں کی طرف بھاگے اور سوار ہو کر اپنے ساتھ آگے کھڑے ہو گئے تھے۔ حملہ آور اب پہاڑ سے اُتر کر میدان میں آگئے تھے۔ سب عرب اطمینان سے اُن کو اپنی طرف آتا دیکھ رہے تھے۔ صمام نے ایک بار پیچھے مڑ کر اپنے کی طرف دیکھا اور اپنی تلوار فضا میں لہرا دی۔

اسی لمحہ عربوں نے تیروں کی ایک سخت بارڈھ ماری اور سامنے آنے والوں میں کے قریب زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ حملہ آوروں کے اب آگے بڑھنے کی رفتار سُست ہو گئی اور تیروں سے بچنے کی خاطر انہوں نے اپنی ڈھالوں کی آڑ لے لی تھی۔

صمام اور عروہ دونوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور آگے بڑھے۔ اس کے ہی اس کے ساتھی بھاگتے ہوئے حملہ آوروں پر ٹوٹ پڑے۔ صمام نے بائیں ہاتھ میں تلوار ڈھال پکڑ رکھی تھی۔ دائیں ہاتھ سے اس نے گھوڑے کے ساتھ بندھی ہوئی ایک کمند کھو اور حملہ آوروں میں سے ایک پر پھینکی۔ کمند اس کے گلے میں پھنس گئی۔ صمام نے ایک جھٹ دیا اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ اس طرح اس نے باری باری ساری کمندیں پھینکیں اور وہ سب کمندوں میں پھنستے پھنستے ختم ہو گئے مگر گھوڑا اِدھر اُدھر بھاگ کر ابھی تک انہیں زمین پر

گھسیٹ رہا تھا۔

دوسری طرف عروہ بھی اسی طرح چھ آدمیوں کو اپنے گھوڑوں سے بندھی ہوئی کمندوں میں پھانس کر مار چکا تھا۔ صمام نے پھر گھوڑے کو موڑا اور نئے طریقے سے حملہ آور ہوا چمڑے کی تھیلیاں جو زین سے لگی ہوئی تھیں۔ ان سے اس نے باری باری خنجر نکال کر پھینکے اور اس طرح چھ اور آدمی ختم ہو گئے۔ عروہ بھی اس وقت اپنے خنجر چلا چکا تھا۔

دونوں گھوڑوں سے اُترے اور اپنے ساتھیوں کے دوش بدوش دشمن پر ٹوٹ پڑے وہ جس طرف حملہ آور ہو لیتے تھے انسانی سر گیند کی طرح گرتے چلے جاتے تھے۔ باقی عرب بھی سر پر کفن باندھے حملہ آوروں کو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ رہے تھے۔

عربوں کے لڑنے کا طریقہ بے حد قابل تعریف تھا۔ ان کی خون سے لتھڑی ہوئی تیزی سے لہراتی تلواریں اس وقت نظر آتیں جب دشمن پر گر چکی ہوتیں وہ ڈھالوں کی اوٹ میں بڑے والہانہ انداز میں زندگی اور موت کا کھیل کھیل رہے تھے۔ ان کے چہروں پر ملکوتی مسکراہٹ تھی شاید وہ کافی عرصہ بعد اپنی تلواروں کی پیاس بجھا رہے تھے کچھ اس طرح جیسے پھر ایسا موقع ہاتھ نہ لگے گا۔

عربوں نے اس تیزی سے حملہ آوروں کو کاٹ دیا تھا کہ اب وہ کہیں کہیں نظر آرہے تھے وہ بھاگنے کی راہیں تلاش کر رہے تھے مگر عرب انہیں کچھ اس طرح نرغے میں لے چکے تھے کہ بچ نکلنا ناممکن ہو گیا تھا۔ عرب شاید زیادہ وقت ضائع نہ کرنا چاہتے تھے جلد ہی انہوں نے میدان دشمن سے صاف کر دیا۔ سب عرب اپنی تلواریں مٹی میں رگڑ رگڑ کر صاف کرنے لگے۔ صمام اور عروہ نے اپنی کمندیں خالی کر کے زمین سے لٹکانے کے بعد لاشوں کے سینوں سے اپنے خنجر نکال لیے تھے۔ تھوڑی دیر بعد قافلہ پھر اپنی منزل کی طرف کوچ کر رہا تھا۔

○

شام سے ذرا پہلے وہ جبل ہاران سے نکل کر صحرا میں تھوڑی دُور آگے تک بہنے والے دریائے سوہان سے اپنے جانوروں کو پلانی پلا کر اس کے کنارے کنارے آگے بڑھ رہے تھے وہ بڑے غور سے دریا کے پانی کی طرف دیکھ رہا تھا جو سُرخی مائل تھا۔ اس نے صمام سے پوچھا

"صمام! یہ دریا کہاں سے آتا ہے؟"

صمام نے پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"جبل ہاران سے نکلتا ہے۔"

"اور جاتا کہاں ہے؟"

"تھوڑی دور تک آگے جاتا ہے۔ اس سے ارد گرد کی چند یہودی اور عرب کی زمین سیراب ہوتی ہے۔ آگے جا کر یہ صحرا میں خود بخود ہی خشک ہو جاتا ہے"۔

جبل ہاران کی طرف صحرا میں اب ایک بستی دکھائی دے رہی تھی۔ عروہ نے پھر

"اس بستی کا کیا نام ہے؟"

صمام نے انگلی سے اس بستی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہ جو سامنے نظر آ رہی ہے۔"

"ہاں۔ ہاں"

"یہ القطر ہے۔ اس سے آگے جو ہے اس کا نام صدف اور ان دونوں کے جو ذرا دائیں طرف دکھائی دے رہی ہے اس کا نام حرش ہے۔ اس سے آگے بھی بہت بستیاں ہیں"۔

"سب عربوں کی ہیں؟"

"نہیں القطر اور صدف دونوں عربوں کی ہیں۔ حرش یہودیوں کی ہے۔ اس سے آگے جو بستیاں ہیں وہ زیادہ تر یہودیوں کی ہیں۔ کوئی کوئی بیچ میں عربوں کی ہے ان علاقوں سے خوب واقف اور آگاہ ہو"

"ہاں۔ میں چھوٹا سا تھا جب سے اپنے باپ کے ساتھ تجارتی قافلوں کے ادھر آتا رہا ہوں۔ اب میں اس صحرا کے پورے محل وقوع سے واقف ہوں"

ہم قیام کہاں کریں گے؟

القطر، صدف اور حرش تینوں بستیوں کے درمیان ایک سرائے ہے وہیں

"مالک کون ہے یہودی یا عرب؟"

عیسائی ہے"۔

القطر کے پاس سے گزر کر وہ تھوڑا سا ہی آگے بڑھے تھے کہ سرائے آ گئی۔ اونٹوں سے سامان اتار دیا گیا۔ وہ صحرا میں نظر آتے ہوئے درختوں سے پیٹ بھرنے لگے تھے اور پہاڑ کے دامن سے کاٹی ہوئی گھاس گھوڑوں کے آگے ڈال دی گئی۔

صمام نے سامان کے ڈھیر میں سے تلواروں سے بھری ہوئی ایک بوری نکالی اور گھوڑے پر بیٹھنے کے بعد بوری اپنے سامنے رکھی اور عروہ سے کہا۔

"عروہ میں القطر کے سردار کی تلواریں دے آؤں پھر آتا ہوں"۔

عروہ جو گھوڑوں کے آگے گھاس پھیلا رہا تھا فکرمند ہو کر بولا۔

"جلدی لوٹ آنا"۔

صمام نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے کہا۔

"میں دیر نہیں کروں گا"۔

○

تھوڑی دیر بعد وہ القطر کے سردار جعفر بن حاطب کے ہاں داخل ہو رہا تھا۔ وہ اپنے گھر کے صحن میں بیٹھا اپنے بیٹے سلیمان اور بیٹی اسماء کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ صمام کو دیکھتے ہی سب کھڑے ہو گئے۔ جعفر اور سلیمان باری باری اس سے ملے اور اسماء قریب کھڑی تمام کی طرف دیکھتے ہوئے خاموشی سے مسکرا رہی تھی۔ جعفر نے اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔

"کب آئے ہو؟"

"ابھی میرا قافلہ سرائے میں اترا ہے اور میں ادھر آ گیا ہوں"۔

صمام نے سامنے رکھی ہوئی بوری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ کی تلواریں ہیں"۔

"کتنی ہیں؟"

"سو ہی کہا تھا آپ نے۔ پھر اس نے نقدی کی ایک تھیلی نکال کر جعفر کی طرف بڑھا دی۔ ——— "یہ رقم بچ گئی ہے"۔

"کتنی ہے ؟"

"چالیس دینار"

"بہت سستی مل گئی ہیں"

"ہاں ——"

جعفر نے اپنی بیٹی کو آواز دی -

"اسماء ! صمام کے لیے کھانا لاؤ بیٹی !"

صمام نے جعفر کے ہاتھ پکڑ لیے -

"میں کھا کر آرہا ہوں بالکل کوئی ضرورت نہیں"

جعفر نے اسے تیز نگاہوں سے دیکھا -

"یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟"

"میں سچ کہتا ہوں بھوک نہیں، پہلے بھی کبھی میں نے کھانے سے انکار کیا ہے"

اسماء خود ہی اندر چلی گئی - ایک طرف پڑے ہوئے انگور کے خوشے اٹھا کر اس رومال میں رکھ کر زور زور سے دباتے ہوئے رس نکالنا شروع کر دیا تھا - دو گلاس نے لبالب بھر دیئے - پہلے ایک گلاس اٹھا کر وہ صمام کے پاس لائی -

"یہ لو ——!"

صمام نے اسے غور سے دیکھا - اٹھارہ انیس برس کی وہ ایک ایسی خوبصورت متناسب جسم کی لڑکی تھی جسے غزالہ صحرا کہا جا سکتا ہے -

"اس کی کیا ضرورت تھی" - چونکتے ہوئے اس نے کہا -

"ضرورت کیوں نہیں تھی" - اسماء کے یاقوتی لب کھلے -

صمام نے گلاس لے لیا اور پی گیا -

اسماء دوسرا گلاس بھی اٹھا لائی -

"ایک اور ——"

صمام انکار کر گیا -

"نہیں میں نہیں اب پیوں گا" - اس نے اسماء کے چھوٹے بھائی کی طرف اشارہ کیا —— "سلیمان کو دو"

وہ فوراً بول پڑا -

"ہم تو پی چکے ہیں انجی ! یہ تمہیں ہی پینا ہوگا"

اسماء نے گلاس زبردستی صمام کو تھما دیا اور اسے پینا پڑا -

جعفر نے پوچھا -

"پالمیرا اور حبشیہ صوا کے راستے آئے ہو"

صمام نے منہ پونچھتے ہوئے جواب دیا -

"نہیں میں حلب سے حمص آیا - وہاں سے قریاطین پھر مرج راہط سے ہوتا ہوا جبل ہاران کے ساتھ ساتھ ادھر آیا ہوں"

جعفر پریشان ہو گیا -

"بہت خطرناک راستہ ہے یہ تو"

"کیسے ؟"

"سنا ہے پہاڑ کی اس سمت کچھ لٹیرے کاروانوں کو لوٹ لیتے ہیں - شکر ہے تم سلامت پہنچ گئے ہو"

"مجھ پر بھی انہوں نے حملہ کیا تھا"

جعفر پریشان ہو گیا -

"اچھا —— پھر کیا ہوا ؟"

"ہم نے سب کو قتل کر دیا"

"کتنے تھے وہ"

"ڈیڑھ سو کے قریب ہوں گے"

"اور تمہارے ساتھی کتنے تھے"

"کل سو"

جعفر مسکرایا۔

"جس کارواں کا تم جیسا شجاع سالار ہو اسے کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔"

صمام کھڑا ہو گیا۔

"مَیں اب چلتا ہوں۔"

جعفر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"نہیں رات تمہیں یہیں رہنا ہو گا۔"

سلیمان بھی بولا۔

"ہاں اخی! رات اِدھر ہی رہیں۔"

"نہیں میرے ساتھی میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ مجھے ابھی وہاں جا کر بہت کچھ کرنا ہے۔ کل دن کو آؤں گا۔"

جعفر بھی کھڑا ہو گیا۔

"تمہیں روکنا بے کار ہے۔ مجھے پتہ ہے تم جو کہتے ہو وہی کرتے ہو۔"

جعفر، سلیمان اور اسماء اس کے ساتھ دروازے تک آئے۔ صمام نے سلیمان کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے پوچھا۔

"آج کل کتنی بھیڑ بکریاں ہیں تمہاری؟"

سلیمان مسکرا دیا۔

"بہت ہیں اخی!"

"اور وہ دوسرا جو تمہارے ساتھ ساری بستی کی بھیڑ بکریاں چراتا ہے اس کا کیا حال ہے میں اس کا نام ہی بھول گیا ہوں۔"

"جنید ——"

"ہاں جنید۔"

"وہ بالکل ٹھیک ہے۔ تمہاری بہت تعریف کرتا ہے اخی! کل جب تم آؤ گے تو مَیں اسے بلاؤں گا۔"

صمام القطر سے نکل کر سرائے کے پاس آیا۔ اس کے ساتھی ٹھنڈی ریت پر لیٹے آرام کر رہے تھے۔ کچھ ایک طرف بیٹھے ایک بوڑھے داستان گو سے پرانے وقتوں کی دلچسپ اساطیر اور خوفناک کہانیاں سن رہے تھے۔ کچھ گول دائرے کی شکل میں بیٹھے ارغنوں، دف اور ترم بجا بجا کر سریلی دھنوں میں گیت گا رہے تھے۔ عروہ میں انہیں میں بیٹھا ہوا تھا۔

صمام نے عروہ کو آواز دے کر بلایا۔ وہ اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔

"لوٹ آئے ہو؟"

"ہاں۔ آؤ سرائے میں چلیں۔"

"کیوں ——؟"

"تم آؤ تو سہی پھر وہیں بتاؤں گا۔"

دونوں سرائے میں داخل ہوئے اور لکڑی کے ایک بوسیدہ سے میز پر بیٹھ گئے صمام نے سرائے کے ملازم کو حَو کی شراب لانے کو کہا اور دونوں مزے لے لے کر پینے لگے اتنے میں ایک یہودی ان کے سامنے آ بیٹھا اور میز پر زور سے مُکّہ مارا۔

"کھیلو گے؟"

صمام نے نقدی کی ایک تھیلی نکال کر میز پر رکھ دی۔

"ضرور کھیلوں گا۔"

دونوں جُوا کھیلنے لگے۔

تھوڑی دیر تک صمام اس یہودی سے پچاس دینار جیت چکا تھا اور یہودی اُٹھ کر چلا گیا۔ عروہ نے اٹھنا چاہا۔

"چلو اب چلیں۔"

صمام نے اس کا بازو پکڑ کر بٹھا لیا۔

"بیٹھو ابھی اصل چیز تو تم نے دیکھی ہی نہیں۔"

"کیا ——؟"

"بس تھوڑی دیر بیٹھو پھر خود ہی سمجھ جاؤ گے۔"

کچھ ہی دیر وہ بیٹھے ہوں گے کہ ایک خوبصورت سی چھریرے بدن کی لڑکی نیم عریاں لباس میں سرائے کے اُوپر والے حصّے سے اُتر کر نیچے بڑے کمرے میں آئی۔

عروہ نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ کون ہے؟"

صمام مسکرا دیا۔

"اسی کا تو انتظار تھا۔ یہ سرائے کی رقاصہ ہے۔"

"ابھی رقص کرے گی۔"

"ہاں ——"

دیکھتے ہی دیکھتے سرائے کا بڑا کمرہ لوگوں سے کھچا کھچ بھر گیا اور پھر اس لڑکی نے بڑے موہ لینے والے انداز میں صحرائی رقص شروع کر دیا۔ صمام اور عروہ بڑی محویت سے اس کی ایک ایک ادا دیکھ رہے تھے۔ پکے ہوئے انناس جیسی وہ لڑکی جس کی آنکھوں میں سحر کاری اور جس کا حسن صحرا کی طرح اچھوتا تھا۔ کمرے کے وسط میں خوشبو اور آگ بن کر ناچ رہی تھی۔ کمرے میں بیٹھے ہوئے سب عرب اور یہودی خاموش تھے۔ رات دم بخود ہو گئی تھی۔ لڑکی ناچ رہی تھی اور صحرا کا دِل دھڑک اُٹھا تھا۔

بنو خزاعہ اور بنو بکر عرب کے دو مشہور قبائل تھے۔ دونوں میں عرصے سے چپقلش چلی آتی تھی۔ جھگڑے کی بنیاد بنی حضرمی کا ایک شخص مالک بن عباد تھا۔ اس زمانے میں حضرمی کا حلیف اسود بن رزن تھا۔ یہ تجارت کے لیے جا رہا تھا اور جب بنو خزاعہ کے پاس سے گزر رہا تھا تو بنو خزاعہ کے آدمیوں نے اسے قتل کر دیا اور اس کا مال چھین لیا۔

اس کے انتقام میں بنو بکر بھی خاموش نہ بیٹھے انہوں نے موقع پا کر بنی خزاعہ کے ایک شخص کو قتل کر دیا جو صمام کے آباء میں سے تھا۔ بنو خزاعہ بھی تاک میں لگے رہے اور عہد اسلام سے کچھ عرصہ قبل صمام کے دادا نے اپنے قبیلے کے دوسرے آدمیوں کے ساتھ اسود ابن رزن کی بیٹیوں سلمیٰ[2] کلثوم اور وذیب کو مقام عرفہ میں نصاب حرم کے پاس اچانک قتل کر کے اپنے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کیا۔ اس کے جواب میں بنو بکر کے اندر خاموشی طاری تھی شاید وہ اندر ہی اندر بنی خزاعہ کے خلاف کسی گہری اور بھیانک سازش کی تیاری کر چکے تھے۔

عہد اسلام میں قریش اور مسلمانوں کے درمیان صلح حدیبیہ میں یہ طے پایا تھا کہ جو قبیلہ اپنی مرضی سے چاہے مسلمانوں کا حلیف بن جائے چاہے قریش کا، کوئی بھی آدمی ان سے تعرض نہیں کرے گا۔ بنی بکر قریش مکہ کے ساتھ ہو گئے اور بنو خزاعہ نے اپنے آپ کو مسلمانوں سے وابستہ کر لیا تھا۔

بنو بکر نے اس موقع سے فائدہ اُٹھایا اور پھر ایک روز جب کہ صمام کو اپنے تجارتی

---

[1] تاریخ ابن خلدون وطبری [2] ابن خلدون اور طبری دونوں نے اسی طرح بیان کیا ہے۔

قافلہ کے ساتھ اپنے قبیلے میں پہنچے ہوئے صرف دو ہی دن ہوئے تھے۔ بنو بکر نے بنو خزاعہ پر شبخون بنو خزاعہ اس وقت اپنے چشمہ[1] آب وتیر پر مقیم تھے جو مکہ کے زیریں میں واقع ہے۔

بنو خزاعہ پر اس شب خون میں قریش مکہ نے بھی بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا صفوان[2] اُمیّہ، عکرمہ بن ابوجہل اور سہیل بن عمرو نے اپنے سامان اور غلاموں کے ساتھ بھیس بدل کر اس شب خون میں حصّہ لیا۔

بنو خزاعہ نے حرم میں پناہ لے لی۔ مگر صمام اپنے باپ ثعلب، ماں عزیہ اور بہن حوریہ کو ساتھ لے کر شام کی طرف بھاگ گیا۔ کیونکہ سب سے زیادہ مصیبت اسی کے خاندان پر تھی۔ بنو خزاعہ جب حرم میں داخل ہوئے تو بنی بکر نے اپنے سردار نوفل سے کہا۔ اب حرم میں ہیں اس لیے خُدا سے ڈرو اور جنگ سے باز رہو۔ مگر نوفل نے کہا آج میرا کوئی خلا نہیں اے بنی بکر اپنا بدلہ لے لو۔ مَیں جانتا ہوں تم ضرور اسی حرم میں چوری کرتے ہو اور کرو گے۔ تم پھر کیوں حرم میں اپنا بدلہ نہیں لیتے۔ اس طرح بنی بکر نے حرم کے اندر ہی بنی خزاعہ کا قتل عام شروع کر دیا تھا تاہم صمام اپنے ماں، باپ اور بہن کے ساتھ ارضِ شام کی طرف فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

○

ایک چلچلاتی دوپہر میں صمام صبح اسے نکل کر القطر کی طرف جانے والے راستے تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کا باپ گھوڑے پر سوار تھا۔ عزیہ اور حوریہ اونٹ بیٹھی تھیں جس کی مہار صمام نے پکڑ رکھی تھی۔

کھجور کے ایک بڑے سے درخت تلے آ کر صمام رُک گیا۔ پہلے اُونٹ کے گھٹنے رسّی مار کر اسے بٹھایا۔ پھر عمامے کے پلّو سے چہرہ صاف کرتے ہوئے اس نے ثعلب سے

"بابا! آپ لوگ تھوڑی دیر یہاں رُکیں مَیں بستی کے سردار سے جا کر بات ہوں اُمید ہے وہ ہمیں قیتاً کوئی اچھی سی جگہ رہنے کو دے دے گا۔"

---

[1] طبری نے اس جگہ کا نام ابنِ سحاق کی روایت سے لکھا ہے۔ [2] واقدی

ثعلب نے خدشہ ظاہر کیا۔

اگر وہ رضامند نہ ہوا پھر؟

صمام نے وثوق سے کہا۔ "وہ ضرور مان جائے گا۔ ورنہ دوسری صورت میں ہم چشمہ آب کے راستے مرج راہط میں جا کر آباد ہو جائیں گے۔

حوریہ نے آگے بڑھ کر صمام کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"امّی! مَیں بھی تمہارے ساتھ جاتی ہوں۔"

صمام نے پیار سے اس کی پیشانی چوم لی۔

"تم امّی کے پاس ٹھہرو مَیں زیادہ دیر نہ لگاؤں گا۔ بس ابھی آیا۔"

صمام اپنا چہرہ صاف کرتا ہوا جعفر کے گھر میں داخل ہوا۔ اِدھر اُدھر اُس نے دیکھا پر کوئی بھی نظر نہ آ رہا تھا۔ اس نے سامنے والے دروازے پر دستک دی۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور اسماء سامنے کھڑی تھی۔ اس نے بڑی حیرت سے پوچھا۔

"صمام تم!"

"تمہارے بابا کہاں ہیں؟" صمام نے پھر اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے اسماء سے پوچھا۔

دروازے سے ایک طرف ہٹ کر اسماء نے کمرے کے اندر اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"سوئے ہوئے ہیں۔ اندر آ جاؤ نا، باہر گرمی ہے۔"

صمام اندر داخل ہوا۔ سامنے سویا ہوا جعفر بھی اُن کی بات چیت سے جاگ اٹھا تھا۔ وہ بڑے تپاک سے پیش آیا اور صمام کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ صمام شاید وقت ضائع نہ کرنا تھا۔ لہٰذا فوراً ہی پوچھ لیا۔

"سردار! اگر مَیں اس بستی میں آباد ہونا چاہوں تو کیا مجھے کوئی جگہ مل جائے گی؟"

جعفر نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا اور تشویشناک آواز میں پوچھا ——

"پہلے یہ بتاؤ کہاں سے آئے ہو اور کدھر جا رہے ہو؟"

"نہیں پہلے آپ میری بات کا جواب دیں۔"

جعفر مسکرا دیا تھا۔

"جگہ کا کیا ہے۔ یہ سامنے میرا دوسرا مکان خالی پڑا ہے تم اس پر قبضہ کر لو۔ تین ہیں۔ گھوڑے اور اونٹ کا چھپر اور بھیڑ بکریوں کے لیے کھلا صحن بھی ہے"

"قیمت کیا ہوگی؟"

جعفر نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔

"اجنبیوں کی سی باتیں نہ کرو۔ تم میرے بیٹے کی جگہ ہو تم سے کچھ نہ لوں گا۔"

صمام مایوس ہوگیا اور اس کا سر جھک گیا تھا پھر گھائل سی آواز میں وہ بولا۔

"پھر نہیں۔ میں بے قیمت مکان نہ لوں گا۔"

جعفر نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"مگر تمہیں جگہ چاہیے کیوں۔ کیا تم نے اپنا قبیلہ چھوڑ دیا ہے"۔

صمام نے گھٹی گھٹی سی آواز میں کہا۔

"ہمارے حریف قبیلہ بنی بکر نے اچانک ہم پر شب خون مار دیا تھا۔ میں اپنی باپ اور بہن کے ساتھ ادھر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگیا ہوں۔ باقی قبیلہ حرم میں پناہ چکا ہے"۔

جعفر نے جستجو سے پوچھا۔

"تمہارے ماں، باپ اور بہن کہاں ہیں؟"

"یہ بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے جس بات کا ذکر چھڑا ہے وہ طے ہو لے"۔

"وہ طے شدہ ہے۔ بس تم مکان پر قبضہ کر لو۔

"بغیر قیمت کے میں ہرگز قبول نہ کروں گا۔

اسماء بھی بول پڑی۔

"لے لو صمام! کیا ہے قیمت وغیرہ بعد میں دیکھی جائے گی"۔

صمام انکار کر گیا۔

"نہیں۔ اس طرح میں نہ لوں گا۔"

جعفر مسکرایا۔

"بہت ضدی ہو تم۔ اچھا اٹھو پہلے جا کر مکان دیکھ لو پھر جو تمہارے جی میں آئے دے دینا"۔

صمام کھڑا ہوگیا۔ جعفر اور اسماء بھی اٹھے اور اسے لے کر اپنے گھر کے سامنے والے مکان میں داخل ہوئے۔ صمام گھوم پھر کر سارا مکان دیکھنے لگا۔

جعفر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہوں۔ کیا خیال ہے؟"

صمام نے کچھ سوچا پھر کوئی آخری فیصلہ کر کے وہ بولا۔

"پانچ سو دینار دوں گا"۔

"مجھے منظور ہے"۔ بڑی فراخدلی سے مسکراتے ہوئے جعفر نے ایک مشفق باپ کی طرح صمام کو دیکھتے ہوئے جواب دیا تھا۔

صمام نے ایک تھیلی نکال کر اسے تھما دی۔

جعفر کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"تمہارے پاس شاید کل پانچ سو دینار رہی ہیں"۔

صمام ٹال گیا۔

"اس بات کو آپ چھوڑیں"۔

جعفر نے تھیلی واپس کرنا چاہی۔

"یہ تم فی الحال رکھو میں بعد میں لے لوں گا"۔

صمام انکار کر گیا۔

"ایسے نہیں مکان کی قیمت آپ رکھیں۔ مجھے اگر کبھی ضرورت پڑی تو میں آپ لوگوں سے مانگ لوں گا"۔

اسماء بھی بولی۔

"اچھا اب تو بتاؤ نا تمہارے ماں باپ اور بہن کہاں ہیں"۔

"انہیں میں بستی کے باہر ایک کھجور کے نیچے بٹھا آیا ہوں"۔

جعفر نے خفگی سے کہا۔

"بہت سنگدل ہو تم۔ ان بچاروں کو باہر گرمی میں ہی بٹھائے ہو آؤ انہیں لے

ثعلب، عزیہ اور حویرہ کھجور کے نیچے بیٹھے صمام کا انتظار کر رہے تھے کہ وہ اور اسماء کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ صمام نے اپنے باپ سے کہا۔

"بابا! یہ بستی کے سردار جعفر ہیں اور یہ ان کی لڑکی اسماء ہے"۔

اسماء بڑے پیار سے عزیہ اور حویرہ کے ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ صمام نے کو اُٹھایا اور اس کی مہار پکڑ کر آگے آگے چلنے لگا۔ ثعلب نے گھوڑے کی باگ پکڑ لی تھی کے ساتھ ساتھ جعفر تھا اور پیچھے پیچھے اسماء، عزیہ اور حویرہ کے ہاتھ پکڑے چل رہی تھی۔

صمام سب کے ساتھ اپنے نئے گھر میں داخل ہوا۔ اسماء بھاگتی ہوئی اپنے اور باری باری چارپائیاں اٹھالائی اور عزیہ اور حویرہ کی مدد سے کمروں میں لگا دیں۔ پھر بچاری بھاگتی ہوئی گئی اور سر پر ڈھیر سارے بستر اُٹھا لائی اور چارپائیوں پر لگانے لگی اس کے قریب آیا۔ "یہ کیا کر رہی ہو اسماء! واپس لے جاؤ یہ سب"۔

اسماء اس کی طرف دیکھتے ہوئے آنکھیں نکال کر غصے سے بولی۔

"میں تمہارے لیے نہیں لائی۔ اپنے بابا، ماں اور بہن کے لیے لائی ہوں"۔

صمام خاموش ہو گیا۔

پاس کھڑے جعفر، ثعلب، عزیہ اور حویرہ مسکرا رہے تھے۔

اسماء پھر بھاگتی ہوئی اپنے گھر گئی۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ لوٹی تو اس کے ہاتھ انار کے رس کا بھرا ہوا ایک مشکیزہ اور مٹی کے چار پیالے تھے۔ پہلے اس نے پیالہ بھر کر کو دیا پھر عزیہ اس کے بعد ثعلب اور بعد میں صمام کو۔ چاروں کو اس نے ایک ایک اور زبردستی پلایا۔ پھر جعفر سے پوچھا۔

"تم بھی پیو گے بابا!"

جعفر نے پیار سے کہا ——— "پلا دو بیٹی!"

اسماء نے ایک پیالہ بھر کر اسے بھی دیا۔

ثعلب نے بڑی شفقت سے اسماء کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بہت پیاری بچی ہے"۔

اپنے باپ سے پیالہ واپس لیتے ہوئے اسماء نے پھر کہا۔

"بابا! آپ لوگ یہیں بیٹھیں میں کھانے کا بندوبست کرتی ہوں"۔

پھر اس نے اپنے قریب ہی کھڑی حویرہ کا جس کی عمر بمشکل بارہ برس کے قریب ہو ا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ لے کر چل دی۔

"آؤ چلیں حویرہ!"

صمام تھوڑی دیر جعفر کے پاس بیٹھا رہا پھر اُٹھ کر باہر آیا اور اپنے اُونٹ کی مہار کر باہر نکل گیا۔ بستی کے بازار میں آ کر اس نے اُونٹ فروخت کر دیا۔ پھر ایک گدھا یا اور کچھ گھریلو استعمال کی چیزیں خرید کر اس پر لادیں۔ بازار میں وہ اور آگے بڑھا اور ار بکریاں خرید کر انہیں رسیوں میں ایک دوسرے سے جکڑا اور ایک بکری کی رسی گدھے لاٹھی سے باندھ دی۔ کچھ دیر وہ ایک لکڑیوں والے کے پاس کھڑا باتیں کرتا رہا۔ پھر گھر طرف چل دیا۔

جب وہ گھر کے اندر داخل ہوا تو شام ہو رہی تھی۔ صحن میں ثعلب، عزیہ اور ویرہ چارپائیوں پر بیٹھے تھے اور اسماء انہیں کھانا کھلا رہی تھی۔ صمام جب گدھے اور بریوں کے ساتھ اندر داخل ہوا تو ثعلب نے پوچھا۔

"اونٹ کدھر گیا بیٹا!"

صمام نے مسکرا کر کہا

"بیچ آیا ہوں بابا!"

"اور یہ کیا لائے ہو؟"

"ایک گدھا اور چار بکریاں" اور پھر اس نے ایک تھیلی نکال کر دکھائی۔ "اور کچھ نقد بھی بچ گئی ہے بابا!"

ثعلب مسکرا دیا تھا۔

صمام نے گدھے سے سامان اُتار کر صحن میں رکھا۔ پہلے بکریاں ایک طرف پھر گدھے کی لگام پکڑ کر وہ باہر جانے لگا۔

اسماء اس کے سامنے کھڑی ہو گئی اور اس کا راستہ روکتے ہوئے پوچھا۔

"اب کہاں چلے ہو؟"

"گھوڑے اور گدھے کے لیے گھاس خرید لاؤں۔"

"کوئی ضرورت نہیں بازار سے لانے کی۔ ہمارے باغ میں بہت گھاس ہے سلیمان آجاتا ہے تو جب وہ اپنے گھوڑوں کے لیے کاٹنے جائے گا تم بھی کاٹ لانا۔"

"نہیں ایسے کیسے ہو سکتا ہے؟"

اسماء نے غصّے میں کہا۔

"نہیں کیوں۔ تم بازار سے گھاس لینے نہیں جاؤ گے۔" اسماء کی آواز سے یوں لگتا جیسے وہ رو پڑے گی۔

اتنے میں جعفر اندر داخل ہُوا اور حیرت و استعجاب سے پوچھا "کیا بات ہے؟"

اس نے اسماء کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اسماء نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔

"بابا! یہ بازار سے گھاس خریدنے جاتا ہے اور میں منع کر رہی ہوں کہ سلیمان ہے تو اس کے ساتھ جا کر ہمارے باغ سے کاٹ لائے۔"

جعفر نے صمام کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک کہتی ہے اسماء اور یہ تم گدھا اور بکریاں کہاں سے لے آئے ہو؟"

"اونٹ بیچ کر لایا ہوں۔"

"گدھے کا کیا کرو گے؟"

فی الحال جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر بازار میں بیچا کروں گا اور اس کیلئے گدھا ضروری ہے۔"

جعفر نے شکایتاً کہا۔ "تم پھر اپنی ضد کر رہے ہو نا۔ تمہیں کہا تھا جتنی بھی رقم کی

ہو مجھ سے لے لو۔

صمام کا سر جُھک گیا۔

"نہیں سردار! میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا چاہتا ہوں۔ دوسرے کے سہارے رہنے والا ہلکا ہو جاتا ہے۔"

جعفر کچھ سوچنے لگا۔ اسماء نے فوراً کہا۔ "یہ بہت ضدی ہے بابا!"

پھر اسماء نے صمام کی طرف دیکھتے ہوئے اس بار بڑی ہمدردی سے کہا۔

"چلو باندھو اِدھر گدھا اور کھانا کھاؤ۔"

جعفر پھر باہر نکل گیا۔ "میں گھاس کا بندوبست کرتا ہوں۔"

صمام گدھا باندھ آیا اور اسماء کے پاس آ کر اس نے کربناک آواز میں کہا۔

"تم نے ہم پر احسانوں کا بوجھ ڈال دیا ہے اسماء!"

اسماء عجیب سی خوش کُن آواز میں بولی۔

"کوئی بوجھ نہیں۔ اِنسان ہی اِنسانوں کے کام آتے ہیں۔ تم چلو وہاں بیٹھ کر کھاؤ۔"

صمام بیٹھ گیا اور اسماء اسے کھانا دینے لگی تھی۔

○

دوسرے روز صمام نے لکڑیاں کاٹ کر بازار بیچنا شروع کر دیں جس سے گھر کے بات بھی چلنے لگے اور کچھ رقم بھی جمع ہونے لگی اور یوں زندگی کا کارواں جلاوطنی کے بھی منزل کو رواں دواں ہو گیا تھا۔

ایک روز جب کہ سورج طلوع ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی - القطر کا ایک ہرثمہ بن لیث بستی کے بازار میں سے ہوتا ہوا آہستہ آہستہ اپنے گدھے کو ہانکتا صمام کے گھر سامنے آکر رکا اور دروازے پر آہستہ سے دستک دی - تھوڑی دیر بعد حویرہ نے کھولا - ہرثمہ نے بڑے پیار سے کہا -

"صمام کو بھیجو حویرہ" -

وہ واپس مڑتی ہوئی بولی -

"انجی کھانا کھا چکے ہیں - میں ابھی بھجواتی ہوں" -

صمام اپنے گدھے پر کاٹھی رکھ رہا تھا کہ حویرہ اس کے پاس آئی -

"انجی! ہرثمہ باہر کھڑا تمہارا انتظار کر رہا ہے" -

صمام نے ایک کونے میں پڑا ہوا کلہاڑا اٹھایا - گدھے کی باگ پکڑی اور گھر سے نکل گیا - ہرثمہ کے ساتھ وہ آگے بڑھنے ہی والا تھا کہ سردار کے گھر کا دروازہ کھلا اور اس کے پیچھے پیچھے اسماء بھی تھی - جعفر صمام کے قریب آیا اور بڑے دکھ سے پوچھا -

"جا رہے ہو صمام!"

اس نے دھیمی سی آواز میں جواب دیا -

"جی ہاں - کوئی کام ہے کیا؟"

"نہیں یونہی باہر نکلا تو تمہارا پوچھ لیا" -

"کہیں جا رہے ہیں؟"

"ہاں! وہ آج یہودی آ رہے ہیں نا" -

صمام فکر مند ہو گیا -

"کون یہودی؟"

"یہ ساتھ والی بستی جرش کے یہودی" -

"مگر کاہے کے لیے؟"

جعفر نے اداسی سے کہا -

"ہمارے آدمی ان سے قرض لیتے رہتے ہیں اور ہر سال وہ ادائیگی کے لیے آتے ہیں - کل ان کا ایک آدمی پیغام لے کر آیا تھا کہ آج وہ اپنے قرضوں کی وصولی کیلئے آئیں گے" -

"اور آپ پھر کہاں جا رہے ہیں" -

"اپنی بستی والوں کو اطلاع دینے جا رہا ہوں کہ یہودی آج آئیں گے لہذا اپنی اپنی رقم تیار رکھیں - میں تم دونوں پر خوش ہوں کہ تم نے آج تک کسی سے قرض نہیں لیا - ورنہ میں تو بہت سے لوگوں کے قرض اپنے پاس سے دے دے کر خود بھی قلاش ہوتا جا رہا ہوں" -

صمام فکر مند ہو گیا -

"پر اپنے آدمی قرض لیتے کیوں ہیں؟"

"بس عادی ہو گئے ہیں - محنت سے جی چراتے ہیں - آرام طلب ہیں - اپنی زمینوں میں بیج تک ڈالنے کے لیے یہودیوں سے قرض لیتے ہیں اور پھر پیداوار کا زیادہ حصہ ان سے یہودی سود میں لے جاتے ہیں اور یہ طرہ یہ کہ یہودیوں کی سیاست ہی ایسی ہے کہ جو ایک بار ان کے قرضوں میں پھنس جاتا ہے مشکل ہی سے جان چھڑا سکتا ہے - اس کے علاوہ بھی ان کی ایک بہت بڑی سیاست ہے جس میں وہ پوری طرح کامیاب ہیں" -

"وہ کیا؟"

"وہ اکثر عرب بستیوں کو کسی نہ کسی طرح آپس میں لڑا دیتے ہیں - اس طرح عرب آپس میں لڑ کر کمزور ہو جاتے ہیں اور قرضوں کے لیے یہودیوں کی طرف جھکتے ہیں - آج کل عربوں میں اسلحہ کی دوڑ جاری ہے - اس کے لیے بھی یہودیوں کا قرض ہی کام آتا ہے" -

صمام کچھ غمگین ہو گیا -

"سردار! جس قوم کا خون سفید ہو جائے اور اس کی رگوں میں وطن پرستی کی گرد جم پڑ جائے تو ایسی قوم کے سیاہ مقدر میں غلامی اور ذلالت کے سوا کچھ نہیں رہ جاتا۔"

"عرب آپس کی لڑائیوں کے سائے تلے اور سہل انگاری کے نشے میں سو چکے ہیں اور وہ اتنے کمزور تو نہیں کہ اپنے سے کچھ ہی زیادہ تعداد رکھنے والے یہودی کتوں کے بھونکنے کی آواز پر اس کا جواب نہ دے سکیں۔"

جعفر کی نگاہیں نمناک ہو گئی تھیں۔

"القطر کو ذلالت کے اس بوجھ تلے سے نکالنے کے لیے مجھے تم جیسے جوانوں کی ضرورت ہے۔ جو قدم قدم پر قوم کے لیے روشنی کا مینار بن کر ابھریں اور ہر طرف آزادی، محنت اور کشمکش کے گیت گانے لگیں۔"

صمام کی گردن جھک گئی تھی۔

"میں ایک معمولی لکڑہارا ہوں۔ پر کاش میں قوم کے کسی کام آسکتا۔"

جعفر نے پُر امید ہو کر کہا۔

"مجھے قوی امید ہے کہ ایک روز وہ وقت ضرور آئے گا کہ میں تم ہی جیسے جوانوں کی ضرورت محسوس کروں گا۔ تاکہ صحرا کی پیاسی ریت کی پیاس عربوں کے خون سے بجھانے کی گہری سازش کو روکا جا سکے۔"

صمام کا سینہ تن گیا۔

"سردار! جب ایسا وقت آیا کہ اس صحرا سے مجھے عربوں کے خون کی بُو آنے لگی تو لات و عزیٰ کی قسم میں پہلا شخص ہوں گا جو یہودیوں کی راہ میں دیوار بن جاؤں گا۔ میں نشے میں سوئی ہوئی اس عرب قوم کو جھنجھوڑ کر جگا دوں گا۔ تاکہ وہ دنیا میں ایک باعزت قوم کی حیثیت سے زندہ رہ سکے۔"

جعفر خاموش ہو گیا۔ چند ثانیے تک وہ غصے سے صمام کو دیکھتا رہا پھر چپ چاپ ایک طرف چلا گیا۔ اسمام نے گھر کا دروازہ بند کیا اور صمام کے ہاں چلی گئی۔ صمام اور ہرثمہ اپنے گدھے ہانکتے ہوئے آگے بڑھ گئے تھے۔

بستی سے نکل کر دونوں جبل ہاراں پر چڑھ گئے۔ سامنے ہی جنید اور سلیمان اپنے ریوڑ چرا رہے تھے۔ جنید ایک وطن پرست عرب تھا۔ بیوی بچے، ماں باپ اور بہن بھائی بھی نہیں تھا۔ بس بستی کی بھیڑ بکریاں ماہانہ تنخواہ پر چرا کر گزارہ کرتا تھا۔ دو سال قبل جب طواف کعبہ کے لیے مکہ گیا تھا تو وہاں مسلمان ہو گیا تھا۔ یہاں آکر اس نے سلیمان پر بھی ایسا اثر ڈالا تھا کہ وہ بھی مسلمان ہو گیا۔ تاہم دونوں نے ابھی تک کسی پر ظاہر نہ کیا تھا اور دونوں چوری چھپے عبادت کرتے رہتے تھے۔

صمام اور ہرثمہ نے اپنے گدھے بھی ان کے ریوڑ میں چھوڑ دیئے اور وہ ہری ہری گھاس چرنے لگے۔ صمام اپنے گدھے کی گٹھی سے اپنا کلہاڑا اٹھا کر بائیں طرف لکڑیاں کاٹنے کے لیے جانے لگا تو جنید نے پوچھا۔

"آج دیر سے آئے ہو صمام؟"

صمام کندھے پر کلہاڑا درست کرتے ہوئے بولا۔

"ہاں دیر ہی ہو گئی ہے۔ ذرا سردار کے پاس کھڑے ہو گئے تھے۔"

"کیا کہتے تھے؟"

"کہہ رہے تھے آج یہودی اپنے قرضوں کی ادائیگی کے لیے آرہے ہیں۔"

جنید مغموم ہو گیا۔

"بس تو پھر ہو گئی ظلم کی ابتداء۔"

صمام نے فکرمندی سے پوچھا۔

"وہ کیسے؟"

"خود دیکھ لینا یہودی اپنے قرض وصول کرنے کے لیے کیا کیا ظلم کرتے ہیں۔ میرا تو بس چلے تو میں بستی کی طرف جانے کو دل ہی نہیں کرتا۔ کاش میں ایسی بستی میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔ پارسی کا کیا تصور ہم خود ہی بے غیرت ہو گئے ہیں۔ اسکے چہرے پر سختی چھا گئی۔

"ورنہ یہودی؟"

"یہ پراگندہ اور منتشر قوم۔ ہم عربوں سے ٹکراتی؟"

"ان کی جرأت کیا تھی ہم پر اس طرح کھلے عام ظلم کرتے۔ یہ بدنصیبی ہے اپنی ورنہ یہ گیدڑیوں شیر نہ ہو جاتے۔"

صمام مغموم ہو گیا۔ ذرا دائیں طرف ہٹ کر وہ لکڑیاں کاٹنے لگا۔ ہرثمہ بھی اس کے پاس ہی لکڑیاں کاٹ رہا تھا۔

○

دوپہر ڈھل چکی تھی۔ بادِ سموم کی تیزی میں کچھ کمی آ گئی تھی۔ بستی کا بازار جو دوپہر کے وقت ویران اور سنسان ہو گیا تھا۔ پھر آباد سا نظر آنے لگا تھا۔ ساری دکانیں کھل گئی تھیں اور لوگ بازار میں گھوم پھر رہے تھے۔ پورے بازار میں خوب چہل پہل ہو گئی تھی۔

اس سے صمام اور ہرثمہ اپنے گدھوں پر لکڑیاں لادے جبل ہاران اور بستی کے درمیان صحرا کے چھوٹے سے ٹکڑے کو عبور کرتے ہوئے بستی کی طرف آ رہے تھے۔ تپش اور لُو سے بچنے کے لیے انہوں نے اپنے عماموں کے پلو چہرے پر ڈال رکھے تھے۔ صحرا سے نکل کر جب بستی کی طرف جاتے ہوئے ہموار راستے پر درختوں کے سائے میں آئے تو اپنے عمامے کے پلو سے چہرے خشک کرنے لگے تھے۔

بستی میں داخل ہو کر بازار جانے کے لیے جب وہ ایک گلی میں سے گزر رہے تھے تو اچانک ایک مکان کے سامنے سے گزرتے ہوئے صمام کے قدم جم کر رہ گئے۔ اندر ایک بے رحم یہودی ایک ضعیف عرب پر برس رہا تھا۔

"میں کہتا ہوں تمہیں پوری رقم ابھی دینا ہوگی۔"

عرب سماجت کرنے لگا۔

"حضور! میرا سود تو اصل رقم سے بھی زیادہ ہو گیا۔ آدھا سود ابھی لے لیں اور آدھا اگلی قسط پر دے دوں گا" اور ساتھ ہی ایک نقدی کی تھیلی بھی اس کی طرف بڑھا دی۔

یہودی نے تھیلی اُچک لی اور پھر دھاڑا۔

"ہمیں پوری رقم چاہیے۔"

عرب تعظیم کے انداز میں اور زیادہ جھک گیا۔

"ابھی تو میرے پاس کچھ بھی نہیں وعدہ کرتا ہوں۔ بہت جلد ساری رقم ادا کر دوں گا۔ بس ہمارا تجارتی قافلہ آ جائے تو پائی پائی ادا کر دوں گا۔"

یہودی نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا سُرخ رنگ کا کوڑا پوری قوت سے دو تین بار اس عرب کی پیٹھ پر دے مارا۔

"اگر سود تک بھی نہیں ادا کر سکتے تو قرض ہی کیوں لیتے ہو۔"

بوڑھا عرب بڑی بے چارگی کے عالم میں زمین پر گر گیا۔ قریب ہی کھڑا بستی کا سردار جعفر کچھ بھی نہ کہہ سکا اور بوڑھے کو بستی کا ایک جوان اُٹھا کر اندر لے گیا۔ یہودی غصے میں بڑبڑاتا ہوا اپنے ساتھیوں کے ساتھ باہر نکل آیا۔

"کس بھکاری قوم سے پالا پڑا ہے۔"

صمام ابھی تک کسی گہری سوچ میں ڈوبا وہیں کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی نفرت کی لکیریں بے حد گہری ہو گئی تھیں۔ یہودی جب دوسری گلی کی طرف نکل گئے تو سر جھکائے ہرثمہ کے ساتھ اپنا گدھا ہانکتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اس نے بالکل چپ سادھ لی تھی۔ راستے میں ہرثمہ سے بھی کوئی بات نہ کی۔ ہرثمہ نے بھی اس کے رویے کو خاصا محسوس کیا۔ خود اس کے چہرے پر بھی ایسے ہی جذبات بڑی آسانی سے پڑھے جا سکتے تھے۔

لکڑیاں بیچ کر ہرثمہ اپنے گھر چلا گیا۔ صمام بازار سے نکل کر ایک گلی میں سے ہوتا اپنے گھر سے ذرا قریب ہوا تو پھر ٹھٹک کر رہ گیا۔ اس کے محلّے کی ایک بوڑھی اور بیوہ عورت پر یہودی برس رہے تھے۔

بڑھیا التجائیں کر رہی تھی۔

"میرا بیٹا بستی کے تجارتی قافلے کے ساتھ حمص گیا ہوا ہے وہ واپس آ جائے تو ساری رقم ادا کر دوں گی۔"

یہودی کچھ سوچنے لگا۔

اس کے قریب ہی سردار جعفر کھڑا تھا اور اسماء۔ اس بڑھیا کی لڑکی کے پاس سب کے چہرے اُترے ہوئے تھے۔ اسماء ایسے دکھائی دے رہی تھی جیسے ابھی

رو پڑے گی۔

یہودی پھر گرجا۔

"کیا معلوم تمہارا بیٹا کچھ لاتا بھی ہے یا نہیں۔ ٹھہرو! شاید تمہارے گھر کا سا اور برتن ہمارے سود کی رقم پوری کر دیں۔ وہ آگے بڑھا اور ایک کمرے میں گھسنا چاہا آگے بڑھی اور اس کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔

"تمہیں موسیٰؑ اور داؤدؑ کی قسم ہمارے گھر کا سامان نہ لے جانا۔"

یہودی نے اُسے دھکا دے کر دور گرا دیا۔ بڑھیا بے چاری دھم سے ایک پر گری اور اس کے سر سے خون بہنے لگا۔ اس کی لڑکی چیخ مار کر ماں سے لپٹ گئی تھی بچاری بڑی تیزی سے آگے بڑھی اور اس بڑھیا کو سنبھالنے لگی تھی۔

یہودی جب کمرے میں داخل ہونے لگا تو جعفر بول پڑا۔ "ٹھہرو!"

یہودی رُک گیا اور جعفر کی طرف دیکھنے لگا۔

اس کا بیٹا اگر کچھ نہ لایا تو اس کی رقم میں ادا کر دوں گا۔ تم اس کے گھر کا سامان:

یہودی واپس آ گیا۔ تھوڑی دیر رکا۔ پھر اپنے ساتھیوں کے ساتھ باہر نکل گیا:

وہ صمام کے پاس سے گزرا تو صمام کے چہرے پر خونی لکیریں پھیل گئی تھیں۔ اس نے یہو ایک قہر آلود نگاہ ڈالی اور بڑبڑایا۔

ذلیل کتے! ظلم کی یہ داستان آخر کب تک لکھی جائے گی۔ لات و عزیٰ کی قسم صحرا میں تمہارا جینا ایک روز میں حرام کر دوں گا۔

"یہودی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر آگے نکل گئے تھے۔

صمام مکان میں داخل ہوا اور بڑھیا کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا اسما اسے گود میں لیے ہوئے اس کے سر پر پٹی باندھ رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ روتی بھی رہی تھی۔

صمام کو اپنے پاس کھڑا دیکھ کر اسما نے اپنی بھیگی ہوئی پلکیں اُوپر اٹھائیں لمحوں تک بڑی ہی بے بسی سے صمام کی طرف دیکھتی رہی پھر سر جھکا لیا اور دوبارہ

لے لے کر بڑھیا کے سر پر پٹی باندھنے لگی۔ قریب ہی جعفر بستی کے دوسرے مرد اور عورتوں کے درمیان اداس کھڑا تھا۔ صمام نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں سینکڑوں شکوے تھے۔ دونوں کی نگاہیں ملیں اور نمناک ہو گئیں۔ جعفر نے گردن جھکا لی۔ صمام لڑکھڑاتا ہوا باہر آیا۔ گلی میں آ کر اس نے اپنی آستین سے آنسو خشک کئے اور اپنے گدھے کو ہانکتا ہوا سر جھکائے گھر کی طرف چلا گیا تھا۔

صمام جب اپنے گھر داخل ہوا تو اس کا بوڑھا باپ بستی کے کسی آدمی کے باتیں کر رہا تھا۔ ایک طرف اس کی ماں عزیہ اور چھوٹی بہن حویرہ بیٹھی ہوئی تھی۔ صحن ایک طرف کھجور کے پتوں سے بنے ہوئے چھپر کے نیچے اس کا گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ صمام گدھے کی باگ پکڑے ذرا قریب ہوا تو گھوڑے نے گھاس کھانا چھوڑ دی اور زمین پر زور سے پاؤں مارتے ہوئے ہنہنانے لگا۔

گدھے کو باندھنے کے بعد صمام نے اس کی کاٹھی اُتار کر ایک طرف رکھ دی اور تو ہی پڑی ہوئی گھاس اُٹھا کر اس کے آگے پھیلا دی۔ گدھا بڑی تیزی سے گھاس چبانے لگا

صمام گھوڑے کی طرف آیا اور پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ جوا میں گھوڑے نے ہنہنا کر اپنا منہ اس کی چھاتی پر رگڑنا شروع کر دیا۔ صمام نے اس کا منہ دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور گھوڑا اپنے ہونٹوں سے اس کے ہاتھ چومنے لگا تھا۔

اتنی دیر میں اس کی بہن حویرہ وہاں آگئی اور بڑے پیار سے کہا۔

"انجی! چلیے کھانا کھائیے نا۔"

صمام اس کے ساتھ صحن کے دوسری طرف آیا جہاں اس کا باپ بیٹھا ہوا تھا۔ سے باتیں کرنے والا بستی کا دوسرا آدمی جا چکا تھا اور وہاں اب اس کی ماں بیٹھی ہوئی تھی۔ جب ان کے قریب آیا تو عزیہ نے لپک کر پیار سے کہا۔

"آ بیٹا!"

صمام خاموشی سے آگے بڑھا۔ عزیہ غائر نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہی کی طرف دیکھتے ہوئے پھر بولی۔

"کیا بات ہے۔ تم اداس کیوں ہو بیٹے؟"

صمام ٹال گیا۔

"کچھ نہیں ماں!" وہ اس سے قریب ہی بیٹھ گیا۔

عزیہ فکر مند ہو گئی۔

"تم جھوٹ کہہ رہے ہو۔ تمہاری آنکھیں بھی تو بھیگی ہوئی ہیں۔"

صمام خاموش رہا۔ بس سر جھکائے اپنے ہونٹ کاٹ رہا تھا۔

عزیہ نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے الم زدہ آواز میں پوچھا۔

"روتے رہے ہو بیٹا۔"

صمام نے بات کا رُخ ہی بدل دیا۔

"یہ لیجئے۔" اس نے باپ سے کہا اور جیب سے چند نقرئی سکے نکال کر باپ کی ہتھیلی پر رکھ دیئے۔

ثعلب خوش ہو گیا۔

"آج تو لکڑیاں اچھی بک گئی ہیں۔"

صمام نے بجھی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں بابا!"

حویرہ پانی سے بھرا ہوا مٹی کا ایک برتن اُٹھا لائی۔

"ہاتھ دھو لیجئے احی!"

صمام نے دُکھ سے کہا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔"

حویرہ ٹھٹک کر رہ گئی، عزیہ رو پڑی، بیٹا جو تھا اسے اُداس کیسے دیکھ سکتی تھی، ثعلب کسی گہری موج میں ڈوبا ہوا تھا۔ آخر مدھم سی آواز میں بول ہی پڑا۔

"میں تمہاری دل شکنی کی وجہ سمجھ گیا ہوں بیٹا! یہودی ہر بار قرض کی ادائیگی کے موقع پر اسی طرح سختی کرتے ہیں۔ ہم ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ جو قوم خود اپنی تقدیر کی

لکیروں پر سیاہی پھیر دے وہ ہمیشہ ذلت میں ڈوبی رہتی ہے۔ قصور ہمارا ہے۔ یہودیوں کا نہیں۔ اب ہمارے لیے خاموشی اور صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں"۔

صمام غصّے میں اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہُوا اور آتش پر التہاب کی طرح پھٹ پڑا

"نہیں نہیں!"

"یہودیوں کا ہاتھ بستی کے بوڑھوں پر اٹھتا رہے اور ہم خاموش رہیں کیوں"

"وہ بستی کی بیواؤں کا سر پھوڑ دیں اور ہم کچھ نہ کہیں کس لیے؟"

"وہ ہمیں بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکتے رہیں اور ہم زبان تک نہ ہلائیں وہ کیسے

"کل ان کا ہاتھ اور دراز ہو جائیگا اور وہ خون آشام بھیڑیے بن کر ہمیں جھنجھوڑ دیں گے

وہ ہمارے گھروں کو لوٹیں گے، ہماری بستیوں کو ویران کر دیں گے۔ عورتوں کے ناموس سے کھیلیں گے۔ ہماری طرف انگشت نمائی کریں گے، بستیوں کو آگ لگا کر دیوں کی طرح دندناتے پھریں گے اور ——————

ہمارے گلے میں غلامی کے طوق ڈال دیں گے۔

نہیں نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ وہ ہمیں یوں ذلیل و رسوا نہیں کر سکتے۔

انہیں یہ وحشی ناچ نہ ناچنے دوں گا۔ میں انہیں یہ داستان لکھنے کی اجازت نہ دوں گا میں اُن کے وہ سارے راستے بند کر دوں گا جہاں سے نکل کر یہ عربوں پر ظلم کرتے ہیں

میں —————— ان بستیوں کو آگ لگا دوں گا جہاں وحشی اور درندے پرورش پاتے ہیں اور پھر ہم پر غرّانے کو اُٹھتے ہیں"۔

ثعلب اُٹھا اور شمام کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"جو ان خون ہمیشہ گرم ہوتا ہے۔ تم اتنی بیتابی کا اظہار نہ کرو بستی کے لوگ ایسی باتوں کے عادی ہو چکے ہیں۔ تم کس کس کے دروکا مداوا ہو گے۔ بالکل چپ رہو۔ اگر تم یہودیوں کی نگاہوں میں آ گئے تو وہ تمہیں ستم کا نشانہ بنا رکھیں گے"۔

عزیہ اور حویرہ دونوں بیٹھی رو رہی تھیں۔

صمام بپھر گیا ——————

میں بستی کے جوانوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دوں گا۔ میں انہیں غفلت اور غلامی کی نیند سے جگا ہم لوں گا۔ میں انہیں ان کے سروں پر لہراتی ہوئی غلامی کی زنجیروں سے آگاہ کر دوں گا۔ نہیں بتا دوں گا کہ دنیا بھر کے یہودی ان کے بدترین دشمن ہیں۔ جبل ومنات کی قسم میں ایں ایسی رُوح پھونک دوں گا کہ وہ دنیا کے آخری کونے تک ان یہودیوں کا تعاقب ں گے۔ میں یہودیوں پر وہ وقت مسلط کر دوں گا کہ وہ ہمارے آگے آگے بھاگ کر اپنی قومی کے بدترین نوشتے پڑھ رہے ہوں گے۔ جب کہ ہم اپنی تلوار کی نوک سے "تلواروں کے ساتھ یوں تعاقب کریں گے جس طرح کوئی گلہ بان کوئی چرواہا اس بھیڑیے کا تعاقب کرتا ہے جس نے لے ریوڑ پر حملہ کیا ہو اور ——————— اور اے میرے باپ! اس روز سے اس پیاسے صحرا ی دھجلتی ریت کی پیاس یہودیوں کے خون سے بجھنا شروع ہو گی۔

ثعلب بے تاب ہو گیا۔

"نہیں نہیں۔ میں تمہیں ایسا نہ کرنے دوں گا۔ میں اپنے گھر کو یہودیوں کے ہاتھ ا ہونے دوں گا۔ میں اپنے مضبوط سہارے کو اس کی اصل راہ سے بھٹکنے نہ دوں گا۔ عربوں میں ابی رُوح بیدار کرنے کی اُمید بالکل عبث ہے۔ جب پوری بستی ان حالات میں مطمئن ہے پھر تم یہودیوں کی نگاہوں میں کیوں آتے ہو"۔

صمام کی آواز میں غصّے کے باعث کپکپاہٹ آ گئی تھی۔

"یہ تمہارا وہم ہے بابا! بستی کا کوئی فرد بھی اس حالت میں مطمئن نہیں"۔

"بوڑھے مردوں کی اُداس آنکھیں جو ایسے موقعوں پر اکثر جھک جاتی ہیں۔ اپنے ب فریاد رکھتی ہیں"۔

"عورتوں کی تماتک نگاہیں بستی کے جوان بھائیوں اور بیٹوں سے چیخ چیخ کر کہہ رہی ہیں ں چالیس چالیس برس تک لڑنے والے عربوں کی غیرت، شجاعت اور حمیّت کہاں ے؟"

"بیواؤں کی چیخیں کسی مددگار کو پکارتی ہیں اور ——— اور معصوم بچوں کے

اُداس چہرے بار بار یہ پوچھتے ہیں کہ کیا ہمارا کوئی سرپرست، کوئی نگہبان نہیں رہا۔"

غصّے میں صمام کی آواز لڑکھڑا رہی تھی

"اگر عرب یوں ہی خاموش رہے تو

تو یہودی ہمیں بزدل سمجھنے لگیں گے۔

ہماری آن کو وہ سرِعام تپتے صحرا میں خاک کے بگولوں کی طرح اڑا کر بھیر بھیر کر دیں

اور اس صحرا میں ہماری زندگی ایک المیہ ایک حادثہ بن جائے گی۔

"کیا اس موقع پر تم خاموش رہو گے بابا!"

"کیا ایک غیور عرب یہ سب کچھ برداشت کر لے گا؟"

ثعلب نے نگاہیں جھکا لیں۔

تم بولتے کیوں نہیں بابا! خاموش کیوں ہو گئے ہو؟

صمام نے مدھم سی آواز میں کہا۔

"مجھے اُمید ہے کہ ایسے حالات جب ایک عرب کو باغی بنا دیں گے تو اس کا اسے سرزنش نہ کرے گا۔"

ثعلب کی پلکیں بھیگ گئی تھیں۔ عزیہ سسک سسک کر رو رہی تھی۔ حویرہ آنکھیں خشک کرتی ہوئی اٹھی اور صمام کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"چھوڑیئے انجی! ان باتوں کو چلو کھانا تو کھاؤ" وہ رو پڑی ——— "دیکھو کی کیا حالت ہو رہی ہے؟"

وہ اسے کھینچتی ہوئی ایک طرف لے گئی اور زبردستی ہاتھ دھلانے لگی۔

○

شام ہو گئی تھی کھجوروں کے سائے تیرگی کا روپ دھار رہے تھے۔ دُور صحرا اُونچے اُونچے ٹیلوں پر اونٹوں کی ایک لمبی قطار پر مشتمل کوئی کاروان حمص کی طرف جا رہا اور سب سے آگے والے اونٹ کی جو عرب کمیل پکڑے ہوئے تھا وہ نہایت سریلی اور آواز میں حدی گا رہا تھا اور شام کی سیاہی بڑی تیزی سے سفید سفید صحرا کو اپنی

میں دبوچے جا رہی تھی۔

صمام اپنے گھوڑے پر سوار دریا میں نہا کر گھر لوٹ رہا تھا۔ اس سے آگے آگے جنید اور سلیمان اپنے اپنے ریوڑ ہانکتے ہوئے بستی میں داخل ہو رہے تھے۔ صمام جب اپنے گھر کے قریب آیا تو مخالف میں شور مچا ہوا تھا۔ یہودی کسی کی چار بکریوں کے کان پکڑے ہوئے تھے نہیں ایک طرف لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔

اچانک بارہ برس کا ایک لڑکا بھاگتا ہوا آیا اور ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"میری بکریاں واپس کر دو۔ میں اپنی بکریاں نہیں دوں گا۔"

اس نے اپنی ایک بکری کے کان پکڑ لیے تھے۔

ایک یہودی نے اس کے مُنہ پر زور دار طمانچہ دے مارا۔

"چل ہٹ بھکاری کہیں کا۔"

لڑکا لڑکھڑایا اور ایک دیوار کے ساتھ جا لگا۔

صمام بجاری بھاگتا ہوئی آگے بڑھی اور لڑکے کو اُٹھا کر پچکارنے لگی۔

چھوڑ دے جانے دو۔ آؤ میں تمہیں اور بکریاں دیتی ہوں۔

لڑکا رونے لگا تھا۔

"میں نہیں لوں گا۔ دیکھو میری بہن! ہم نے ان سے جو قرض لیا تھا اس سے دُگنا انہوں نے سُود کر دیا ہے یہ بھی کوئی شرافت ہے۔"

اتنے میں جعفر کی آواز سنائی دی۔ وہ گلی میں جنید کے پاس کھڑے اپنے بیٹے سلیمان سے کہہ رہا تھا۔

"سلیمان! اسے چار بکریاں دے دو۔"

سلیمان نے فوراً چار بکریاں علیحدہ کر دیں۔

لڑکا زور سے چلّایا۔

"میں نہیں لوں گا ——— نہیں لوں گا۔"

صمام اپنے گھوڑے سے اُتر پڑا اور اس لڑکے کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بڑے

پیار اور شفقت سے کہا۔

"لے لو عبداللہ! اب یہ ظلم زیادہ عرصہ تک نہ رہے گا۔ اس خونی داستان کے ہم بہت جلد ختم کر دیں گے۔ پھر کسی کی جرأت نہ ہوگی تمہارے ساتھ ایسا سلوک کرے۔

صمام کا باپ ثعلب بھی قریب ہی کھڑا تھا وہ بھی اسے پکارنے لگا۔

"لے لو بیٹا لے لو۔"

وہ روتے ہوئے پھر بولا۔

"میں تمہیں لوں گا۔ یہودی میری بکریاں لے گئے ہیں لیکن کسی نے بھی انہیں منع کیا۔ میں اب اپنی پیاری ماں کو دودھ کہاں سے پلاؤں گا۔"

سب کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔

عبداللہ نے پھر رک رک کر کہا۔

"کیا پوری بستی میں ہمارا اب کوئی مددگار اور حلیف نہیں رہا

عبداللہ نے یہ الفاظ کچھ ایسے پُر درد لہجے میں کہے تھے کہ صمام کو یوں محسوس ہوا جیسے کے کانوں میں کسی نے پگھلتا ہوا سیسہ ڈال دیا ہو۔ وہ اپنی جگہ سے فوراً اٹھا اور ہونٹ ہوا اپنے گھر چلا گیا۔ جنید نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لی تھیں۔ سلیمان نے منہ دوسرے پھیر لیا تھا۔ جعفر اور ثعلب کی گردنیں جھک گئی تھیں۔ اسماء عبداللہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئی۔ گلی میں کھڑی حویرہ نے صمام کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور گھر آ گئی۔

ماں عزیہ بھی اس کے پیچھے پیچھے اندر چلی گئی تھی۔

ثعلب جب گھر میں داخل ہوا تو حویرہ گھوڑا ایک طرف باندھ چکنے کے بعد میں اِدھر اُدھر پھرتی ہوئی بکریوں کو پکڑ پکڑ کر باندھ رہی تھی اور برآمدے میں صمام ایک ستون پر سر ٹکائے آنسو بہا رہا تھا۔ عزیہ نے آگے بڑھ کر اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے شفقت اور پیار سے کہا۔

"آؤ میرے بیٹے! کھانا کھا لو۔"

صمام نے ایک بار غور سے ماں کی طرف دیکھا۔ پھر سر پر بندھے رومال سے

"میں خشک کرتا ہوا ماں کے ساتھ ہو لیا۔ اتنے میں حویرہ بھی قریب آ گئی اور صمام کی دیکھتے ہوئے پُر درد انداز میں کہا۔

"اخی! گھوڑے کی زین اُتار دو نا!"

صمام نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔

"نہیں حویرہ میں ذرا باہر جاؤں گا۔"

ثعلب نے فکرمندی سے پوچھا۔

"کہاں جاؤ گے بیٹا!"

صمام نے کچھ ٹالنے کے انداز میں کہا۔

"ذرا ہرثمہ کے ہاں جاؤں گا۔"

ثعلب نے پریشانی سے کہا۔

"کوئی غلط قدم نہ اُٹھانا بیٹا!"

"تم بے فکر رہو بابا! میں کوئی ایسی حرکت نہیں کروں گا۔"

دونوں باپ بیٹا آمنے سامنے بیٹھ کر کھانا کھانے لگے تھے۔

کھانا کھانے کے بعد صمام گھر سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہوا۔ ہرثمہ کے گھر جانے بجائے وہ بستی سے باہر صحرا میں اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ القطر صدف جرش کے درمیان ایک سرائے میں داخل ہو رہا تھا۔

سرائے میں زیتون کے تیل سے جلنے والے چوبکھے چراغ روشن تھے اور لکڑی بھدے بھدے میزوں کے گرد یہودی اور عرب آپس میں جُوا کھیل رہے تھے۔ ان میں تر یہودی اور صدف کے عرب ہی بیٹھے تھے۔ اس کی بستی کے چند ہی آدمی وہاں موجو

گھوڑے کو ایک طرف چھپر کے نیچے باندھنے کے بعد وہ ایک میز پر بیٹھ گیا اور میں کام کرنے والے لڑکے کو شراب لانے کو کہا۔ جلدی ہی وہ مٹی کے پیالے میں جَو کی لے آیا۔ صمام غٹاغٹ پی گیا اور سر جُھکا کر کچھ سوچنے لگا۔ اتنے میں وہی لڑکی جس کا اس نے عروہ بن مسعود کے ساتھ بیٹھ کر دیکھا تھا، سرائے کے اوپر والے حصّہ سے اور رقص کرنا شروع کر دیا۔ جالی دار لباس میں اس کے بدن سے شعلے اُٹھ رہے تھے دیر ناچ کر وہ واپس چلی گئی۔ سرائے اب لوگوں سے کھچا کھچ بھر گئی تھی۔ ایک یہودی کے سامنے آ بیٹھا اور میز پر مکّہ مارتے ہوئے کہا۔

"کھیلو گے؟"

صمام سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"ہاں ——— آؤ بیٹھو۔"

دونوں جُوا کھیلنے لگے تھے۔

کافی رات گئے صمام جب سرائے سے نکل کر اپنی بستی کی طرف جانے والے

بعد آگے گیا تو صدف کی طرف تھوڑے ہی فاصلے پر کسی کے لڑنے کی آوازیں سنائی دیں رک گیا اور کچھ سوچنے لگا۔ چار پانچ تلواروں کے ٹکرانے کی آوازیں صاف سنائی دے تیں۔

صمام اپنا گھوڑا سرپٹ اس سمت دوڑانے لگا۔ لڑنے والوں کے قریب پہنچ کر وہ ے سے اُترا اور زین پر لیٹ کر انہیں پہچاننے کی کوشش کرنے لگا لیکن اندھیرے سے کچھ سُجھائی نہ دے رہا تھا۔ آخر وہ اپنی بارعب آواز میں زور سے چلّایا۔

"کون ہو تم؟"

ان میں سے کسی کی گھبرائی ہوئی آواز آئی۔

"یہ مجھ سے جُوا کھیلتے ہوئے ہار گئے ہیں اور اب جھگڑا کر رہے ہیں۔"

صمام نے پھر پوچھا۔

"تم کون ہو؟"

اس نے بوکھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں صدف کا زہیر بن قیس ہوں۔"

"اور دوسرے کون ہیں؟"

"یہ جرش کے یہودی ہیں۔"

کچھ سوچ کر صمام نے اپنے مُنہ پر عمامے کا پلو ڈال لیا۔ پھر بڑی تیزی سے اُٹھا اور یہودیوں پر جھپٹ پڑا۔ پہلے ہی حملے میں اس نے دو یہودیوں کو ڈھیر کر دیا۔ چار یہودیوں سے اکیلا لڑنے والا عرب نڈھال ہو چکا تھا لیکن ایک خوفناک نوجوان کو میدان میں دیکھ کر اس میں پھر ہمت آ گئی اور وہ تیزی سے حملے کرنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ دوسرے دونوں یہودیوں کو بھی ختم کر چکے تھے اور پھر دونوں نے مل کر ان کی لاشوں کو یت کے اندر خندق میں دبا دیا تھا۔

وہی عرب جس نے اپنا نام زہیر بن قیس بتایا تھا۔ صمام کے قریب ہوتا ہوا بولا۔

"کیا میں اپنے محسن کا نام پوچھ سکتا ہوں۔"

صمام نے چہرے سے نقاب ہٹا دیا۔

زہیر کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"مَیں نے اس سے پہلے تمہیں کہیں نہیں دیکھا۔"

صمام مسکرا دیا۔

"مَیں القطر میں رہتا ہوں۔"

"تمہارا نام؟"

"میرا نام صمام بن ثعلب ہے۔"

"القطر کے ہوکر تم نے صدف کے ایک عرب کی جان کیسے بچائی

صمام نے بڑی بشاشت سے کہا۔

"مَیں پہلے عرب ہوں بعد میں القطر کا باشندہ، ہمارے اصل دشمن صدف نہیں جرش اور دوسری بستیوں کے یہودی ہیں۔"

"لیکن ہماری بستی والے تو تمہارے خلاف جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں

صمام غمگین ہو گیا۔

"یہی تو ہم عربوں کے لیے ایک لعنت ہے۔ ورنہ یہودی یوں بے رحم کی طرح آج ہمارا خون نہ پی رہے ہوتے۔"

زہیر نے سحر زدہ آواز میں کہا۔

"ہمارے ہاں اگر کوئی تم جیسی باتیں کرے تو اُسے بزدل اور دہشت پسند کہا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں وہ جوان مجرم سمجھا جاتا ہے جو یہودیوں کی حمایت میں آواز بلند کرے بستی میں یہودیوں کو اچھا سمجھا جاتا ہے کیونکہ جنگ کی تیاری کے لیے وہ ہمیشہ دیتے ہیں جس کا سود عمر بھر ہماری گردنوں سے نہیں اترتا۔"

صمام نے دُکھ سے کہا۔

"کیا ہم آباؤ اجداد کی یہ اندھی تقلید بھول نہیں سکتے ہمیں آپس کی لڑائیاں ان یہودیوں کے مقابلے میں متحد ہو جانا چاہیے۔"

مایوس آواز میں زہیر نے کہا۔

"بہت مشکل ہے کیا تم اپنی بستی کے مستقبل سے ایسی امیدیں وابستہ کر سکتے ہو۔"

صمام نے گہری سوچ کے بعد کہا۔

"مَیں ایک معمولی لکڑہارا ہوں۔ مَیں قوم کے مستقبل کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ... اتنا جانتا ہوں۔ اگر عربوں نے کبھی اپنے جوانوں کے خون سے یہودیوں کے لگائے ہوئے ... کی شرمندگی، ملامت اور ذلالت کے داغ دھونا چاہے تو سب سے پہلے مَیں اپنے خون سے ... کا چہرہ گلگوں کروں گا۔ مَیں ثابت کر دوں گا کہ کلہاڑا پکڑنے والا ہاتھ قوم کے لیے اپنا ... بھی پیش کر سکتا ہے۔"

"مجھے یہودیوں کی دشمنی کا کوئی افسوس نہیں۔ دُکھ ہے تو صرف اس بات کا کہ ... عرب آپس میں متحد نہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مَیں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ دُنیا کے کسی ... خطہ میں یہودی اپنے رہنے کے لیے جگہ تلاش نہ کر سکتے۔"

زہیر نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"تمہارے ارادے بہت مضبوط ہیں۔ تمہارے خیالات شستہ اور بلند ہیں تحسین ... تمہاری ماں کے لیے جس نے تم جیسے عرب کو جنم دیا۔ کاش تمہارا ساتھ دینے کے لیے مَیں ... تنہا ہی میں ہوتا۔ صدف میں ایسے لوگوں کے لیے حالات سازگار نہیں ہیں جو ... اپنے سینے پر پھیلی ہوئی ان بستیوں میں صلح اور امن کے متمنی ہوں۔ یہ لوگ یہ نہیں سوچتے ... تم اپنے وطن سے دُور شام میں آباد ہوئے ہیں کم از کم یہاں آ کر تو متحد رہیں۔"

صمام نے بھی اپنا فیصلہ دیا۔

"جب تک یہودیوں سے چھٹکارا حاصل نہیں ہوتا عربوں کا خون بہتا رہے ... ان کی پیاسی ریت کو عربوں کا خون مہیا کرنے کے لیے یہودی دن رات ایسے طریقے ... کرتے رہتے ہیں جن کے باعث عرب آپس میں ہمیشہ لڑتے رہیں۔ کیا کسی نے آج تک ... کو بھی آپس میں لڑتے دیکھا ہے۔"

تھوڑی دیر دونوں چُپ رہے پھر زہیر بولا۔

"مَیں تمہاری باتوں سے بے حد متاثر ہُوا ہوں۔ اپنے قبیلے میں جاکر مَیں ایسے جوان پیدا کرنے کی کوشش کروں گا جو تمہاری طرح صلح اور امن کے خواہاں ہوں۔ کاش بستیوں کے درمیان رقابت کی دیوار نہ ہوتی اور مَیں اپنے محسن کو اپنے گھر لے جا سکتا۔"

صمام نے بڑی شائستگی سے کہا۔

"مَیں کسی انعام یا ستائش کا متمنی نہیں۔ ہم دونوں اگر عربوں کے درمیان اور صلح پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو میرے لیے یہی سب سے بڑا انعام ہوگا۔"

دونوں نے مصافحہ کیا پھر وہ ایک دوسرے سے جُدا ہو رہے تھے۔

○

صحرا عبور کر کے صمام اپنی بستی میں داخل ہو گیا۔ گھر جانے کی بجائے وہ ایک کی طرف مڑ گیا اور تھوڑی دیر بعد وہ بستی کے لوہار ادریس بن مالک کے دروازے پر دے رہا تھا۔

چند لمحوں بعد دروازہ کھلا ادریس نے باہر نکلتے ہوئے صمام سے پوچھا۔

"صمام تم! اس وقت کیا بات ہے؟"

صمام نے کچھ دیر غور سے اس کی طرف دیکھا۔ پھر نقدی کی ایک تھیلی نکال کر اس تھماتے ہوئے کہا۔ "نقدی کی یہ خریطی رکھ لو۔"

ادریس نے جستجو سے پوچھا۔

"یہ کیسی رقم ہے؟"

"ایک ہزار دینار سنبھال کر رکھ لو۔"

"کیا کروں انہیں؟"

صمام کے چہرے پر سختی چھا گئی تھی۔

"زہر میں بجھے ہوئے مضبوط تیر بناتے رہو۔ مَیں تمہیں اور رقم بھی دیتا

"کہاں سے لائے ہو اتنی بڑی رقم؟"

"ایک یہودی سے جیتی ہے۔"

ادریس نے تھیلی لے لی اور سوچنے لگا۔

"تم اتنے تیر کیا کرو گے؟"

صمام نے دُکھ سے کہا۔

"عنقریب تم خود ان کی ضرورت محسوس کرو گے۔"

ادریس پریشان ہو گیا۔

"لات و عزیٰ امان دیں۔ کہیں پھر کوئی جنگ نہ شروع ہو جائے۔"

"تمہارا گمان درست ہے۔ اس صحرا سے اب مجھے خون کی بُو آنے لگی ہے۔"

ادریس نے کچھ سوچ کر کہا۔

"سرائے سے آ رہے ہو۔"

"ہاں۔"

"آؤ بیٹھو مَیں تم سے ایسے حالات سُننا پسند کروں گا۔"

"نہیں مَیں چلتا ہوں۔ میرا باپ بڑی بیتابی سے میرا انتظار کر رہا ہوگا۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے گھوڑے کو واپس موڑا اور اسے ایڑ لگا دی۔ ادریس دروازہ بند کر کے اندر چلا گیا تھا

○

شام ہونے کو تھی جُنید اور سلیمان ایک ٹیلے پر بیٹھے اپنی بکریاں چرا رہے تھے سورج کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"سلیمان بکریاں اکٹھی کرو پھر چلیں"۔

سلیمان اُٹھ کھڑا ہوا۔ اچانک اس کی نظر صحرا کی طرف اُٹھ گئی اور جم کر رہ گئی پر مشتمل ایک بہت بڑا کارواں افق میں داخل ہو رہا تھا۔ سلیمان کی آنکھیں خوشی سے اُٹھیں اور وہ زور زور سے چلانے لگا۔

"جنید! جنید! وہ دیکھو ہمارا تجارتی قافلہ لوٹ آیا ہے"۔

جنید کھڑا ہو کر غور سے دیکھنے لگا۔

"جلدی جلدی بکریاں اکٹھی کرو اور چلیں"۔

دونوں بھاگنے لگے اور اپنی مخصوص آوازیں نکال نکال کر بکریاں جمع کرنے لگے جب وہ اپنے ریوڑ ہانکتے ہوئے بستی میں داخل ہوئے تو جعفر کے گھر سامان کے ڈھیر ڈھیر لگے تھے اور باہر گلی میں بے شمار اونٹ کھڑے تھے۔ جنید کی بکریاں اپنے اپنے کو چلی گئیں۔ سلیمان نے بھی اپنا ریوڑ باڑے میں بند کر دیا تھا اور دونوں سامان کے آکھڑے ہوئے تھے۔ بستی کے سب لوگ اپنا اپنا سامان لینے سردار کے گھر جمع ہو گئے آج پُورا قبیلہ خوش تھا۔ اسماء سامان میں کھڑی مُسکرا رہی تھی۔ جعفر بھی بے تحاشا تھا۔ ثعلب کی مسرت انتہا نہ تھی۔ صمام بھی اپنے سامان کے پاس کھڑا تھا پاس عزیہ اور حویرہ بھی تھیں اور وہ اپنا سامان سمیٹ رہی تھیں۔ ان کے حصّے گندم کی بوریاں تین مشکیزے زیتون کا تیل اور پانچ سو دینار آئے تھے۔

وہ ضعیف یہودی جس کا یہودیوں نے اس دن سر پھوڑ دیا تھا۔ صمام کے قریب ہی تھی۔ اس کے حصّے میں دو گندم کی بوریاں، دو مشکیزے زیتون کا تیل کچھ کپڑا اور سو دینار آئے تھے وہ بھی آج بے حد خوش تھی۔ ابھی وہ اپنا سامان اپنے لڑکے اور اپنی لڑکی کے ساتھ اُٹھانے ہی لگی تھی کہ اسی دن والے چار یہودی اندر داخل ہوئے۔ سب لوگوں کے اُتر گئے تھے۔

اسماء پریشان ہو گئی اور صمام کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

جعفر ان کے قریب گیا اور آہستگی سے کہا۔

"لوگوں کو یہاں سے سامان اٹھا لینے دو پھر میں خود سب سے تمہیں رقم لے کر گا"۔

لیکن وہی یہودی برس پڑا جس نے اس دن بڑھیا کو دھکا دیا تھا۔

"پھر ہمیں کچھ نہیں ملے گا۔ ہم یہیں سے اپنی رقم پوری کر کے اٹھیں گے"۔

یہودی آگے بڑھا اور اس بڑھیا کی دونوں گندم کی بوریوں اور زیتون کے مشکیزوں منہ کرتے ہوئے کہا۔

"بس اب ہماری رقم ادا ہو گئی"۔

بڑھیا نے ساجت کی۔

"اتنا بڑا ظلم نہ کرو۔ صرف سود لے لو باقی رقم میں پھر دوں گی"۔

یہودی گرجا۔

"نہیں نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا"۔

قریب ہی کھڑی عزیہ، اسماء اور حویرہ غم گین ہو گئی تھیں۔ جعفر اور ثعلب کے ساتھ گئے۔ جنید اور سلیمان پریشان کھڑے تھے۔ ایک طرف ہر شے بھی کھڑا سوچ رہا تھا۔ ماحول پر ایک دِل شکن سی اداسی چھا گئی تھی۔

اچانک صمام آگے بڑھا اور اس یہودی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس بڑھیا کا سامان واپس کر دو"۔

یہودی نے بے رُخی سے کہا۔

"تم بیچ میں مت آؤ۔ یہ سامان واپس نہیں ہوگا۔"

غصّے میں صمام کو پسینہ آگیا تھا۔

"مَیں کہتا ہوں واپس کرو سامان"

یہودی نے صمام کو دھکا دے کر پیچھے ہٹا دیا۔ "نہیں کرتے کوئی تمہارے

صمام کا رنگ سُرخ ہو گیا تھا۔ ایک سنسناتا ہُوا گھونسہ اس نے یہودی کے

مارا اور وہ تیورا کر سامان کے اُوپر گر گیا۔ لیکن جلد ہی اُٹھ کھڑا ہُوا۔ چاروں یہود

اپنی تلواریں سونت لیں۔ صمام نے ایک جھٹکے سے اپنی تلوار نکالی اور مستعد کھڑا ہو

قریب ہی کھڑی حویرہ نے جو یہ منظر دیکھا تو بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔

سوچ کر مکان کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ یہودی صمام کی طرف بڑھ رہے تھے۔ دفعتہً

نے اپنی تلوار سونت لی۔ گو صمام نے اس کی مرضی کے خلاف حرکت کی تھی مگر پھر بھی

تھا۔ پھر ہرثمہ اور جعفر کی تلواریں بھی باہر نکل آئیں۔ اس کے بعد جنید اور سلیمان بھی ا

باہر نکال چکے تھے۔ ثعلب جب آگے بڑھا تو صمام زور سے چلایا۔

"ابا! تمہیں میری قسم آگے نہ آنا۔ مَیں خود ہی ان بے غیرتوں سے نمٹ

جعفر، ہرثمہ، جنید اور سلیمان بھی آگے بڑھے مگر صمام نے انہیں بھی

اسمار پریشان ہو گئی تھی۔

عزیہ کا چہرہ اُتر گیا تھا۔

یہودیوں نے آگے بڑھ کر اس پر حملہ کر دیا تھا۔ صمام پھُدک کر ایک

اور دو تلواروں کے وار سے بچنے کے بعد باقی دو کے وار اپنی تلوار پر روکنے کے

ایک سخت جھٹکے سے دُور گرا دیا۔ دوسرے دو یہودی اس پر پل پڑے۔ صمام

کے وار روکے۔ پھر پلک جھپکنے میں ایک کو دائیں پاؤں اور دوسرے کو بائیں

ٹھوکر مار کر دُور پھینک دیا تھا۔

پہلے دو یہودی صمام پر حملہ آور ہونے کے لیے اُٹھ ہی رہے تھے کہ

یک گرے ہوئے کا کام تمام کر دیا اور پھر ذرا دور ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں دروازے

ہوئی۔ جعفر نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ حویرہ بھاگتی ہوئی اندر آئی۔ اس کے ایک ہاتھ

ے کا ایک مضبوط نیزہ اور دوسرے میں چمکتی ہوئی ایک ڈھال تھی۔

صمام بھاگ کر حویرہ کے پاس آیا۔ تلوار اس نے پھینک دی اور اس سے نیزہ اور ڈھال لیکر پھر یہودیوں

ملہ بڑھا۔ اب وہ اکیلے وار اپنی ڈھال پر روک رہا تھا۔ اچانک اس نے اپنا نیزہ ایک یہودی کے سینے میں

ب پڑا اور وہ زمین پر لوٹنے لگا۔ دوسرے دونوں یہودی صمام کے حملوں کی تیزی سے گھبرا اُٹھے تھے۔

صمام اب نیزے اور ڈھال سے تابڑ توڑ حملے کرنے لگا تھا۔ جلد ہی اس نے ایک اور

ی کا پیٹ بھی نیزے سے چھید دیا۔ اب وہ ہی یہودی باقی رہ گیا تھا جس نے اس روز اس

ا دھکا دے کر اس کا سر پھوڑ دیا تھا۔

صمام نے ایک دم اس کی تلوار پر پوری قوت سے اپنا نیزہ مارا اور تلوار اس یہودی کے

ت چھوٹ کر دُور جا گری۔ یہودی بوکھلا گیا تھا۔ صمام نے بھی اپنا نیزہ اور ڈھال پھینک

ار گرجتا ہُوا اس کی طرف بڑھا۔

"شیطان یہودی! ذلیل کتّے! لات و عزیٰ کی قسم مَیں تمہیں سرکش اونٹ کی طرح ماروں

اس کے ساتھ ہی اس نے یہودی پر مُکّوں کی بارش شروع کر دی۔ یہودی بھی خوب اپنے

اؤں چلا رہا تھا۔ مگر صمام نے مار مار کر اسے کچھ اس طرح بے بس کر دیا جس طرح شاہین کسی

ندے کو دبوچ کر بے جان کر دیتا ہے۔

صمام کے لگاتار مُکّوں سے وہ نڈھال سا ہو کر زمین پر گرا اور وہیں بے سُدھ ہو کر

ا۔ صمام نے غصّے میں قریب ہی پڑا ہُوا اپنا نیزہ اُٹھایا اور زور سے لہرا کر اس کے

ں کاڑ دیا۔

یہودی کی ایک دلدوز چیخ بلند ہوئی۔

اور اس کے سینے سے سُرخ خون اُبل پڑا تھا۔

لڑنے کے دوران صمام کے شانے پر کسی یہودی کی تلوار کی نوک لگ گئی تھی جس کی وجہ

ا بائیں آستین کا تھوڑا سا حصّہ خون میں بھیگ گیا تھا۔ مگر صمام نے ابھی تک اپنے زخم کا

احساس تک نہ کیا تھا۔ ایک جھٹکے کے ساتھ اس نے یہودی کے سینے میں گڑے ہوئے اپنے کو کھینچا اور پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ جعفر نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے نیزہ لے کر ایک پھینک دیا اور اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"میں نے زندگی میں پہلی بار ایک عرب کو یوں بے دھڑک ہو کر لڑتے دیکھا ہے تم نے بہادر و جفاکش ماں کا دودھ پیا ہے۔ تمہارا یہ کام پوری بستی میں مثال رہے گا۔"

اسماء، عزیہ اور حویرہ بھی نزدیک آ کر کھڑی ہو گئیں۔ صمام کی اس کامیابی پر کے چہروں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اتنی دیر تک ثعلب بھی قریب آ گیا اور صمام کی دیکھ کر دکھ سے کہا۔

"تم نے بہت برا کیا صمام! تمہاری اس حرکت پر القطر پر مصیبت ٹوٹ پڑے

صمام نے باپ کی ڈھارس بندھائی۔

"کچھ بھی نہیں ہو گا بابا! یہودیوں نے اگر کوئی بڑا قدم اٹھایا تو میں بستی کے جوا کو متحد کر کے انہیں ایسا سبق دوں گا کہ پشتوں تک یاد کریں گے۔"

ثعلب کی گردن جھک گئی۔

"کچھ بھی ہو تم نے یہودیوں سے دشمنی کی ابتدا تو کر دی نا!"

صمام باپ کے قریب آ گیا۔

"کیا آپ یہ پسند کرتے کہ وہ راحیل بچی کا سامان اٹھا کر لے جاتے اور میں تماشائی بنا کھڑا رہتا۔ میں آج کئی دنوں سے دل پر پتھر رکھ کر ان کی زیادتیاں برداشت رہا تھا لیکن اب میں برداشت نہیں کروں گا میں یہ بھی نہیں دیکھ سکتا کہ وہ ہماری بستی کی بیوہ کا سامان چھینتے پھریں اور ہم چپ رہیں۔ وہ بستی میں درندوں کی طرح دندناتے اور ہم اپنے گھروں کے کواڑ بند کر کے چھپے رہیں۔"

جنید نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"صمام ٹھیک کہتا ہے۔ یہودیوں کو ایسا سبق ضرور ملنا چاہیئے تھا۔ اب نے اگر ہمارے ساتھ الجھنے کی کوشش کی تو ہم صحرا کی سفید ریت کو ان کے خون سے

سرمان کے پانی کی طرح سرخ کر دیں گے۔"

سلیمان بھی چلایا۔

"ہم ان کے سامنے جھکیں گے نہیں۔ صمام نے ہماری آنکھوں سے ذلالت کی پٹی اتار دی ہے۔"

اسماء بھی ثعلب کی طرف دیکھتی ہوئی بول پڑی۔

"چچا! آپ کیوں صمام سے بحث و تکرار کرتے ہیں۔ اس نے جو کچھ کیا ہے ٹھیک کیا ہے۔ یہودی دن بدن شیر ہوتے جا رہے تھے۔ بستی میں کوئی ان کا منہ توڑنے والا نہ تھا۔ اب دیکھنا وہ پہلے کی طرح نہ دندنا سکیں گے۔"

"بیٹی! کل کو اگر یہودیوں نے ہماری بستی پر حملہ کر دیا پھر؟"

اسماء کی بجائے صمام نے جواب دیا۔

"بابا! آپ دیکھ لینا۔ ہم قدم قدم پر یہودیوں کو شکست دیں گے۔"

جعفر نے آگے بڑھ کر دخل اندازی کی۔

"جو ہونا تھا ہو چکا اب چھوڑو اس بحث کو۔ ان چاروں لاشوں کو جلدی جلدی لہیں ٹھکانے لگا دیں۔"

ثعلب نے اپنی رائے پیش کی۔

"فی الحال ان کو کہیں چھپا دیتے ہیں۔ رات کو کہیں دبا دیں گے۔"

جعفر مان گیا ——— "ٹھیک ہے۔"

جنید، سلیمان اور چند اور بستی کے نوجوان آگے بڑھے اور لاشیں اٹھا کر ایک طرف لے لے۔ جعفر نے آگے بڑھ کر صمام کا بازو پکڑ لیا۔

"آؤ صمام میں تمہارے بازو پر پٹی باندھ دوں، شاید زخم آ گیا ہے۔"

عزیہ فوراً آگے بڑھی۔ "میں خود کر دیتی ہوں مرہم پٹی۔"

وہ صمام کا بازو پکڑ کر گھر لے جانا چاہتی تھی کہ اسماء بھاگتی ہوئی ایک کمرے سے نکلی اس کے ہاتھ میں ایک پٹی بھی تھی وہ صمام کے سامنے کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔

"ٹھہرو صمام! میں باندھتی ہوں پٹی!"

صمام، عزیہ اور حویرہ جو گھر جا رہے تھے رُک گئے۔ اسمار نے آگے بڑھ کر خود کے زخم پر پٹی باندھی پھر مُسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور شوخ لہجے میں سرگوشی کی۔

"صمام! میں تمہیں اس کامیابی پر مبارک باد دیتی ہوں جو تم نے ان یہودیوں حاصل کی ہے"۔

صمام ہنس دیا۔ "میں نے کوئی ایسا معرکہ سر تو نہیں کیا جس پر تم مجھے مبارکباد اسمار سنجیدہ ہو گئی۔ "مگر میری نگاہوں میں یہ ایک عظیم کارنامہ ہے"۔

صمام خاموش رہا۔

اسمار نے پھر کہا۔ "تم نے دیکھا ہی تھا کہ یہودی ان دنوں کس طرح ہماری بستی ظلم کر رہے تھے۔ ہماری بستی کے جوانوں پر ان کی دہشت کچھ اس طرح چھا چکی ہے کہ کوئی کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں کرتا۔ اب تم نے بستی کے دوسرے جوانوں کے لیے ایک راستہ دیا ہے۔ اب تمہاری تقلید پر ہر کوئی ان کا راستہ روکنے کی جرأت کرنے لگے گا"۔

صمام خلاؤں میں گھورنے لگا۔

"میں یہ کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ یہودی ہماری ماؤں بہنوں پر سرِعام ظلم کرتے اسمار نے اپنی گنگناتی آواز میں کہا۔

"کاش! بستی کے سب جوان تم جیسے ہو جائیں"۔

صمام نے پُرامید لہجے میں کہا۔ "وہ دن بھی اب دُور نہیں۔ تم دیکھنا اسمار میں بستی کے بچے بچے کو یہودیوں کے سامنے لا کھڑا کروں گا اور جب تک صحرا کی ریت ان کے سے سُرخ نہیں ہو جاتی میں ان کا جینا دوبھر کیے رکھوں گا"۔

حویرہ نے آگے بڑھ کر اسمار کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"آؤ باجی! ادھر ہی چل کر بیٹھتے ہیں"۔

صمام، عزیہ اور حویرہ اپنے گھر آ گئے۔ اسمار بھی ان کے ساتھ تھی۔

دوسرے روز جب کہ سُورج سر پر آ چکا تھا اور باد سموم نے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ تین یہودیوں نے جعفر کے مکان پر دستک دی۔ تھوڑی دیر بعد جعفر نے دروازہ کھولا۔ ایک یہودی اسے دیکھتے ہی بولا۔

"کل ہمارے چار آدمی قرض وصول کرنے یہاں آئے تھے لیکن ابھی تک لوٹ کر نہیں ہم نے انہیں بہت تلاش کیا ہے۔ بتاؤ وہ کہاں ہیں؟"

جعفر بالکل انجان بن گیا۔

"مجھے کوئی خبر نہیں"۔

یہودی غضب ناک ہو گیا۔

"جھوٹ۔ تمہیں سب پتہ ہے۔ تمہارے ایماء پر ہی تمہاری بستی کے لوگوں نے انہیں یا تو قتل کر دیا ہے یا کہیں چھپا رکھا ہے۔ ہمارے سردار کا حکم ہے کہ ہم اپنے ساتھیوں ساتھ لے کر آئیں۔ بتاؤ کہاں گئے وہ؟"

جعفر نے کسی قدر جرأت سے جواب دیا۔

"میں نے کہہ جو دیا ہے مجھے خبر نہیں ہے"۔

یہودی نے غور سے اسے دیکھ کر پھر کہا۔

"تم اس طرح نہیں مانو گے۔ اگر تم نے ہمارے ساتھیوں کا پتہ نہ دیا تو——— وہ رُکا اور اپنے ساتھیوں کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہہ دیا۔

تو ہم اسمار کو بطور یرغمال لے جائیں گے۔ جب ہمارے ساتھی آئیں گے تمہاری "تمہیں واپس کر دی جائے گی"۔

جعفر نے انتہائی غصّے کے انداز سے کہا۔

"زبان سنبھال کر بات کر یہودی! جو ہاتھ میری بیٹی کی طرف بڑھے گا وہ ہاتھ کاٹ دوں گا۔ دوبارہ اپنی گندی زبان پر میری بیٹی کا نام لائے تو میرے ایک ہی اشارے پر تم تینوں کی یہاں کھڑے کھڑے گردنیں اُڑا دی جائیں گی۔"

یہودی نے طنزیہ کہا۔

"یہ سب کھوکھلی اور بے معنی باتیں ہیں جن پر ہم بہت کم دھیان دیتے ہیں۔ ابھی ابھی سلیمان اور جنید کا کھانا لے کر جاتی ہوئی ہمیں پہاڑ کے دامن میں ملی تھی اب وہ اس وقت واپس آئے گی جب ہمارے چاروں آدمی ہماری بستی میں آجائیں گے۔"

یہودی وہاں سے ہٹے اور اپنے گھوڑے سرپٹ دوڑاتے ہوئے بستی سے باہر نکل گئے۔

جعفر بدحواس ہو گیا۔

یہودی چلے گئے تھے۔

اچانک اس نے سر کو جھٹکا دیا اور ایک طرف کو بھاگ نکلا۔ گلی میں کھڑے بستی کے چند اور جوان بھی اس کے پیچھے بھاگے۔ جعفر ان جوانوں کے ساتھ اپنے بیرونی احاطے میں داخل ہوا۔ اندر کئی گھوڑے بندھے تھے۔ سب نے جلدی جلدی گھوڑے کھولے اور ان کی ننگی پیٹھوں پر ہی سوار ہو کر وہ صحرا کی سمت سرپٹ دوڑانے لگے تھے۔

○

جنید اور سلیمان کا ریوڑ جو اُونٹ، گھوڑوں اور بکریوں پر مشتمل تھا پہاڑ کے ایک رقبے میں پھیلا ہری ہری گھاس چر رہا تھا اور وہ دونوں ایک اونچے ٹیلے کی ایسی جگہ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے جہاں سے انہیں اپنا پورا ریوڑ دکھائی دے رہا تھا۔ قریب ہی اسمار پانی کا تشکہ اپنے سامنے رکھے دونوں کو پانی پلاتی جا رہی تھی۔

ان کے بائیں جانب تھوڑی ہی دُور صمام اور ہرثمہ جنگل میں لکڑیاں کاٹ رہے تھے ہرثمہ نے اپنا پسینہ پونچھتے ہوئے صمام سے کہا۔

"صمام! سخت پیاس لگی ہے۔ آؤ چشمے سے پانی پی آئیں۔"

صمام نے کلہاڑا روکے بغیر ہی کہا۔

"جاؤ پی آؤ۔"

"تم نہیں جاؤ گے؟"

"مجھے پیاس نہیں ہے۔"

ہرثمہ بائیں طرف پہاڑ کے اُوپر چشمے سے پانی پینے چلا گیا تھا۔

جنید اور سلیمان کو کھانا کھلانے کے بعد اسمار واپس لوٹی اور راستے میں پڑنے والے چشمے کے کنارے بیٹھ کر اس نے سر پر رکھے ہوئے برتن ایک طرف رکھ دیئے۔ پہلے نے ٹھنڈے پانی سے ہاتھ پاؤں دھوئے پھر منہ پر چھینٹے دینے لگی۔

جونہی وہ اٹھی اور کھانے کے برتن اُٹھانے لگی یہودی بھی وہاں پہنچ گئے اور اپنے گھوڑوں سے اُتر پڑے۔

اسمار بیچاری خوف سے کانپ گئی تھی۔

ایک یہودی آگے بڑھا اور اسمار کا بازو پکڑ لیا۔

اسمار غصّے میں سُرخ ہو گئی۔

دائیں ہاتھ کا ایک بھرپور طمانچہ اس نے یہودی کے منہ پر دے مارا۔

"ذلیل، کمینے چھوڑ دو میرا ہاتھ۔"

یہودی نے بڑی بے رحمی سے اس کا بازو مروڑا۔

"تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔"

اسمار بیچاری دوہری ہو گئی۔ تاہم اس نے ہمت نہ ہاری، پاؤں کی ایک سخت ضرب اس یہودی کے پیٹ میں دے ماری۔ یہودی بے بس سا ہو کر گر گیا۔ اسمار نے اپنا بازو چھڑا لیا اور کھانے کے خالی برتن وہیں چھوڑ کر وہ وحشت زدہ سی ہو کر بائیں جانب جنگل کی طرف بے تحاشا بھاگنے لگی تھی۔

القصّہ کے دو آدمی قریب ہی لکڑیاں کاٹ رہے تھے۔ انہوں نے جو یہ منظر دیکھا تو کلہاڑیاں سونت لیں اور اسمار کی مدد کے لیے یہودیوں کی طرف بھاگے۔ اسمار ان کے

قریب آکر رُک گئی اور ایک درخت کا سہارا لے کر اُونچے اُونچے سانس لینے لگی۔

یہودی بھاگتے ہوئے آئے اور ان دونوں عربوں پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اسماء کچھ زیادہ ہی ہراساں ہوتی جا رہی تھی۔ اچانک یہودیوں نے عرب کو قتل کر دیا۔ اسماء اور زیادہ پریشان ہو گئی تھی۔

دوسرا عرب ابھی تک مقابلہ کر رہا تھا مگر ان بھیڑیوں نے تھوڑی دیر بعد اسے قتل کر دیا اور پھر اسماء کی طرف بڑھے وہ بچاری درخت سے لگی کانپ رہی تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ دونوں عرب ختم ہو گئے اور یہودی پھر اس کی طرف بڑھ رہے ہیں تو وہ پھر جنگل میں بھاگنے لگی۔

یہودی بھی اس کے پیچھے بھاگ رہے تھے ان میں سے ایک بالکل اسماء کے پاس پہنچ گیا تھا اور دوسرے دونوں ذرا پیچھے رہ گئے تھے۔ اسماء کے لیے بچاؤ کا کوئی چارہ نہ رہ گیا تھا وہ یہودیوں کے چنگل سے اپنے آپ کو بچانے کی خاطر زور زور سے پکارنے لگی تھی

"صمام! صمام!"

اسماء اب تھک کر چُور ہو چکی تھی۔ ایک یہودی اس کے بالکل قریب آ گیا تھا۔ بھی کچھ زیادہ دُور نہ تھے۔ دفعتہً ایک طرف سے صمام نمودار ہوا۔ اس کے ایک ہاتھ تلوار اور دوسرے میں ایک موٹی سی لکڑی تھی۔ اسماء اس کے قریب آ کر زمین گئی اور ہانپنے لگی تھی۔

صمام یہودی پر ٹوٹ پڑا۔ لیکن وہ مستعد ہو گیا تھا۔ بڑی پھرتی سے اس نے صمام کا وار اپنی تلوار پر روک لیا تھا۔ مگر اس کی تقدیر ہار چکی تھی۔ تلواریں ایک دوسرے سے ٹکرا کر ابھی جدا بھی نہ ہوئی تھیں کہ صمام نے بائیں ہاتھ کی پوری قوت سے لکڑی یہودی کی کنپٹی پر دے ماری۔

یہودی لڑکھڑا کر گر گیا۔ صمام نے تلوار کے ایک ہی بھرپور وار سے اس کا جسم میں دو ٹکڑے کر دیا۔

"دوسرے دو یہودی جو شکاری کتوں کی طرح بھاگے چلے آ رہے تھے اپنے ساتھی

صورت زاموت دیکھ کر ذرا رُک گئے تھے۔ مگر صمام انہیں شاید سوچنے کی مہلت نہ دینا چاہتا تھا، فوراً آگے بڑھ کر دونوں پر ٹوٹ پڑا۔ شاہین اور گدھ آپس میں لڑ پڑے تھے۔

اسماء اب تک اپنا سانس درست کر چکی تھی۔ فوراً ہی اس نے کچھ سوچا۔ مرے ہوئے یہودی کی تلوار اُٹھائی اور صمام کی مدد کے لیے آگے بڑھی۔ صمام کو اپنے ساتھ دیکھ کر اس کی آنکھوں میں انتقام کا خون اُتر آیا تھا۔

صمام نے اسماء کو آگے بڑھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس نے اسے منع کر دیا اور میں رُک جانے کو کہا۔ اسماء بچاری کھڑی ہو گئی۔ صمام بڑی تیزی سے ان پر تلوار اور لکڑی وار کر رہا تھا۔

یہودی اسے بہت جلد ختم کر دینے کے درپے تھے۔ دوسری طرف لمحہ بہ لمحہ صمام کے ہاتھوں میں تیزی آتی جا رہی تھی۔ یہودی ماند پڑ رہے تھے اور صمام کا خون گرم ہوتا جا رہا تھا۔ ایک یہودی کو اس نے لکڑی سر پر مارتے ہوئے دُور گرا دیا۔ صمام بڑی پھرتی سے اس پر جھپٹا اور اس کی دونوں ٹانگیں کاٹ دیں۔

آخری یہودی صمام کے سامنے چند لمحے بھی نہ نکال سکا اور خون میں لت پت زمین پر دیر لوٹ لوٹ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ صمام نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی لکڑی پھینک دی اور تلوار میں کرتا ہوا اسماء کے قریب آیا۔ وہ اُسے دیکھتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔ بالکل شبنم میں ہوئی مقدس اور بند کلی کی طرح۔

صمام اس کے قریب آ کر دھیرے سے بولا۔

"جاؤ اسماء گھر چلی جاؤ۔"

اسماء بچاری خوفزدہ سی ہو کر بولی۔

"میں اکیلی نہیں جاؤں گی۔ تمہارے ساتھ ہی چلوں گی اب۔"

"لیکن میں تو ابھی ٹھہر کر جاؤں گا۔"

"تو میں اتنی دیر تمہارے پاس ہی بیٹھی رہوں گی۔"

"اچھا آؤ پھر میرے ساتھ۔"

"اسعد اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔

"صمام کے بازو کی طرف دیکھتے ہوئے وہ ایک جگہ رُک گئی۔

"ٹھہرو صمام!"

وہ رُک گیا۔

"کیا بات ہے؟"

"شاید تمہارا کل کا زخم کھل گیا ہے۔ دیکھو تو کتنا خون بہہ رہا ہے۔"

صمام نے لاپروائی سے کہا۔

"کوئی بات نہیں آؤ چلیں۔"

اسعد نے آگے بڑھ کر اس کی عبا پکڑ لی۔

"نہیں تم ٹھہرو۔ میں پٹی باندھ دیتی ہوں۔"

وہ اپنی عبا کا پلو پھاڑنے لگی۔

صمام نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"رہنے دو اسعد! کیوں تکلیف کرتی ہو؟ ——— کوئی اتنا بڑا زخم خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔"

"معمولی زخم کہاں ہے چھوڑو میرا ہاتھ۔"

صمام نے اسی طرح اس کا ہاتھ پکڑے رکھا۔

"میں تمہیں عبا نہیں پھاڑنے دوں گا۔"

اسعد نے ایک بار غور سے اس کی طرف دیکھا۔ پھر لجا سی گئی اور نگاہیں جھکا ہوئے کہا۔

"اچھا میں عبا نہیں پھاڑتی۔ میرا ہاتھ تو چھوڑو نا۔ میں پہلے والی پٹی ہی درست کر دیتی ہوں۔"

صمام مان گیا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے" اور اپنا شانہ اس کی طرف کر دیا۔

اسعد سیدھی کھڑی ہو گئی اور پہلی پٹی جو ایک طرف کھسک گئی تھی درست کر دی۔

فی دیر میں ہرثمہ بھی پانی پی کر آ گیا۔ صمام اور اسعد کے قریب بکھری ہوئی یہودیوں کی لاشیں دیکھتے ہوئے اس نے پریشانی سے پوچھا۔

"کیا ہوا صمام!"

اسعد اس کے پٹی باندھ چکی تھی۔ اس نے اپنا بازو آگے پیچھے ہلاتے ہوئے کہا۔

"جھگڑا ہو گیا تھا ان کے ساتھ"

"کیوں؟"

صمام نے غصے میں کہا۔

یہ ذلیل اسعد کو اٹھا کر لے جانا چاہتے تھے۔"

ہرثمہ غصے میں سُرخ ہو گیا۔

"تو یہودی ہم پر اس قدر مسلط ہوتے جا رہے ہیں کہ ان کے ہاتھ اب ہماری ماں بہنوں پر بھی اُٹھنے لگے ہیں۔ ایسی ذلت کی زندگی سے تو ہمارے لیے مر جانا ہی بہتر ہے۔"

پھر خود بخود ہی اس کی گردن جھک گئی۔

"پر اس میں کسی اور کا کیا قصور جو کچھ بھی ہو رہا ہے سب ہماری غفلت شعاری اور اہل انگاری کا باعث ہے ورنہ انہیں سرِعام اسعد کو اُٹھا لے جانے کی ہمت نہ ہوتی۔"

صمام نے غصہ ملی جلی آواز میں کہا۔

"یہودیوں کا یہ رویہ اب زیادہ عرصہ نہ رہے گا۔ میں آج ہی سردار سے بات کرتا ہوں کے جوانوں کی ایک ایسی جماعت تیار کرنے کی کوشش کروں گا جو ناسازگار حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہے۔ ایسی صورت میں یہودی بلا جھجک ہماری بستی پر حملہ کرنے کی کوشش نہ کریں گے اور نہ ہی قرض کی ادائیگی کے سلسلے میں بے جا سختیاں کر سکیں گے۔"

ہرثمہ نے کچھ سوچ کر کہا۔

"صمام! ہمیں فوراً گھر چلنا چاہیے۔ یہودی اپنے آدمیوں کے قتل کا سُن کر ضرور

کوئی پیش قدمی اٹھائیں گے اور قبل اس کے کہ کوئی افسوسناک حادثہ رونما ہو ہمیں کی خبر فوراً سردار کو کر دینی چاہیئے"

اسماء بھی فکرمند ہو گئی۔

"ہرثمہ ٹھیک کہتا ہے صمام! چلو گھر چلیں۔

ابھی وہ اسی تذبذب میں ہی کھڑے تھے کہ جعفر اور بستی کے کچھ اور جوان بھی کو ڈھونڈتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ ان کے ساتھ ساتھ جنید اور سلیمان بھی بھاگتے آ رہے تھے۔ جعفر جونہی گھوڑے سے اترا اسماء بھاگ کر اس سے لپٹ گئی۔

"ابا! یہودی تجھے اٹھا کر لے جانا چاہتے تھے۔ ہرثمہ پانی پینے گیا ہوا تھا نے ان تینوں یہودیوں کو قتل کر دیا ہے۔"

جعفر آگے بڑھا اور صمام کو گلے لگا لیا۔

"مجھے تم سے یہی امید تھی۔ چلو میرے ساتھ۔ اب تم اس جنگل میں لکڑیاں نہیں آیا کرو گے۔ آج کے بعد میں تمہیں بستی کے جوانوں کو مسلح اور متحد کرنے کی ذمہ سونپتا ہوں۔ اس کے لیے سب اخراجات میں برداشت کر دوں گا۔ ہرثمہ بھی اس میں تمہارا دست راست ہوگا۔ یہودیوں سے اب کسی بھلائی کی امید نہیں۔ وہ کوئی بڑا قدم اٹھائیں گے۔ چلو جلدی کرو واپس چلیں۔"

جنید اور سلیمان سنجیدگی سے سر جھکائے کھڑے تھے۔ سلیمان آہستہ آہستہ بڑھا اور صمام کے قریب ہو کر آہستگی سے کہا۔

"میری بہن کی عزت بچا کر تم نے القطر پر بہت بڑا احسان کیا ہے میں تم جیسے صحرانشین کے کسی کام آ سکتا۔ مجھے معلوم نہیں کہ یہودیوں کا اب کیا تاہم اگر تمہیں کسی کی مدد کی ضرورت ہوئی تو میرا سر سب سے پہلے حاضر ہوگا تم جیسے سرفروش کی مصاحبت میں ہمیشہ فخر محسوس کروں گا۔"

جنید بھی آگے بڑھا۔

"گو میں ایک بکریاں چرانے والا معمولی چرواہا ہوں مگر کسی بھی معاملے میں

اس نہ کروں گا۔ القطر کے لوگ تمہاری راہنمائی میں متحد ہو گر اگر ایک قوت بن جائیں تو ہوں کی خوش بختی ہوگی۔"

جعفر پھر بولا۔

"جلدی کرو صمام چلیں۔"

اسماء مسکرا اٹھی۔

"بابا ٹھیک کہتے ہیں صمام! جلدی واپس چلیں۔"

صمام نے دھیرے سے کہا۔

"میں اپنا سامان وہاں سے لے لوں پھر چلتے ہیں۔"

صمام کے ساتھ سب ادھر ہو لیے جہاں وہ لکڑیاں کاٹ رہا تھا۔

جعفر نے واپس آتے ہی بستی میں ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا تھا۔ القطر یہودیوں کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ جوانوں میں عجیب سا جوش اور ولولہ تھا۔ آپس میں صلاح مشورہ کر رہے تھے۔ صمام، ہرثمہ، جنید، سلیمان اور بستی کے بے جوان گلی گلی گھوم کر یہودیوں کے خلاف نفرت پھیلاتے ہوئے سب لوگوں کو بیرونی احاطے میں جمع ہونے کو کہہ رہے تھے۔

سہ پہر کے قریب بستی کے تین ہزار کے قریب جوان، چھ سو کے لگ عمر اور بوڑھے مردوں کے علاوہ بے شمار عورتیں بھی وہاں جمع ہو چکی تھیں۔ ہر جوا ڈھال، تیر کمان اور ترکش سے آراستہ تھا۔ کچھ کے پاس زرہ بھی تھیں اور کچھ خالی ہا

جعفر نے ہاتھ ہلا ہلا کر لوگوں کو خاموش کرایا۔ سب نے آپس کی باتیں اور سردار کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو گئے۔ اسی دوران جعفر کی بھاری بھرکم اور بارعب فضاؤں میں گونجی۔

"ساتھیو! میں یہودیوں کے مظالم کے سامنے آج تک اس لیے خاموش رہا کہ بستی کو بلاوجہ جنگ کی بھٹی میں دھکیلنا نہ چاہتا تھا لیکن بھیڑیوں کے ہاتھ اب دراز ہو گئے ہیں۔ ان کے ظلم کے سائے گہرے ہی گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔ اب ان کے ہاتھ ہماری عورتوں پر بھی اُٹھنے لگے ہیں۔ قبل اس کے کہ وہ ایک بھاری جمعیت کے ساتھ ہم پر چڑھ دوڑیں، میں تم سب کو ان کے مقابلے کی دعوت دیتا ہوں۔ تم میں سے جو بھی میرے فیصلے اور خیالات سے اختلاف رکھتا ہو وہ بخوشی کھڑا ہو

کر اپنی رائے کا اظہار کرے۔"

بستی کے سب لوگ جواب میں یک زبان ہو کر چلّائے۔

"ہمیں کوئی اختلاف نہیں۔"

پھر طرح طرح کی آوازیں آنے لگیں۔

"ہم متحد ہیں۔"

"ہم یہودیوں کے خلاف لڑیں گے۔"

"تمہاری ہر پکار پر ہم لبیک کہیں گے۔"

ایک طرف سے کچھ جوان باری باری چلّائے۔

"ہم ان سے انتقام لیں گے۔"

"ہم اپنے سردار کے حکم پر جان کی بازی لگا دیں گے۔"

جعفر مسکرا اُٹھا۔

ایک طرف کھڑی بستی کی عورتوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی تھی۔

لوگ ابھی تک جوش و خروش کے عالم میں یہودیوں کے خلاف طرح طرح سے نفرت کا اظہار کر رہے تھے۔ جعفر نے پھر ایک بار ہاتھ ہلا کر انہیں چپ کرا دیا اور بلند آواز سے مخاطب ہوا۔

"میں نے بستی کے جوانوں کو جنگی تربیت دینے اور انہیں ہر طرح سے مسلح کرنے کے لیے صمام بن ثعلب کو ان کا سالار مقرر کیا ہے۔ تم میں سے جس کو بھی اس انتخاب پر اختلافِ رائے ہو کھڑا ہو کر کسی اور شخص کا نام پیش کرے۔"

لوگ چلّانے لگے۔

"ہم صمام کو اپنا سردار تسلیم کرتے ہیں۔"

"ہم اس کے اشارے پر کٹ مریں گے۔"

جعفر نے پھر انہیں خاموش کرایا اور نقدی کی ایک تھیلی اپنے قریب کھڑے صمام

کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔

"میں جنگ کی تیاری کے لیے صمام کو دس ہزار دینار دیتا ہوں"۔ اس کے بعد ہی الفطر کے بے شمار باثر اور معزز لوگ اُٹھ اُٹھ کر صمام کے پاس نقدی کی تھیلیاں لگے تھے۔

○

جعفر کہنے پر سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ عورتیں پہلے ہی ہٹ چکی تھیں۔ بستی کے لوہار ادریس کو وہیں روک لیا گیا تھا۔ جعفر کے پاس اب اور ہرثمہ کے علاوہ ادریس بھی کھڑا تھا۔ صمام کے دائیں طرف اسماء کھڑی تھی اور جنید اور سلیمان تھے۔

جعفر کی دی ہوئی دس ہزار دینار کی تھیلی صمام نے ادریس بن مالک کی طرف ہوئے کہا۔

"ادریس تمہیں اب دن رات کام کرنا ہوگا۔ بستی کے کافی جوانوں کے ہیں اور تلواریں تو سبھی کے پاس ہیں لیکن پھر بھی تمہیں صیقل شدہ تین ہزار تلواریں ہی ڈھالیں بنانا ہوں گی اس کے علاوہ جس قدر بھی زہر میں بجھے ہوئے تیر بنا سکتے لیکن بہت جلد کیونکہ یہودیوں کا اب کوئی اعتبار نہیں رہا"۔

ادریس نے ہاتھ بڑھا کر تھیلی لے لی اور بڑا مؤدب ہو کر بولا۔

"میں اپنی بستی کی سلامتی کی خاطر دن رات ایک کر دوں گا"۔

صمام پھر بولا۔

تم اب جاؤ اپنا کام شروع کر دو۔ تھوڑی دیر بعد بستی کے بیس جوان پاس پہنچ جائیں گے۔ وہ روزانہ تم دونوں بھائیوں کو کام میں مدد دیں گے اس کے جس وقت بھی تمہیں اور رقم کی ضرورت ہو تو فوراً مجھ سے مانگ لیا کرو"۔

ادریس واپس مڑ کر چند ہی قدم گیا تھا کہ صمام نے اسے پھر بلایا۔

"ادریس! ادریس! ٹھہرو! میری بات سنو"۔

ادریس واپس مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"اس کے علاوہ تمہیں لکڑی کے تین ہزار تختے بھی بنانا ہوں گے جن میں ہر ایک کی لمبائی چوڑائی دو فٹ اور موٹائی دو انچ ہوگی۔ ہر تختے کے ایک طرف اسے زمین میں گاڑنے کے لئے لمبی اور نوکیلی لکڑی بڑھی ہوئی ہونی چاہیے"۔

ادریس نے جواب میں سر ہلایا۔

"بالکل سمجھ گیا ہوں"۔

"تو پھر جاؤ بستی میں جتنے بھی لوگ لکڑی کے کام میں ماہر ہیں تمہارے پاس پہنچ جائیں تختوں کیلئے لکڑی شام تک تمہارے پاس پہنچا دی جائے گی ——"

ادریس تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔

○

شام سے کافی دیر قبل ہی ادریس کے پاس کام کرنے والے جوان پہنچ گئے تھے۔ لکڑی بانے والے کاریگر بھی صمام نے اس کے پاس پہنچا دیئے تھے۔ اس کے علاوہ بستی کے چار قریب جوان ہرثمہ کی سرکردگی میں جنگل سے لکڑی کاٹنے جا چکے تھے۔ بستی کا ہر شخص مصروف تھا۔ جیسے ان میں کسی نے نئی روح پھونک دی ہو۔

تھوڑی دیر تک ادریس کے ساتھ کام کرنے کے بعد صمام نے پوری بستی کا ایک اور شام سے ذرا پہلے وہ اپنے گھر داخل ہوا۔ اپنی ماں کے پاس جا کر وہ بیٹھا ہی تھا دروازے پر کسی نے دستک دی۔ ثعلب دروازہ کھولنے کے لیے اُٹھا۔ صمام اپنی ماں اور ساتھ باتیں کرنے لگا تھا۔

ثعلب جب باہر سے ہو کر واپس لوٹا تو کچھ بدلا بدلا سا تھا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی اور رنگ تھا۔ پیشانی پر غم اور فکر کی لکیریں خاصی نمایاں ہو گئی تھیں۔ لگاتار تک وہ صمام کو غور سے گھورتا رہا۔ پھر بوجھل سی آواز میں اس نے صمام سے پوچھا۔

"تم نے آج پھر یہودیوں کے کچھ آدمی قتل کیے ہیں"؟

صمام ماں کے پاس ہی کھڑا ہو گیا۔

"ہاں بابا! وہ اسماء کو اُٹھا کر لے جانا چاہتے تھے۔ کیا سردار نے تمہیں نہیں
ثعلب کے چہرے پر خشونت کا رنگ اور گہرا ہو گیا تھا۔
عزیہ اور حویرہ اس کی یہ حالت دیکھ کر کانپ گئی تھیں اور دونوں کھڑی
عزیہ نے صمام کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔
ثعلب بڑی تیزی سے لکڑی کے ایک صندوق کی طرف بڑھا۔ جلدی جلدی
اور میان میں بند ایک تلوار باہر نکالی۔ وہیں کھڑے کھڑے اس نے تلوار کو اُلٹ پلٹ
پھر ایک جھٹکے کے ساتھ اس نے تلوار بے نیام کی۔ وہ چمکتی ہوئی ایک بھاری تلوا
اسے ہوا میں لہرا لہرا کر دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ آہستہ صمام کی طرف بڑھا۔
عزیہ کچھ سوچ کر خوف سے کانپ گئی۔ اپنی جگہ سے فوراً اُٹھی اور
سامنے کھڑے ہوتے ہوئے ثعلب سے کہا۔
"میرے بچے کو تم نے کچھ کہا تو بہت بُرا ہوگا"
صمام ماں کے شانوں پر ہاتھ رکھے معصوم سا کھڑا تھا۔ ثعلب اس کے
تلوار پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کی دھار کا جائزہ لینے لگا تھا۔ حویرہ اس کی اس حرکت
زدہ سی ہو گئی تھی۔ فوراً اُٹھ کر وہ صمام سے لپٹ گئی اور ثعلب کی طرف دیکھتے
"بابا! اچھی پر آپ نے ہاتھ اٹھایا تو میں آپ سے نہیں بولوں گی"۔
ثعلب نے چند قدم اور آگے بڑھ کر کچھ کہنا چاہا مگر زبان اس کا ساتھ
سکی۔ صمام کی طرف دیکھتے ہوئے جانے کس خیال سے اس کی پلکیں بھیگ گئی
آنسوؤں کے دو موٹے موٹے قطرے اس کی آنکھوں سے گرے اور زمین میں
گئے۔ مگر جلد ہی اس نے اپنی آنکھیں عمامے کے پلو سے خشک کر لیں اور سر کو
دیتے ہوئے کسی قدر ملائمت سے کہا۔
"صمام! باہر یہودی اپنے ساتھیوں کے خون کے عوض میں تمہیں مانگنے
ہیں۔ وہ لڑے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ کیا تم ان کے ساتھ ——————
رُک گیا۔

پھر کہا "وہ تعداد میں تین ہیں"۔
صمام نے اس کی ڈھارس بندھائی۔
"آپ فکر نہ کریں بابا! میں ہر یہودی کی پیشانی پر شکست کا داغ لگا دوں گا۔ میں ان
دوں گا۔ ثعلب بن مغیرہ کا بیٹا بزدل نہیں ہے۔
ثعلب نے زبردستی مسکراتے ہوئے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تلوار صمام کی طرف بڑھا دی۔
"آج سے چالیس برس پہلے میرے باپ نے مجھے یہ تلوار دی تھی۔ اس وقت میری عمر
س کی تھی اور ڈیل ڈول میں بالکل تم جیسا تھا۔ میں نے اس تلوار کے ساتھ بیسیوں قبائلی
ں میں حصّہ لیا۔ مگر کبھی اس پر نشان تک نہ پڑا۔ باپ دادا کی یہ امانت آج میں تمہارے
رتا ہوں"۔
صمام نے تلوار لی اور جب وہ باہر جانے کے لیے مُڑا تو ثعلب نے اسے روک لیا۔
"ٹھہر جاؤ صمام!"
واپس مُڑتے ہوئے وہ پھر رُک گیا۔
عزیہ اور حویرہ بڑی حیرت سے چُپ چاپ یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔
ثعلب پھر اس صندوق کی طرف بڑھا اور اس میں سے ایک چمکتی ہوئی زرہ مضبوط
اور ایک بڑی اور بھاری سی ڈھال نکال کر پھر واپس آیا۔ مُنہ سے کچھ کہے بغیر وہ آگے
چُپ چاپ صمام کو زرہ پہنانے لگا۔ عزیہ اور حویرہ بھی اس کام میں اس کی مدد کرنے
ں کے بعد ثعلب نے اس کے سر پر آہنی خود رکھا پھر اس کے ہاتھ میں دی تلوار
ے وہ پکڑ کر اسے باہر لایا۔ عزیہ اور حویرہ بھی ساتھ ساتھ تھیں۔
باہر یہودی بڑی بے تابی سے انتظار کر رہے تھے۔ جعفر اور اسماء بھی اپنے مکان
ڑے تھے۔ ان کے قریب ہی حنیفہ اور سلیمان بڑی حیرت سے سارا منظر دیکھ رہے
ل میں بستی کے کچھ مسلح جوان بھی جمع ہو گئے تھے۔ وہ جعفر کے اشارے پر یہودیوں
ے لیے بالکل تیار کھڑے تھے۔
اسی لمحہ ثعلب کے اپنے گھر کا دروازہ کھولا اور مسلح صمام کو بازو سے پکڑ کر باہر

نکالتے ہوئے یہودیوں سے کہا۔

"میں نے شیر کو اس کی کچھار سے باہر نکال دیا ہے۔ تم میں اگر ہمت ہے کرلے جاؤ"۔ اس نے صمام کو ان کے عین سامنے کھڑا کر دیا تھا۔

ایک یہودی غصّے میں بپھر گیا اور تلوار بے نیام کرتے ہوئے ثعلب کی طرف سؤر کی طرح چلّایا۔

"فریب کار بوڑھے! تم نے ہمیں دھوکا دیا ہے۔ تم نے اسے مسلح کر کے ہے۔ میں تمہیں جان سے مار دوں گا"۔

یہودی جب ثعلب کی طرف بڑھا تو صمام خونخواری سے گرجا۔

"ذلیل کتے! میرے سامنے میرے ہی خون پر حملہ"۔

پوری قوت سے صمام نے اپنی ڈھال اس یہودی کے منہ پر دے ماری خون آلود ہو گیا اور وہ چکرا کر ایک طرف گر گیا تھا۔ دوسرے دو یہودی بھوکی گدھو اس پر ٹوٹ پڑے تھے۔ گلی میں کھڑے جنید اور سلیمان اپنی تلواریں سونت کر اُن کے پیچھے پیچھے بستی کے دوسرے جوان بھی اپنی تلواریں بے نیام کر چکے تھے۔

جب وہ ذرا قریب آئے تو ثعلب نے انہیں آگے بڑھنے سے روک دیا غضبناک ہو کر اعتراض کیا۔

"مت روکو انہیں ثعلب! بڑھنے دو انہیں آگے۔ اس نے ہاتھ کے سے پھر سب کو آگے بڑھنے کو کہا۔

جنید آگے بڑھ کر جھپٹنا ہی چاہتا تھا کہ ثعلب غصّے میں زور سے چلّایا

"رُک جاؤ۔ کوئی بھی آگے نہ بڑھے"۔

سب رُک گئے۔

جعفر نے خشمگین نگاہوں سے ثعلب کی طرف دیکھا۔

اسمار کی نگاہوں میں بھی گلہ اور شکایت کا اظہار تھا۔

عزیہ اور حویرہ بھی اداس ہو گئی تھیں۔

ثعلب کی پھر جوش و خروش میں ضبط کی ہوئی کانپتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"بستی کے تین ہزار جوانوں کا سالار اگر صرف تین یہودیوں سے اکیلا مقابلہ نہیں کر سکتا اس عظیم منصب کا قطعاً حقدار نہیں۔ یہ عہدہ پھر کسی اور اس سے بہتر اور شجاع جوان کو دینا چاہیے تاکہ وہ بستی کی حفاظت اس سے بہتر طور پر کر سکے"۔

جعفر خاموش ہو گیا تھا۔

جنید اور سلیمان کے سر جھک گئے تھے۔

اسمار، عزیہ اور حویرہ پر بھی خاموشی طاری ہو گئی تھی۔

دونوں یہودی لگاتار صمام پر بڑے خوفناک حملے کر رہے تھے۔ جیسا یہودی بھی اُٹھا اور ان قدرے سست روی سے اپنے ساتھیوں کے پہلو بہ پہلو صمام پر وار کرنے لگا مگر صمصام النیّن بھی کسی شیر کی طرح بپھر گیا تھا۔ اس کے پاؤں آگے پیچھے اور دائیں بائیں بڑے سجیلے انداز میں حرکت کر رہے تھے۔ اس کی تلوار بار بار بڑی تیزی سے فضا میں لہرا لہرا کر تینوں یہودیوں کے وار کا جواب دینے کے علاوہ حملہ آور بھی ہو رہی تھی۔

اس کی ڈھال ہر بار خوفناک آوازیں نکالتی ہوئی دشمن کی تلواروں کو پیچھے دھکیلنے لگی بار بار بے پناہ خشونت اور وحشت کا مظاہرہ کرتا ہوا یہودیوں پر جھپٹ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں برق جیسی جولانی تھی اور جسم میں عقاب کی سی پھرتی آ گئی تھی۔ وہ بپھر گیا تھا۔

اس کی نگاہوں میں انتقام کی لہریں تھیں۔

وہ دیوانہ وار حملہ آور ہو رہا تھا۔

اس طرح ——— جیسے ——— جیسے وہ ہمہ سوز سموم کے جھونکوں سے گمراہ کن آندھی، گرجتے رعد اور کوندتی برق کا کوئی بہت بڑا طوفان کھڑا کر دے گا۔

وہ بڑے مطمئن انداز میں اپنے چاروں طرف حملہ آور ہو رہا تھا۔

ثعلب اس کے حملوں سے مطمئن تھا۔

جنید کی چھاتی تن گئی تھی۔

جنید اور سلیمان کی تلواروں پر گرفت بے حد مضبوط ہو سکی تھی۔

اسماء، عزیہ اور حویرہ صمام کی کامیابی کے لیے دل ہی دل اور آنکھوں ہی میں دعا مانگ رہی تھیں۔

فضا میں یک لخت ایک چیخ بلند ہوئی اور ایک یہودی خون میں نہایا ہوا لوٹ لوٹ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ اس کا پیٹ پھٹ گیا تھا اور انتڑیاں باہر نکل آئی تھیں کے کراہنے کی آواز سن کر کافی لوگ گلی میں جمع ہو گئے تھے۔ ابھی زیادہ دیر نہ گزر وہی یہودی جس کے منہ پر صمام نے شروع شروع میں اپنی ڈھال ماری تھی اس کی تا شکار ہو کر اپنے ساتھی کے قریب ہی گر گیا۔

اب مقابلے میں صرف ایک یہودی ہی رہ گیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو ایک اور بپھرے ہوئے دشمن کے مقابل تنہا پا کر خوفزدہ سا ہو گیا تھا۔

اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔

بازو شل ہو چکے تھے۔

اس کے حملوں میں اب پہلے سی تیزی نہ رہی تھی تاہم اپنے دفاع کی کر رہا تھا۔

مگر صمام کے حملوں میں پہلے سے بھی کہیں زیادہ تندی اور اُبال آ گیا تھا۔ اکیلے وہ کتوں کی طرح اپنے آگے آگے بھگا رہا تھا۔ یہودی نے بار بار جنبا چاہا مگر کامیاب نہ ہو صمام کی دو دھاری تلوار کی چمک میں اسے اپنی موت صاف دکھائی دے رہی تھی۔

وہ بھاگ جانا چاہتا تھا مگر ایسے خطرناک دشمن سے بھاگ نکلنا بھی تو آسان اور عین اس لمحے جب کہ وہ پیچھے ہٹ رہا تھا۔ صمام نے اپنی ڈھال اس کے شانے ماری۔ یہودی اپنا توازن کھو بیٹھا اور لڑکھڑانے لگا۔ صمام کی تلوار بلند ہو کر جھکی اور یہو خون میں نہلا گئی۔ فضا میں ایک مہیب چیخ بلند ہو کر فضا کو کربناک بناتی ہوئی معدوم گئی تھی۔

حویرہ بھاگ کر صمام سے لپٹ گئی تھی۔ عزیہ نے اس کے سر سے خود

ی تھوم لی۔ ثعلب نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا تھا۔ جعفر اور اسماء مسکرا رہے جنید، سلیمان اور ب کے دوسرے جوانوں کے سر اُونچے ہو گئے تھے۔ بستی کا بوڑھا صمام کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گیا تھا۔ اسماء، عزیہ اور حویرہ بھی اس کے ساتھ تھیں۔

ثعلب، جنید اور سلیمان بستی کے جوانوں کے ساتھ مل کر یہودیوں کی لاشوں کو نے لگانے کا بندوبست کرنے لگے تھے۔

شام کی سیاہی پھیل چکی تھی۔ اندھیرے ہر سو ڈنڈنا رہے تھے۔ صحرا کی طرف والی ہوائیں کھجور کے گھنے اور تناور درختوں سے ٹکراتی ہوئی دلفریب اور خوش کن سرسر پیدا کرنے لگی تھیں۔ دُور دُور تک پھیلے ہوئے سفید صحرا کے سپاٹ سینے پر کہیں کہیں اور نخلستانوں میں روشنی کے نشانات تاریک رات کے مسافروں کی راہنمائی اور عرب اگر کا سماں پیدا کر رہے تھے۔

ایسے سے عزیہ صحن کے ایک طرف کھانا پکا رہی تھی۔ ثعلب بھی اس کے بیٹھا تھا۔ حویرہ بکریوں کا دودھ دوہ رہی تھی اور صمام اپنے گھوڑے کے آگے گھاس رہا تھا کہ اسماء اندر آئی اور عزیہ سے پوچھا۔

"صمام کہاں ہے خالہ!"

عزیہ نے صحن میں ایک طرف اشارہ کیا۔

"وہ کھڑا ہے اپنے گھوڑے کے پاس۔"

صمام نے بھی سُن لیا تھا۔ لہٰذا وہ ادھر ہی آگیا۔ اسماء اسے دیکھتے ہی بولی۔

"صمام! بابا تمہیں بُلا رہے ہیں۔"

"کیوں"؟ وہ اس سے قریب ہو کر بولا۔

اسماء نے شوخی سے کہا۔

"بس بُلا رہے ہیں۔ کیوں کا کیا مطلب ہُوا"

صمام ماں کی طرف بڑھ گیا۔

"تم چلو میں کھانا کھا کر آتا ہوں۔"

اسماء کی باتوں میں چاہت آمیز ضد نمایاں تھی۔

"اوں ہوں۔ ابھی میرے ساتھ چلو۔ کھانا بھی وہیں کھانا ہوگا۔"

"ضروری ہے کیا؟"

"ہاں۔ بابا تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

صمام ہار مان گیا۔

"چلو پھر۔"

اسماء خوش ہو گئی۔

دونوں ایک ساتھ باہر نکل گئے۔

جعفر اور سلیمان صحن میں چٹائی پر بیٹھے تھے۔ صمام بھی ان کے پاس جا بیٹھا اسماء اب اُن کے سامنے کھانے کے برتن رکھ رہی تھی۔ صحن میں دیواروں پر چار مشعلیں روشن تھیں۔ جن کے باعث پورا مکان روشنی سے جگمگا اٹھا تھا۔ اسماء آج خوشی سے جھوم جھوم کر صحن میں اِدھر اُدھر کام کر رہی تھی۔

وہ خوش تھی بے انتہا۔

لہرا لہرا کر کام کر رہی تھی جیسے اس کی امیدیں جھم جھما اٹھی ہوں۔

اُڑتی پھر رہی تھی جیسے جنگل میں ٹھنڈی ہواؤں کی طرح۔

بالکل مگن تھی ایک انوکھی ترنگ میں ——— جیسے وہ بکھرتی بکھرتی مجتمع ہو گئی ہو۔

وجہ؟

شاید اسے ہی معلوم ہو۔ یا وہ خدا جانے جو کریم احد اور علیم و بصیر ہے۔

کھانے کے بعد صمام گلی کرنے کے لیے اٹھا۔ اسماء بھی پانی کے برتنوں کے پاس کھڑی تھی۔ وہ ہلکی سی مگر گہری اور معنی خیز مسکراہٹ اپنے گلاب کی پتیوں کے سے لبوں پر بکھیرتی ہوئی بولی۔

"ابھی جانا نہیں۔ اُدھر ہی چل کر بیٹھو"۔۔۔۔۔۔ آواز ایسی تھی جیسے صحرا میں سحر مزا میری اُٹھ کھڑا ہوا ہو۔ صمام نے بھی اس کی طرف دیکھتے ہوئے شوقِ مفروط میں کہا۔

"اچھا جی"۔

اسمار کی آواز لذتِ کشش نغمگی کی طرح پھر بلند ہوئی۔

"جی ہاں"۔

صمام پھر چٹائی پر جا کر بیٹھ گیا تھا۔ اسمار ان کے سامنے ایک برتن میں کھجوریں رکھ گئی۔ جعفر جو ابھی تک خاموش ہی بیٹھا تھا صمام سے مخاطب ہوا۔

"صمام! میں ادریس کے پاس گیا تھا۔ کام تو اچھی رفتار سے ہو رہا ہے۔ لکڑی بھی اس کے پاس پہنچ گئی ہے۔ تم گئے تھے اس کے پاس کیا؟"

صمام نے کھجور کی گٹھلی پھینکتے ہوئے کہا۔

"میں ایک بار تو اس کے پاس شام سے ذرا قبل گیا تھا۔ اب پھر جاؤں گا"۔

جعفر اُٹھ کھڑا ہوا۔

"چلو پھر دونوں چلتے ہیں"۔

"چلئے وہ بھی کھڑا ہو گیا"۔

اسمار نے بھی انہیں اٹھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ جعفر جب صمام کے ساتھ اس کے پاس سے گزرنے لگا تو اس نے رنجیدگی سے پوچھا۔

"کہاں جا رہے ہو بابا!"

جعفر نے باہر نکلتے ہوئے بڑے پیار سے کہا۔

"میں ذرا ادریس لوہار کے ہاں جا رہا ہوں"۔ پھر اس نے سلیمان کی طرف دیکھا۔

"تمہارے پاس سلیمانی ہے نا؟"

اسمار نے شکایت آمیز انداز میں کہا۔

"واپس جلدی آ جائیں گے نا؟" اسمار کی آواز میں ایک سریلی سوز اور ابدی ستار تھا

"بس میں ابھی کے ابھی آیا"۔ صمام کے ساتھ وہ تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔

بستی کے بازار سے گزرنے کے بعد جب وہ ایک گلی میں داخل ہوئے تو جعفر نے ذرا تجسس کے انداز میں پوچھا۔

"صمام وہ جو تم لکڑی کے تختے بنا رہے ہو۔ ان کی افادیت میری سمجھ میں نہیں آئی۔ کیا ان کا بنوانا ضروری ہے؟"

"جی ہاں"۔ صمام نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"لیکن ان کا کرو گے کیا؟"

"جب وقت آئے گا آپ خود ہی سمجھ جائیں گے"۔

"تمہارے اس راز سے مجھے ایک جستجو سی لگی رہے گی۔ اگر تم بتا سکو تو میں اس کے متعلق کچھ جاننا بے حد پسند کروں گا"۔

صمام نے سرگوشی کے انداز میں کہنا شروع کیا۔

"یہودیوں کے ساتھ ہماری جنگ اگر چھڑے۔ میدان میں ہوئی تو ہر جوان کو لکڑی کا ایک ایک تختہ دے دیا جائے گا۔ جنگ سے پہلے سب جوانوں کو پانچ صفوں میں کھڑا کر دیا جائے گا فوراً فرداً جنگ کے دوران ہر جوان اپنے آگے لکڑی کا وہ تختہ گاڑ لے گا۔ پہلی صف آگے کھڑی رہے گی اور ان کے حصے کے تختے دوسری صف کے جوان اپنی اصلی جگہ سے کچھ آگے گاڑ کر پھر اپنے خنوں کے پیچھے آ کر کھڑے ہو جائیں گے۔ پہلی صف اس لیے کھڑی رہے گی تاکہ یہودیوں کو اس انتظام کا پتہ نہ چل سکے"۔

صمام ذرا رُک کر پھر کہنے لگا۔

"جب انفرادی جنگ ختم ہو جائے گی اور یہودی آگے بڑھ کر ہمارے تیروں کی زد میں آ جائیں گے تو پہلی صف بھی اپنے لکڑی کے تختوں کے پیچھے جا بیٹھے گی اور دشمن پر تیروں کی بوچھاڑ کر دے گی۔ اس طرح ہم اگلی کئی صفوں کو اُلٹ کر رکھ دیں گے اور اگر انہوں نے جواب میں تیر برسائے تو وہ کارگر ثابت نہ ہوں گے۔ کیونکہ ان کے سب تیر لکڑی کے تختوں میں پیوست ہو کر رہ جائیں گے اور ان کے پیچھے بیٹھے ہوئے ہمارے جوان بالکل محفوظ رہیں گے اور یوں یہودیوں پر قابو پانا ہمارے لیے کافی سہل ہو جائے گا۔ ان کی تعداد

خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوئی ہمارے اس طریقۂ جنگ کے سامنے وہ جم نہ سکیں گے۔"

صمام نے جعفر کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

"کیا یہ تجربہ بتانا اب ضروری نہیں؟"

جعفر خوش ہو گیا اور صمام کی پیٹھ تھپتھپائی۔

"تمہاری یہ خردمندی واقعی قابلِ تعریف ہے۔ تمہارے اس دفاعی طریقے سے میں بے حد متاثر ہوا ہوں۔ لات دعویٰ تمہاری مدد کریں اور تم ہر مقصد اور مہم سے کامیاب اور کامران لوٹو۔ میں خوش ہوں کہ بستی کی حفاظت کی ذمہ داریاں میں نے جس شخص کو سونپی ہیں وہ اس کام کی پوری اہلیت رکھتا ہے۔"

صمام پھر بولا۔

"لیکن اس کے سوا کوئی چارہ نہیں سردار! یہودی اپنی دوسری بستیوں سے بھی مدد حاصل کریں گے۔ لڑائی میں کم از کم بھی ان کے سات ہزار جوان حصّہ لیں گے ہمیں صرف اپنے ہی وسائل میں رہ کر ان کے ہر حربے کو ناکام بنانا ہوگا۔ آپ بے فکر مطمئن رہیں۔ میں بستی کی نخون پسینے سے جمع کی ہوئی رقم کسی بے کار اور ناتمام انتظام کی نذر نہیں ہونے دوں گا۔"

جعفر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"تم غلط سمجھ رہے ہو بیٹا! مجھے تم پر اعتماد ہے۔ تم جتنی بڑی رقم بھی طلب کرو گے میں انکار نہیں کروں گا۔ میرے لیے تمہارا ہر فیصلہ آخری اور قطعی ہے۔"

○

دونوں باتیں کرتے ہوئے ادریس بن مالک کے ہاں داخل ہو گئے۔ اندر بڑے زور سے کام ہو رہا تھا۔ گھر سے باہر مشعلوں کی روشنی میں بے شمار جوان لکڑی چیرنے میں لگے تھے۔ ادریس بن مالک اپنے چھوٹے بھائی مزید بن مالک اور بستی کے دوسرے کاریگروں کے ڈھالیں، تلواریں اور تیر بنا رہا تھا۔ ایک طرف صحن میں لکڑی کا کام جاننے والے تختے بنا رہے تھے۔

صمام نے ایک تختہ اٹھا کر دیکھا اور اس کا جائزہ لینے لگا۔

کام کرتے ہوئے ایک کاریگر نے پوچھا۔

"کیا یہ ٹھیک نہیں۔ ادریس نے ہمیں ایسا ہی بنانے کو کہا تھا۔"

صمام نے تختہ رکھ دیا۔ "بالکل ٹھیک ہے بس اسی طرح کے بناتے جاؤ۔"

کچھ دیر تک انہوں نے ادریس کے کام کا جائزہ لیا اور اس سے باتیں کرتے رہے پھر وہ صحن سے باہر لکڑی چیرنے والوں کے پاس آ کھڑے ہوئے اور ان کے کام کی رفتار کا جائزہ لینے لگے۔

کچھ دیر بعد جعفر نے صمام سے قریب ہوتے ہوئے ہلکے سے کہا۔

"آؤ چلیں صمام!"

صمام نے زمین پر پڑا ہوا ایک کلہاڑا اٹھا لیا۔ "میں یہیں رہوں گا آپ جائیں۔"

"کیوں؟"

"میں کام میں ذرا جوانوں کا ہاتھ بٹاؤں گا۔"

"تو میں پھر جاؤں۔"

"ہاں آپ جائیے۔"

جعفر واپس مڑا۔ ابھی وہ گلی میں چند قدم ہی بڑھا تھا کہ صمام نے اسے پکارا۔

"سنیئے!"

جعفر مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگا ——— "کہو۔"

"بابا سے کہہ دینا کہ آج رات میں گھر نہیں آؤں گا۔"

"تو کیا پوری رات یہیں کام کرو گے۔"

"جی ہاں۔"

جعفر آگے بڑھ گیا۔ صمام نے کلہاڑا فضا میں لہرایا اور بڑی تیزی سے لکڑیاں کاٹنے

القطر میں بڑے زور شور کے ساتھ جنگ کی تیاری شروع ہوگئی تھی۔ جعفر کی باہر والی حویلی میں بستی کے سب جوانوں کو صمام، جنید، ہشمہ اور سلیمان تربیت دیتے تھے اور جعفر کے سکونتی گھر کے صحن میں بستی کی سب عورتوں کو خود جعفر اور ثعلب لڑنے کی تربیت دینے لگے تھے۔ زخمیوں کو مرہم پٹی کرنے کی تربیت صمام کی ماں عزیہ کے ذمہ تھی۔

ایک روز تربیت میں وقفے کے دوران صمام گھر آیا اور کھجوروں کے سائے تلے کر کمر سیدھی کرنے لگا۔ ثعلب اور عزیہ جعفر کے گھر عورتوں کو تربیت دے رہے تھے۔ اتنے میں حویرہ گھر میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں دو مشکیزے تھے۔ صمام کے پاس ہوتے ہوئے اس نے بڑی چاہت سے پوچھا۔

"اخی! شہد کھائیں گے؟"

صمام نے سر اٹھا کر غور سے اس کی طرف دیکھا۔

"کہاں سے اور ان مشکیزوں میں کیا ہے؟"

"ایک میں گھی ہے اور دوسرے میں شہد۔"

"کہاں سے لائی ہو؟"

"اسمار باجی نے دیے ہیں۔"

صمام خفا ہو گیا۔

"کیوں لیے ہیں تم نے؟"

حویرہ بچاری کچھ ماند پڑ گئی۔

"اس نے زبردستی دیے ہیں مجھے۔ میں تو نہیں لیتی تھی اخی!"

"جاؤ واپس کر آؤ جا کر۔" صمام نے برہم ہو کر کہا تھا۔

حویرہ بچاری شرمندہ سی ہو کر باہر نکل گئی۔ صمام پھر اپنے کام میں لگ گیا تھا۔

ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اسمار غصے کی حالت میں حویرہ کو اپنے ساتھ لے کر آئی اور صمام کے پاس کھڑے ہو کر سختی سے پوچھا۔

"صمام! یہ مشکیزے تم نے کیوں واپس کیے ہیں؟"

صمام نے اس کی طرف دیکھے بغیر ہی کہا۔

"میری مرضی میں کسی کے آگے جواب دہ تھوڑا ہی ہوں۔"

"تمہاری مرضی اب نہیں چلے گی یہاں۔"

"تو پھر کسی اور کی بھی نہیں چلے گی۔"

"تم مشکیزے نہیں لو گے کیا؟"

"کس کے لیے بھجوائے ہیں تم نے؟"

"تمہارے لیے۔"

"پھر میں نہیں لوں گا۔"

اسمار کا چہرہ غصے میں سرخ ہو گیا تھا۔

"پھر سوچ لو۔"

"اول ہوں۔ اس میں سوچنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"ابھی موقع ہے۔"

"جاؤ اسمار اپنا کام کرو جا کر۔" اسے ٹالنے کی کوشش کرتے ہوئے صمام نے کہا تھا۔

اسمار نے حویرہ سے ایک مشکیزہ لیا اور زمین پر اُلٹ دیا۔ ابھی تھوڑا سا شہد ہی نکل کر گرا تھا کہ صمام نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"یہ کیا؟"

اسمار نے دوسرا مشکیزہ بھی اُلٹنا چاہا مگر صمام نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔

اسمار غصے میں اپنے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرنے لگی تھی۔ صمام نے ڈانٹ کے

انداز میں کہا۔

"اسماء!"

اس نے اپنے ہاتھ چھڑانے کی کوشش ختم کر دی اور اپنی خوبصورت ہرنی کی سیاہ آنکھیں صمام کے چہرے پر گاڑ دیں۔ صمام نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ اب اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے موٹے موٹے قطرات اُمڈ آئے تھے۔ صمام نے اس سے مشکیزے لے لے کر حویرہ کو تھما دیئے۔

"جاؤ حویرہ انہیں اندر رکھ آؤ۔"

حویرہ مشکیزے لے کر اندر چلی گئی۔

صمام اسماء کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے پیار سے بولا۔

"رو رہی ہو اسماء؟"

اس نے اپنی آنکھیں جھکا لیں اور آنسوؤں کے دو موٹے موٹے قطرے اس کے جوتوں پر گر کر جذب ہو گئے۔

صمام کچھ بیتاب ہو گیا۔

"اسماء!"

وہ کہیں دُور سے بولی۔

"جی!"

"ناراض ہو گئی ہو؟"

"نہیں۔" اس نے اپنی پلکیں موند لی تھیں۔

"چلو اندر حویرہ کے پاس چلی جاؤ۔"

اسماء نے غصے سے کہا۔

"میں نہیں جاؤں گی۔"

"کیوں؟"

"تم نے مشکیزے لینے سے کیوں انکار کیا۔"

"اب تو لے لیے ہیں نا۔ اب تو ناراضگی چھوڑ دو۔"

اسماء نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"اچھا میں نے اپنے الفاظ واپس لیے۔"

اسماء کے یاقوتی ہونٹوں پر دبی دبی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

صمام بھی خوش ہو گیا۔

"اب تو ناراض نہیں؟"

"نہیں" ——— ہلکے سے اس نے کہا۔

"جاؤ اندر حویرہ کے پاس چلی جاؤ" ——— اسماء چپ چاپ وہاں سے ہٹی اس کمرے میں چلی گئی جس میں حویرہ مشکیزے لے کر داخل ہوئی تھی۔

○

اسماء جونہی حویرہ کے پاس جا کر بیٹھی۔ حویلی کے بیرونی دروازے پر کسی نے دستک دی صمام اُٹھ کر باہر نکل گیا۔ اسماء نے کچھ دیر تک اندر بیٹھ کر اس کا انتظار کیا کہ شاید وہ بھی آ جائے مگر کافی دیر تک وہ اندر نہ آیا تو اسماء اُٹھ کر باہر آئی۔ حویرہ بھی اس کے ساتھ تھی۔

صمام صحن کے ایک طرف کھڑا اپنے گھوڑے پر زین ڈال رہا تھا۔

اسماء نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"کہاں جا رہے ہو صمام!"

صمام زین ڈال چکنے کے بعد گھوڑے کو دھانہ چڑھا رہا تھا۔

"صدف کے زبیر بن قیس نے بلایا ہے۔"

اسماء اور زیادہ متفکر ہو گئی۔

"کہاں؟"

"صحرا کی وسطی سرائے میں۔"

"مگر کیوں بلایا ہے۔" اسماء کی آواز تفکر و اندیشوں سے بھرپور تھی۔

"کوئی کام ہو گا۔"

اسماء نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔

"یہ ضرور کوئی چال ہے میں تمہیں نہیں جانے دوں گی۔"

صمام نے اپنے گھوڑے کی پیٹھ تھپتھپائی۔

"نہیں۔ وہ میرا دوست ہے۔ میرے ساتھ وہ دھوکا نہیں کرے گا۔ اس ہماری ہی بہتری ہوگی۔"

اسماء بچاری نے گھوڑے کی باگ چھوڑ دی اور ایک طرف ہٹ کر خاموش

_____ حویرہ نے بھی تائید کی۔

"اخی! پھر بھی خیال رکھنا۔ کہیں صدف والے آپ سے دھوکہ نہ کریں

صمام نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"تم کوئی فکر نہ کرو۔ میں غافل نہیں ہوں۔ وہ میرا دوست ہے اور مجھے دے گا۔"

صمام نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کمند گھوڑے کی زین سے باندھی۔ پھر گھر سے اور بستی کی حدود سے نکل کر اس کا گھوڑا سرائے کی سمت صحرا میں سرپٹ دوڑ رہا تھا

○

چہرے پر نقاب ڈالے وہ سرائے میں داخل ہوا۔ دائیں طرف کھجور کے تنوں سے ہوئے چھپریلے کچھ گھوڑے بندھے تھے۔ بائیں طرف کچھ یہودی اور عرب اندھا دھند رہے تھے اور ان سے آگے بے شمار لوگ بیٹھے جُوا کھیل رہے تھے۔ نقاب ہٹاتے نے ادھر اُدھر دیکھا۔ زبیر بن قیس ایک کونے میں اکیلا بیٹھا حجو کی شراب پی رہا تھا چاپ اس کے سامنے جا بیٹھا۔ زبیر کے کہنے پر سرائے کا ملازم صمام کے لیے بھی شرا جسے وہ غٹا غٹ پی گیا۔

کچھ لوگوں کی توجہ ان کی طرف ہوگئی تھی۔ لہٰذا زبیر نے صمام کو آنکھ ماردی گرد بیٹھے ہوئے لوگوں کو سُنانے کی خاطر اس نے ذرا زور سے کہا۔

"کھیلو گے۔"

صمام نے بھی نقدی کی تھیلی میز پر رکھ دی۔

"ضرور کھیلوں گا۔"

لوگوں کی توجہ ہٹانے کی خاطر دونوں یونہی جوا کھیلنے لگے۔ اردگرد بیٹھے سب لوگ جب اپنے اپنے کام میں کھو گئے تو صمام نے سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔

"کیا بات ہے مجھے کیوں بُلایا ہے؟"

زبیر نے پہلے اطمینان کی خاطر اپنے گرد و پیش دیکھا پھر رازدارانہ کہا۔

"یہودی عنقریب تمہاری بستی کو ایک بہت بڑی جنگ کی دعوت دینے والے ہیں۔ ں نے سوچا تمہیں کچھ دن پہلے ہی بتا دوں تاکہ تم اپنی تیاری مکمل کر سکو۔"

صمام نے بے تابی سے پوچھا۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا؟"

"یہودیوں کے سردار شمعون نے کل بڑے خفیہ انداز میں ہمارے سردار کے پاس اطلاع ی کہ مستقبل میں اگر القطر اور ان کے درمیان جنگ ہو تو صدف والوں کو غیر جانبدار رہنا

"پھر تمہارے سردار نے کیا کہا۔" صمام نے بڑی بیتابی سے پوچھا تھا۔

"اس نے یہودیوں کی یہ شرط مان لی۔"

صمام نے دُکھ سے کہا۔

"بہت بُرا کیا اس نے۔ آخر کب تک یہودیوں کے ہاتھوں عربوں کا خون بہتا ا۔ کاش ہم عرب متحد ہو کر دُنیا کے آخری کونے تک یہودیوں سے زندہ رہنے کی ں چھین لیتے۔"

زبیر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ کاش کوئی دانا، کوئی حکیم، کوئی مصلح، کوئی رہبر ان عربوں کو رے یہ ثابت کر دے کہ تم ایک ایسی صحرانشین قوم ہو جو اگر متحد ہو جائے تو _____ ہ غزال کے پتوں کی طرح منتشر و پراگندہ عربوں پر پاگل کتوں کی طرح جھپٹنے والے

یہودیوں کی پیٹھ ہم شکست سے داغدار کر دیں ۔ یہ ہزاروں میلوں میں پھیلی ہوئی زمین کے گھوڑوں کے آگے سمٹ جائے

اور

یہ صحرا کی سفید اور پیاسی ریت کے ذرات کندن اور سنہری گراؤزبن کر اڑنے لیکن کون سمجھائے اس منتشر اور پراگندہ قوم کو ——— کون ہے جو انہیں منزل کی کرے ۔ ان کا ہاتھ پکڑ کر سیدھے راستے پر لا کھڑا کرے اور انہیں بگولے سے طوفان بنا کر دے ۔ لات و عزیٰ کی قسم مجھے محسوس ہو رہا ہے جیسے یہ قوم اپنے آخری سانس گن رہی وہ دن دُور نہیں جب یہ صحرائے حماد ہمارا قبرستان بن جائے گا ۔"

صمام کی پلکیں بھیگ گئیں اور دُکھ سے کہا ۔

"اس سرزمین کو ایک نئے سورج کی ضرورت ہے جو اپنی سنہری کرنوں کی تپش عربوں کے منجمد خون میں حرارت پیدا کر کے دلوں پر پستی کا جذبہ عیاں کر دے ۔ ایک ایسے کی ضرورت ہے جو اندھیروں میں بھٹکنے والی اس قوم کے لیے روشنی اور رہبری کا سامان کرے لیکن ———

لیکن ——— صمام کی آواز حلق میں اٹک کر رہ گئی ۔

زہیر نے بھی غمگین لہجے میں کہا ۔

"میں نے اپنی بستی میں دو سو کے قریب ایسے جوان تیار کر لیے ہیں جو یہودیوں ساتھ تمہاری جنگ کے دوران یقیناً تمہاری صفوں میں لڑنا پسند کریں گے ۔"

صمام کی آنکھیں چمک اُٹھیں ۔

"تم نے اُنہیں کیسے آمادہ کر لیا ہے ؟"

"یہ ایک بہت بڑا راز ہے ۔"

"وہ کیا ——— ؟ کیا میں اسے جان نہ سکوں گا ۔"

زہیر نے زیر لب مسکراتے ہوئے سرگوشی کی ۔

"ہماری بستی کے سردار کا لڑکا عکرمہ بن اسحاق او تو شیبہ بنت اسحاق اپنے باپ کے ہم خیال ہیں لیکن حقیقت میں وہ تمہاری بستی سے صلح چاہتے ہیں ۔ اپنی بستی میں دو سو کے قریب جو میں نے اپنے ہم خیال پیدا کیے ہیں ان کے سربراہ بھی وہی دونوں بہن بھائی ہیں ۔ میں نے ان دونوں سے تمہارا ذکر کیا تھا ۔ وہ تمہاری بہادری اور شجاعت سے بے حد متاثر ہوئے ہیں اور تم سے ملنے کو بھی کہہ رہے تھے ۔ مجھے اُمید ہے ہماری جماعت میں دن بدن اضافہ ہوگا کیونکہ وہ دونوں بہن بھائی اس جماعت کی تنظیم پر ایک کثیر رقم خرچ کرنے کو تیار ہیں ۔"

صمام کے چہرے پر گہرا سکون تھا ۔

"زہیر! تم نے صحرا میں ایک نئے جذبے کو جنم دیا ہے ۔ تم جیسے وطن پرست نے آگے میرا سر ہمیشہ جھکا رہے گا ۔ ان دونوں بہن بھائیوں سے ملنے کے لیے میں ہر وقت بلا جھجک تیار ہوں ۔"

زہیر خوش ہو گیا اور صمام کا ہاتھ پکڑ کر ہلکے سے دباتے ہوئے کہا ۔

"تو پھر آج رات دو گھڑی گئے وہ دونوں بہن بھائی تمہاری بستی کی حدود سے کل کر ہماری حدود میں داخل ہونے والے راستے کے دائیں طرف ریت کے ایک ٹیلے پر تمہارا انتظار کریں گے ۔ میں بھی ان کے ساتھ ہوں گا ۔ تم وہاں آ جانا پھر سب پہلوؤں پر کھل کر بات ہو جائے گی ۔"

"میں ضرور آؤں گا ۔" صمام نے اعتماد و اشتیاق سے کہا ۔

"تم کتنے دنوں تک جنگ کے لیے اپنی بستی کو تیار کر سکتے ہو ۔"

"حالات نے مجھے پہلے ہی کافی محتاط بنا دیا ہے ۔ لہٰذا میں اپنے وسائل میں آج ہی جنگ کے لیے تیار ہوں ۔"

زہیر حیران و ششدر رہ گیا ۔

"بہت دُور اندیش ہو ۔ میں سمجھتا ہوں تم ان دنوں اپنی جنگی تیاریوں میں کس طرح مصروف ہو گے ۔"

"وقت سب کچھ سکھا دیتا ہے ۔"

"جنگ میں تم کتنے آدمی لا سکتے ہو؟"

"تین ہزار جوان تو ہر وقت مل سکتے ہیں۔ ویسے بدترین حالات میں بستی کی ہزار کے قریب جوان عورتیں بھی دشمن کی صفوں کا منہ توڑ سکتی ہیں۔ میرے باپ اور بستی کے سردار نے انہیں بڑی جانفشانی اور محنت سے تربیت دی ہے۔ ہمارے سردار نے جنگ کی تیاری کے لیے اپنا سارا سرمایہ میرے حوالے کرنے کی پیش کش کی ہے۔ وہ ایک ہمدرد باپ، ایک مخلص سردار اور بوڑھا ہونے کے باوجود ایک جرأت مند سپاہی بھی ہے۔ بستی کے بچے بچے کو اس سے محبت ہے اور ہر کوئی اس پر جان دینے کو تیار ہے۔"

زہیر نے پُر اُمید ہو کر کہا۔

"عربوں کو تم جیسے بیٹوں اور اس جیسے سردار کی سخت ضرورت ہے جو وطن کی بے لوث خدمت کا جذبہ رکھتے ہوں۔ عربوں میں انقلابی رُوح پیدا کرنے کے لیے ہمیں تکلیف دہ دَور سے گزرنا ہوگا اور یہ ہماری غیرت اور وطن پرستی کا سب سے بڑا امتحان ہوگا۔"

صمام کے چہرے پر سنجیدگی پھیل گئی۔

"جب تک میرے جسم میں خون کا آخری قطرہ ہے میں یہودیوں کے خلاف اپنی تلوار بلند رکھوں گا اور ان کے جسم سے سالوس و ریاکاری کے غلاف اتارتا رہوں گا۔"

زہیر کی چھاتی تن گئی تھی۔ اطمینان بخش لہجے میں اس نے کہا۔

"مجھے تم جیسے بہادر اور جفاکش عرب پر فخر ہے۔"

"میری یہ آخری خواہش ہے کہ عرب یہودیوں کے سامنے متحد ہو جائیں۔"

"وہ دن دُور نہیں۔ وقت ضرور ایک کروٹ لے گا۔"

"میں ایسے وقت کا خیر مقدم کروں گا۔"

زہیر نے کھڑا ہونا چاہا۔

"باقی باتیں رات ملاقات پر ہوں گی۔ تم اور شراب پیو گے۔"

صمام نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں میں اس کا اتنا عادی نہیں ہوں۔"

"تو پھر کھیلو گے اِن یہودیوں کے ساتھ؟"

"ہاں!"

دونوں اس تاریک کونے سے اٹھے اور دوسری میزوں پر آ کر یہودیوں سے ملنے لگے تھے۔

سرائے سے اُٹھ کر صمام جب بستی میں داخل ہُوا تو شام ہو گئی تھی۔ بھیڑ بکر ریوڑ اور اُونٹوں کے گلے دُھول اُڑاتے ہوئے بستی میں داخل ہو رہے تھے۔ صمام گھوڑا باندھا اور ابھی وہ اس کے سامنے گھاس ڈال رہا تھا کہ قریب ہی سے کسی نے

"کہاں رہے اتنی دیر؟"

صمام نے مڑ کر دیکھا۔

"اسماء کھڑی مُنہ بسور رہی تھی۔

صمام نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی گھاس گھوڑے کے آگے پھیلا دی۔

"مَیں ابھی ابھی سرائے سے ہی اُٹھ کر آ رہا ہوں۔"

"بابا دو تین بار تمہارا پُوچھ چکے ہیں مگر تم تو ایسے گئے گویا پیچھے اب کوئی کام

"کیوں بُلایا تھا؟"

"کوئی کام ہو گا۔ چلو وہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

"تم جاؤ مَیں آتا ہوں۔"

"کیا کرنے لگے ہو؟"

"بھئی آتا ہوں، کھانا کھا کر۔ تم تو بس پیچھے ہی پڑ گئی ہو۔"

"کھانے پر ہی تو وہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ چلو جلدی کرو۔"

صمام صحن میں بیٹھے ہوئے ثعلب، عزیہ اور حویرہ کی طرف بڑھ گیا

"تم بہت ضِدی ہو جاؤ مَیں آتا ہوں۔"

اسماء نے ثعلب سے شکایت کی۔

"بابا اسے کہو نا چلے میرے ساتھ۔"

ثعلب مُسکرا دیا اور صمام سے کہا۔

"جاؤ بیٹا! جعفر کئی بار تمہارا پوچھ چکا ہے۔ ہو آؤ۔"

صمام نے گھور کر اسماء کی طرف دیکھا۔

"چلو۔"

دونوں جعفر کے پاس آئے۔ وہ صحن میں سر جھکائے نہ جانے کیا سوچ رہا تھا جنید اور سلیمان بھی اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ صمام کو دیکھتے ہی اس نے بے تابی سے پوچھا۔

"اسماء نے مجھے بتایا تھا کہ تم زہیر بن قیس کے پاس گئے تھے، کیا یہ سچ ہے؟"

صمام اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔

"ہاں سردار! اس نے مجھے صحرا کی وسطی سرائے میں بلایا تھا۔"

"لیکن کیوں؟"

"وہ میرا دوست ہے۔ ایک رات صحرا میں یہودیوں کے ہاتھوں مَیں نے اس کی جان بچائی تھی۔ وہ عربوں میں اتحاد چاہتا ہے۔ اس نے آج مجھے یہ بھی بتایا ہے، کہ یہودی عنقریب ہمیں جنگ کی دعوت دینے والے ہیں۔ صدف والوں سے انہوں نے غیر جانبدار رہنے کا عہد لے لیا ہے۔ اس کے علاوہ صدف کے سردار اسحاق کا لڑکا عکرمہ ۔۔۔ تو شبہ بھی عربوں میں صلح اور اتحاد کے علمبردار ہیں۔ ظاہراً وہ دونوں بہن بھائی اپنے باپ کے ہم خیال ہیں لیکن خفیہ طور پر انہوں نے زہیر کی مدد سے دو سو کے قریب جوانوں کی ایک ایسی جماعت تیار کر رکھی ہے۔ جو جنگ کے دوران ہماری مدد کر سکتی ہے۔ انہوں نے آج رات دو گھڑی گئے مجھے دونوں بستیوں کی سرحد پر ملنے کو بھی کہا ہے زہیر ان دونوں بہن بھائی کا پیغامبر بن کر آیا تھا۔"

جعفر نے سنجیدگی سے کہا۔

"اگر یہ دھوکا نہیں تو جس انقلاب کی اُمید میں برسوں سے لگائے بیٹھا ہوں، وہ آن پہنچا ہے۔"

صمام نے اسے یقین دلایا۔

"آپ بے فکر رہیں وہ ہم سے دھوکا نہیں کریں گے۔"

"تم نے ایک اور اہم خبر سنی؟"

صمام نے تشویش سے پوچھا۔

"کیا؟"

"مسلمانوں نے مکہ فتح کر لیا ہے۔ قریش ان سے مات کھا گئے ہیں اور سنا ہے ابوسفیان سمیت سب اہلِ مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ کہ اس پراگندہ قوم کی منزل کس سمت ہے"؟

فتح مکہ کی خبر سن کر جنید اور سلیمان کے چہروں پر بے پایاں مسرت کے جذبات پھیل گئے تھے۔ دونوں نے ایک بار گہری مسکراہٹ سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر فوراً نظریں ہٹا لیں۔

جنید نے اپنی خوشی کو چھپاتے ہوئے کہا۔

"اب تو پھر عرب میں کوئی بھی ایسی طاقت نہیں جو مسلمانوں کا سامنا کر سکے"

سلیمان بھی بولا۔

"سنا ہے ان کے اصول بھی اچھے ہیں۔"

صمام نے فکرمندی سے کہا۔

"یہ مسلمان تو دن بدن پھیلتے ہی جا رہے ہیں۔ میں نے سنا ہے ان میں بے اتفاق بھی ہے۔"

جعفر نے بھی تائید کی۔

"وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جسے وہ اپنا آخری رسول مانتے ہیں۔ اس کی وہ جان کی بازی تک بھی لگانے کو ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔"

صمام نے ایک لمبی آہ بھری۔

"لات و عزیٰ جانیں عربوں کا انجام کیا ہوگا۔"

اسماء نے ان کے سامنے کھانا رکھ دیا اور سب چپ چاپ کھانے لگے تھے۔

○

رات گہری ہو گئی تھی۔ صمام اپنے گھوڑے پر سوار بستی سے نکل کر صحرا میں داخل ہو گیا تھا۔ چاند اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ صحرا کی سفید ریت اور صبیح چاندنی مل کر دلکش سماں باندھ رہے تھے۔ ریت کے ٹیلے اس وقت چاندنی میں ایک طلسم پیش کر رہے تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا گویا چہار سو کسی نے چاندنی ہی چاندنی بکھیر دی ہو۔

صدف کی طرف جانے والے راستے پر صمام اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑا رہا تھا۔ دونوں بستیوں کی سرحد کے قریب اسے گھنٹیوں کی آواز سنائی دی۔ وہ رُک کر اپنے دائیں طرف دیکھنے لگا۔ اونٹوں کی ایک لمبی قطار مغرب کی سمت جا رہی تھی۔ شاید کوئی تجارتی قافلہ تھا جو صحرا کے ٹیلوں کو روندتا ہوا بڑی سرگرمی سے اپنی منزل کی طرف رواں تھا۔

صمام کچھ اُداس ہو گیا اور فضاؤں میں کھو سا گیا۔ شاید اسے اپنا وہ وقت یاد آ گیا تھا۔ جب وہ اسی طرح قافلے کی رہنمائی کرتا ہوا جایا کرتا تھا۔ افسردہ سا وہ آگے بڑھنے لگا۔ اب وہ دائیں بائیں بڑے غور سے ٹیلوں پر دیکھتا جا رہا تھا۔ ایک جگہ اچانک اس کا گھوڑا بدکا اور زمین پر اگلے پاؤں مارتے ہوئے ہنہنانے لگا۔ شاید وہ قریب ہی کسی انسان کی بو پا رہا تھا۔

صمام بھی غور سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا تھا۔ قریب ہی ایک ٹیلے پر تین آدمی کھڑے تھے۔ ان نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور وہ ننھے پھر پھر اتا ہوا ٹیلے پر چڑھ گیا۔ ایک جست کے ساتھ صمام نیچے اُترا۔ پہلا شخص جو آگے بڑھ کر اس سے ملا وہ عکرمہ بن اسحاق تھا۔ صمام کو پہچانتے ہوئے اس نے کہا۔

"میں عکرمہ بن اسحاق ہوں اور یہ میری" ——— اس نے اپنے ساتھ کھڑی عورت کی طرف اشارہ کیا۔

صمام نے اس کی بات منقطع کرتے ہوئے کہا۔

"مَیں جانتا ہوں تمہاری بہن توشیبہ ہے۔"

اس کے بعد زہیر نے آگے بڑھ کر مصافحہ کیا۔

توشیبہ بھی قریب ہی کھڑی ہو گئی۔ وہ اٹھارہ برس کے قریب ایک حسین ترین سفید چاندنی میں ریت کے ٹیلے پر وہ کھڑی سنگ مرمر کا ایک حسین مجسمہ دکھائی دے رہی جسمانی تناسب شخصیت اور خوب صورتی میں وہ ان لڑکیوں میں سے تھی جو اَن گنت لوگوں بھی کھڑی اپنی خوب صورتی کے باعث نمایاں نظر آتی ہیں۔

عکرمہ نے بات کرتے ہیں پہل کی۔

"مجھے یقین تھا تم ضرور آؤ گے۔ توشیبہ کہہ رہی تھی شاید اس کی بستی والے نہ آنے دیں۔"

صمام مسکرا دیا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ مَیں عصبیت اور رقابت کے سخت خلاف ہوں۔ عربوں میں اتحاد، امن اور صلح کا خواہاں ہوں اور اس مقصد کی خاطر اگر میری جان بھی چلی تو مَیں اپنے آپ کو ایک خوش بخت انسان تصور کروں گا۔"

توشیبہ مُسکرا دی اور اپنی بے خودی طاری کر دینے والی آواز میں اس نے صما مخاطب کیا۔

"تمہارے جذبات قابل تعریف ہیں۔ یقیناً تم وہی جوان ہو جس کی عربو ضرورت ہے۔"

عکرمہ نے صمام کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بڑی ہمدردی سے کہا۔

"تم نے جب سے یہودیوں کے ساتھ تلخ رویہ روا رکھا ہے جب سے ہم بہن بھائی کی نظریں تم پر ہیں۔ ہماری بستی کا کوئی بھی مخبر جب یہ خبر لاتا تھا کہ آج تم یہودیوں کو قتل کر دیا ہے تو ہمارا سر فخر سے بلند ہو جاتا تھا۔ مَیں دن رات بڑی بیتابی ایسے وسائل سوچنے لگا جن کے ذریعے میری تم سے ملاقات ہو جائے۔ آخر زہیر نے آسان کر دی۔ اپنی بستی میں جو دو سو جوانوں کی جماعت ہم نے تیار کی ہے اس کی نگا

وقت تم پر لگی رہتی ہیں اور ہم سب اپنے خیالات، جذبات اور کردار کا تمہیں سرخیل تصور رتے ہیں۔

صمام نے بڑے اعتماد و اشتیاق سے کہا۔

"مَیں ایک غریب عرب ہوں۔ سیاست کا قائل نہیں۔ یہودیوں سے سارے معاملات اب تلوار کی نوک ہی طے کر سکتی ہے۔ عربوں میں زندہ رہنے کی خواہش پیدا کرنے لیے مَیں آنے والے ہر طوفان سے ٹکرا جاؤں گا۔"

توشیبہ پھر بولی۔

"ہم تمہیں سیاست میں ملوث بھی نہیں ہونے دینا چاہتے۔ تمہاری شجاعت، جرأت وطن پرستی ہی ہمارے لیے سب سے بڑا سرمایہ ہے۔"

صمام نے اپنے آپ کو مجتمع کرتے ہوئے کہا۔

"مَیں کسی کو مایوس نہ ہونے دوں گا۔"

توشیبہ کے سُرخ لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی اور اس کی مترنم آواز بلند ہوئی۔

"تم نے جس کام کا بیڑہ اُٹھایا ہے اس کے راستے میں بے شمار دُکھ اور تکلیفیں حائل ہو سکتا ہے عربوں کو یہودیوں کے مظالم سے نجات دلانے کی خاطر تمہیں خود اپنی عباد اپنے ان سے ترک کرنی پڑے۔ کیا ہم اُمید رکھیں کہ حوادث کے ایسے ہی تیز طوفان اگر کبھی تمہارے سامنے آ کھڑے ہوں تو تم اپنے شیدائیوں کے جذبات کو نظر انداز کر کے اپنے مقصد کی راہیں بدل لو گے۔"

توشیبہ ذرا رکی اور تھوک نگلتے ہوئے پھر کہنا شروع کیا۔

"اگر ایسا ہوا تو عرب تمہیں کبھی معاف نہ کریں گے۔ اگر تم ثابت قدم رہ کر جگہ عربوں کے اتحاد اور صبحِ آزادی کی شمعیں روشن کرتے جاؤ تو تمہارے پاؤں کی خاک بھی کے لیے کندن ہو گی اور ہم تمہارے ایک ہی اشارے پر اپنے خون کا آخری قطرہ بہا لے۔ توشیبہ کی پلکیں بھیگ گئیں۔ ہونٹ پھڑ پھڑا گئے اور ضبط کرنے کی خاطر وہ ہو گئی تھی۔

عکرمہ اور زہیر کی آنکھیں بھی بھیگ چکی تھیں۔

صمام کی مٹھیاں بھنچ گئی تھیں۔ توشیبہ کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے جذبات شدت کے باعث کانپتے ہوئے کہا۔

"لات وعزیٰ کی قسم میں اسی صحرا میں عربوں کو بادِ سموم کا طوفان بنا کر یہودیوں کے سامنے لا کھڑا کر دوں گا۔"

توشیبہ نے اپنی آنکھیں پونچھ لیں۔

"تو پھر ہم تمہارے ساتھ ہیں۔"

صمام جذباتی ہو گیا تھا۔

"ہم عرب ہر اس چیز کو گھوڑوں کی ٹاپوں تلے روند دیں گے جو ہمارے مقصد کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہو گی۔"

"میں عربوں کے خون میں حرارت پیدا کر دوں گا۔"

"ہم اب صحرا کی برسوں سے پیاسی ریت کو یہودیوں کے خون سے تر کر دیں گے۔"

"میں عربوں کو ایک ایسا طوفان بنا دوں گا جس کے آگے یہودی کوئی دفاع قائم نہ کر سکیں گے۔ ایک روز انہیں اپنے بہیمانہ مظالم کا حساب دینا ہو گا۔"

میں اس صحرا میں جگہ جگہ آزادی کی شمعیں روشن کر دوں گا جن کی روشنی میں عرب آگے بھاگتے ہوئے یہودیوں کے قدموں کے نشان دیکھ سکیں گے۔ میری زندگی کا مقصد میں اتحاد، صلح اور امن قائم کرنے کے سوا کچھ نہ ہو گا۔"

عکرمہ نے اس کا شانہ تھپتھپایا۔

"ہم بھی تمہاری خاطر ہر قربانی دینے کو تیار ہیں۔"

صمام کے جواب دینے سے قبل ہی توشیبہ بول پڑی۔

"تمہیں پتہ ہے یہودی عنقریب تمہیں جنگ کی دعوت دینے والے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں۔"

"کیا تم اپنی تیاری پر مطمئن ہو؟"

"میں آج ہی جنگ کے لیے تیار ہوں۔ ہماری بستی کا بچہ بچہ یہودیوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا ہے اور ہم نے دن رات کام کر کے اپنے دفاع کو آخری شکل دے دی ہے۔"

"تمہاری دور اندیشی قابلِ تعریف ہے۔ اب یہ بتاؤ ہمارا اس جنگ میں کیا کردار ہو گا"۔۔۔۔۔۔ صمام نے غور سے توشیبہ کی طرف دیکھا۔

"کیسا کردار؟"

"میرا مطلب ہے تمہیں کس چیز کی ضرورت ہے۔"

"فی الحال مجھے کچھ نہیں چاہیئے۔ میں اپنے ہی وسائل میں رہ کر یہودیوں سے نبٹنا چاہتا ہوں۔ اس طرح مجھے اس آشوب و آزمائش میں اپنی سعی و ادراک کا اندازہ کرنے میں مدد ملے گی۔" اور

عکرمہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"یہ غلط ہے۔ اس طرح ہمارا ضمیر ہمیں ہمیشہ ملامت کرتا رہے گا کہ ہم نے اس جنگ میں کسی طرح بھی کوئی حصّہ نہ لیا اور اس میں ہماری تضحیک و استہزا کا پہلو عیاں ہے۔"

عکرمہ اپنے گھوڑے کی طرف بڑھا اور نقدی کا ایک بڑا سا تھیلا کھول کر صمام کی طرف بڑھاتے ہوئے انکساری سے کہا۔

جنگ کی تیاری کے لیے صدف والوں کی طرف سے یہ پہلی کوشش ہے۔

صمام نے تھیلا لے لیا اور گھوڑے کی طرف بڑھ گیا۔

"میں اب چلتا ہوں۔ سردار بڑی بیتابی سے میرا انتظار کر رہا ہو گا۔ اس کے ساتھ ہی وہ گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

عکرمہ نے پھر کہا۔ "ہم نے جب بھی تمہیں ملنا ہوا زہیر تمہیں بلا لایا کرے گا۔"

صمام نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ٹیلے سے نیچے اتر گیا۔ عکرمہ، توشیبہ اور زہیر ٹیلے پر کھڑے ہو کر اس وقت تک اسے دیکھتے رہے جب تک وہ چاروں طرف پھیلی ہوئی چاندنی میں کھو نہ گیا۔ جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو وہ ٹیلے سے اتر کر اپنی بستی کی طرف جا رہے تھے۔

بے نور معبد کی طرح اداس صحرائے حماد کے اندر صمام کا گھوڑا کسی ابرِ آوارہ کی طرح اقطع کی طرف بھاگ رہا تھا۔ شفق آفاق کے کناروں پر اپنی دھندکے بے نشان وجود پھیلاتی ہوئی شام کے دھندلکوں میں روپوش ہو گئی تھی۔ رات دم بخود تھی۔ صحرا خاموش تھا۔ ہر چیز بسرام کی خاطر افسردہ سی تھی۔ دُور ——— آفاق کے مشرقی کناروں سے چاند طلوع ہُوا تھا۔ سفید صحرا میں چاندنی کی کرنیں رقص کرنے لگی تھیں۔ ہر سمت نُور کے آنچل لہرا گئے تھے۔ ہَوا وہم کے منحوس پرندوں کی طرح اپنے پر پھڑپھڑاتی ہوئی تھمی تھمی اور رُکی رُکی فضا کے مہیب سناٹے میں پُراسرار اشاریت اور فطرت کے حلاوت بھرے نغمے بکھیرنے لگی تھی اور چاندنی رات میں ریت کے ٹیلے یوں دکھائی دینے لگے تھے جیسے ——— جیسے چشموں سے پانی بھر کر قطار در قطار اپنے کندھوں پر صراحیاں رکھے واپس لوٹتی ہوئیں حسین و پری جمال عرب دوشیزائیں۔

صمام کسی صحرائی عقاب کی طرح اپنی بستی کی طرف اڑا جا رہا تھا کہ ایک دم اس نے گھوڑے کی باگیں کھینچتے ہوئے اسے روک لیا۔ دس سوار اس کا راستہ روک کر کھڑے تھے اس نے دیکھا وہ سب جرش کے یہودی تھے۔ صمام کی رگیں کھچ گئی تھیں اور چہرہ تلنبے کی طرح سُرخ ہو گیا تھا۔ بپھرتے جیسی اس کی آنکھوں میں خوفناک لہریں بکھرنے لگی تھیں۔ اس کی گردن کچھ ایسے انداز میں تن گئی تھی جیسے کوئی سیاہ زہریلا ناگ اپنا بھاری پھن اٹھا کر کسی کا راستہ روک کر کھڑا ہُوا ہو۔ پھر اس کی سمندر کی سی وحشت ناک اور چنگھاڑتی ہوئی آواز بلند ہوئی۔

"تم نے میرا راستہ کیوں روکا ہے؟"

ایک یہودی نے اپنی پوری تکفیر و خباثت اور ہوس و استحصال سے آگ کی طرح سلگتی

اپنی آواز میں کہا۔

"ہمیں پتہ چلا ہے کہ تم نے ہمارے ان کارکنوں کو قتل کر دیا ہے جو تمہاری بستی میں کی حصولی کے لیے جاتے ہیں۔ ہم پچھلے کئی روز سے تمہاری تاک میں تھے۔ اب صحرا کی اس ریت تمہیں خون میں نہلا کر ریت میں لتھڑ دیں گے۔"

صمام کا ہاتھ دانستہ طور پر ان خنجروں کی طرف چلا گیا تھا جو زین کے ساتھ چھوٹے چھوٹے تھیلوں میں سجے ہوئے تھے پھر شب کے بطن میں اس کی شوریلی و فصیلی اور ایسی آواز بلند ہوئی جو عذاب کی ضرب نقارے پر گونجتی ہے۔ وہ ان سب یہودیوں سے مخاطب ہُوا تھا۔

"منافقت کے قدیم وارثو! تم ایک ایسی قوم ہو جس سے صرف خنجر کی زبان میں بات کی جا سکتی ہے۔ صحرائے حماد کے اس حصّے میں قضا و قدر کا ایک کارکن بکریّں تم سب پر لہو کی بوندوں گا۔ یاد رکھو میرے خلاف تمہاری ہر کوشش اور ہر حربہ کاوشِ بے حصول ثابت ہو گا۔"

یہودی نے اپنے پورے کبر و بطر سے کہا۔

"ہم یہاں تمہیں فنا کی راکھ میں دفن کر دیں گے اور تمہاری لاش پر کھڑے ہو کر ہم اپنی کامیابی کے گیت گائیں گے۔"

صمام تیزی سے اور گرم جولانی کے ساتھ طوفان کی طرح حرکت میں آیا تھا۔ اس نے اپنے گھوڑے کی لگام ایک جھٹکے سے کھینچی اور گھوڑا اپنی اگلی ٹانگیں اٹھا کر زور سے ہنہنایا۔ صمام نے گھوڑے کی پسلیوں پر ایک سخت ایڑ لگائی۔ گھوڑا اپنے چاروں پاؤں پر ایک بار بڑی تیزی کے ساتھ ایک چکر میں گھوما۔ صمام اور گھوڑے کے اس وجد آفرین عمل پر یہودی ششدر و مبہوت کھڑے تھے کہ جب گھوڑے نے اپنا چکر ختم کیا۔ صمام برق طبعی کی طرح جابر و قاہر فعل کی ابتدا کر چکا تھا۔ اس نے اپنی زین سے لگے ہوئے چھ خنجر اس مہارت سے یہودیوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے پھینکے تھے کہ یہودی ابھی کچھ سمجھ بھی نہ پائے تھے کہ ان کے ساتھی گھوڑوں سے گر کر زمین پر لوٹتے ہوئے بُری طرح آہ و زاری کرنے لگے تھے۔ صمام ان کے دلوں میں پیوست ہو گئے تھے۔

چار یہودی جو زندہ بچ گئے تھے جب انہوں نے اپنے چھ ساتھیوں کو ریت پر

ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرتے دیکھا تو وہ اپنی تلواریں سونت کر صمام پر حملہ آور ہو گئے۔ صمام بھی وقت تک اپنی تلوار اور ڈھال سنبھال چکا تھا اور ان چاروں کے سامنے وہ سنگلاخ چٹان ستون کی طرح جم کر لڑنے لگا تھا۔ وہ اب مطمئن اور پُرسکون تھا۔ دس یہودیوں میں سے پہلے ہی ٹھکانے لگا چکا تھا اور باقی چار کے ساتھ وہ زندگی اور موت کا کھیل شروع کر چکا تھا تھوڑی دیر کی کشمکش کے بعد صمام نے دو اور یہودیوں کو تہ تیغ کر دیا تھا۔ باقی دو یہودی کوچیتے کی طرح خوفناک عرب کے سامنے بے بس و کوتاہ دست محسوس کر رہے تھے۔ وہ ابھی مناسب طرف سے صمام پر حملہ کرنے کے متعلق سوچ رہے تھے کہ مرنے والے ایک یہودی اپنی چھاتی کے اندر سے خنجر نکالا اور اسے تاک کر صمام کی طرف پھینکا۔ اسی لمحہ سامنے والے بھی حملہ آور ہو گئے تھے۔ صمام نے بچنے کی انتہائی کوشش کی تھی لیکن اس کے باوجود اس کا خنجر اس کے بائیں بازو میں پیوست ہو گیا تھا۔

صمام نے فوراً اپنے گھوڑے کو دائیں طرف موڑا اور سامنے سے حملہ آور ہونے دونوں یہودیوں کے حملوں سے بچنے کے بعد وہ پھر اپنے دائیں ہاتھ کو حرکت میں لایا اور دیگرے ان دونوں یہودیوں پر ان نے کمندیں پھینکیں۔ دونوں یہودیوں کی گردنیں کی رسی کے حلقے میں پھنس گئی تھیں اور اسی لمحہ صمام نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اسے دوڑا دیا تھا۔ کمندوں میں پھنسے ہوئے دونوں یہودی اپنے گھوڑوں سے گر کر صحرا کی سفید ریت گھسٹتے جا رہے تھے۔

صمام اپنے گھوڑے کو روک کر نیچے اترا۔ کمندیں پھنسے ہوئے دونوں یہودی تھے۔ اس نے اپنی دونوں کمندیں علیحدہ کر کے لپیٹ کر زین سے لٹکا دیں اور جب وہ ہوئے یہودیوں کے سینوں سے اپنے خنجر نکال رہا تھا۔ صحرائے حمادہ کی دسلی سرائے کی طرف دو اور یہودی اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے آئے اور صمام کے سر پر آ کھڑے ہوئے اپنے مر ہوئے ساتھیوں کو دیکھ کر انہوں نے فوراً صمام پر حملہ آور ہونا چاہا۔ صمام نے وہیں بیٹھے ان پر خنجر چلا دیئے اور وہ دونوں بھی اپنے مرے ہوئے ساتھیوں میں گر کر دم توڑنے لگے تھے۔ صمام نے آگے بڑھ کر ان کی گردنیں کاٹ دیں اور ان کے سینوں سے خنجر نکال کر

اپنے گھوڑے پر سوار ہونے لگا تو رکاب میں اس کا پاؤں جم کر رہ گیا اس کے کان کھڑے ہو گئے تھے اور وہ کچھ سننے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک دم اس نے کوئی فیصلہ کیا۔ زین سے لٹکتا ہوا یروں سے بھرا ہوا ترکش اس نے اپنی پیٹھ پر باندھنے کے بعد کمان سنبھالی اور دبیز سیاہ آواز نکالتے ہوئے اس نے گھوڑے کو ڈھال مار کر ہانک دیا۔ گھوڑا بستی کی طرف سرپٹ دوڑ پڑا تھا۔ اور صمام ریت کے ایک ٹیلے کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد صحرا کے اس حصے میں چھ اور یہودی نمودار ہوئے۔ کچھ دیر تک وہ ریت پر بکھری ہوئی اپنے ساتھیوں کی لاشوں کو دیکھتے رہے پھر وہ صمام کے گھوڑے کا تعاقب کرنے لگے تھے۔ جب وہ صمام کے پاس سے گزرنے لگے تو صمام نے ان پر ایک تواتر کے ساتھ تیروں کی بارش ماری اور ان سب کو ڈھیر کر کے رکھ دیا۔ ریت کے ٹیلے کی اوٹ سے نکل کر اس نے کمان اپنے بازو سے لٹکا لی تھی اور بڑی تیزی کے ساتھ وہ اپنی بستی کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

○

صمام کا خالی گھوڑا ہنہناتا ہوا گھر داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی حویرہ جو اپنے باپ اور بھائی کے ساتھ ابھی تک صحن میں بیٹھی صمام کا انتظار کر رہی تھی ایک دم کھڑی ہو گئی اور اپنے گھوڑے کی طرف دیکھتے ہوئے پریشان و منتشر لہجے میں

"اخی کا گھوڑا خالی آ گیا ہے۔ وہ خود کہاں ہیں؟"

ثعلب اور عزیہ بھی تفکر و مضطرب سے ہو کر کھڑے ہو گئے پھر ثعلب گھوڑے کی طرف بڑھا اور اس کی گردن تھپتھپاتے ہوئے اس نے دیکھا گھوڑے کی زین کا کچھ حصہ خون آلود تھا۔ وہ اپنے قریب کھڑی عزیہ سے کچھ کہنے والا تھا کہ سردار جعفر اور اسماء گھر میں داخل ہوئے۔ صمام کا خالی گھوڑا دیکھ کر جعفر نے ثعلب سے پوچھا۔

"صمام کہاں ہے؟" میں تو بڑی بے چینی سے اس کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سن کر میں نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ وہ آ گیا ہے۔ کہاں ہے وہ آتا کیوں نہیں۔"

ثعلب نے متردد اور پُرگمان سے انداز میں کہا۔

"اس کا گھوڑا خالی آیا ہے اور خود وہ کسی مصیبت میں پھنس گیا ہے" ——

جعفر کی آواز خالی اور کھوکھلی ہوگئی تھی۔

"تم نے کیسے اندازہ لگایا کہ صمام کسی مصیبت کا شکار ہوگیا ہے"۔

ثعلب نے زین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اس کے گھوڑے کی زین خون آلود ہے اور میں اس خون کو سونگھ چکا ہوں یقیناً بیٹے کا خون ہے"۔

عزیہ، اسماء اور حویرہ رونے لگی تھیں۔ جعفر نے اپنے گھر کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

"میں جنید اور سلیمان کو بھیج کر اس کا پتہ کراتا ہوں اگر اہل صدف نے اس سے دھوکہ کیا۔ تو قسم مجھے لات وعزیٰ کی میں آج رات ہی ان پر ایسا شبخون ماروں گا کہ ان سب کو زمین کی میں اتار دوں گا"۔

اپنے گھر کی طرف جاتے جاتے دروازے کے قریب جعفر ایک دم رُک گیا۔ بستی باہر اور صحرا کے اندر کسی نے گانے کی آواز سنائی دی تھی۔ گانے والے کی آواز نارِ مشہت کی اور سرودِ سحر کی طرح فسوں ساز تھی۔ وہ گا رہا تھا۔

"آ اے لشِ دہر اور بحرِ پُرقہر کی طرح شب کے باطن میں۔

ہم بے جھجک و بے مدنگ خوفناک شام کی طرح دشمن پر وارد ہوتے ہیں"۔

آواز اس بار زوردار بازگشت کے ساتھ ابھری۔

"محبانِ کرام! طوفان اب بیدار ہو رہا ہے ہم مربوط و مضبوط اور اپنے اسلاف کا قلب بن کر رزم گاہ میں اُتریں گے۔ اور اس عروسِ فطرت صحرا میں اپنے عدو کو ٹوٹی ہوئی منجد و مالا کی طرح منتشر و پراگندہ کر دیں گے۔

ہماری تیغ بے امان دشمن کے رگ و ریشہ پر یوں برسے گی جس طرح کوئی پرند جست و پرواز کے لیے اپنے پروں کو تولتا ہے۔ یا کسی پر عقاب جہنم ٹوٹتا ہے اس صحرا میں اپنے معاند و عدو کی بہیمانہ غلطتوں کے اندر ہم عزم و رجائی نئی

اور تابناک تمنائیں بلند کریں گے۔

ثعلب نے چلاتے ہوئے جعفر سے کہا۔ "رُک جاؤ۔ کیا تم اس آواز کو سنتے ہو۔ یہ آواز میرے بیٹے کی ہے —— سنو! اس کا اپنے دشمن سے ضرور ٹکراؤ ہوا ہے اور اس نے اسی مصلحت کے تحت اپنے گھوڑے کو گھر کی طرف بھگا دیا ہوگا۔ یہ گیت جو تم سن رہے ہو اس نے ہمیشہ اس وقت گایا ہے جب دشمن سے اس کا ٹکراؤ ہوتا ہے۔ سنو! اس گیت کی صدائیں نے مکہ کے زبیریں میں چشمہ آب وتیر کے نواح میں بھی سنی ہے جہاں ہمارا قبیلہ بنو عرانہ آباد تھا اور —— اور یہ آواز میں نے ان تجارتی کاروانوں میں بھی سنی ہے جس میں میرا بیٹا میرے ساتھ ہوا کرتا تھا"۔ ثعلب کی آواز اکھڑنے لگی۔ لیکن —— لیکن آج اس کی آواز میں تکلیف اور کرب کیوں ہے۔ کیا وہ زخمی ہے اور مجھے مدد کے لیے پکار رہا ہے —— آہ! اس کی آواز کیسی ہولناک ہو رہی ہے۔ یقیناً وہ زخمی ہے اور میری مدد چاہتا ہے۔ میں خود جا کر اسے لاتا ہوں"۔

اسماء، عزیہ اور حویرہ روتے روتے سنبھل گئی تھیں۔ جعفر دروازے کے قریب ہی کھڑا رہ گیا تھا۔ ثعلب بوڑھا ہونے کے باوجود جوانوں کی سی پھرتی اور جذبے کے ساتھ صمام کے گھوڑے پر سوار ہوا اور مکان سے باہر نکل گیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد ثعلب واپس لوٹا وہ اسی طرح گھوڑے پر سوار تھا اور صمام کو اس نے اپنے آگے بٹھا رکھا تھا۔ صحن میں آ کر اس نے گھوڑے کو روکا اور حویرہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"حویرہ! میری بیٹی! اندر سے مرہم پٹی کا سامان لاؤ صمام زخمی ہے"۔

ثعلب گھوڑے سے اُتر گیا۔ عزیہ بیچاری بے تاب ہو کر گھوڑے کی طرف بڑھی اور اپنے ہاتھ آگے بڑھا کر صمام کو گھوڑے سے اتار لینا چاہا۔ بالکل یوں جیسے وہ ابھی بچہ ہو اور وہ اسے اپنی گود میں لے لے گی۔ صمام اپنی ماں کی اس حرکت پر مسکرا دیا اور ایک طرف ہو کر زمین پر کودتے ہوئے اس نے کہا۔

"اے میری ماں! تم فکرمند نہ ہو، میں زخمی ضرور ہوں پر ایسا نہیں کہ گھوڑے

سے کو دنہ سکوں ۔ میرے بازو میں معمولی سا زخم ہے ۔ لات و منات کی قسم ! دشمن نے جو ان صحرا کے اندر میرے مقابلے میں کھڑے کیے تھے اتنے وہ اگر اور لے آئیں تو میں زخمی کے باوجود صحرائے حماد کے اندر انہیں بکریوں کے ریوڑ کی طرح ہانک کر رکھ دوں گا ۔"

حویرہ اندر سے مرہم پٹی کا سامان لے آئی ۔ عزیبے صمام کو پکڑ کر چارپائی پر بٹھاتے ہوئے کہا ۔ "یہاں بیٹھو میں تمہارے زخم پر پٹی باندھ دوں ۔"

اسماد تیزی سے آگے بڑھی اور حویرہ سے مرہم پٹی کا سامان لیتے ہوئے اس عزیبہ سے کہا ۔ "آپ رہنے دیں میں خود پٹی باندھتی ہوں ۔"

کسی نے کوئی اعتراض نہ کیا اور اسماد نے خود زخم دھو کر صمام کے زخم پر پٹی دی تھی ۔ جعفر نے صمام کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا ۔ "کیا اہلِ صدف نے تم سے دھوکہ تم پر حملہ کر دیا تھا ۔"

صمام نے اپنا زخمی بازو آگے پیچھے ہلاتے ہوئے کہا ۔ "ایسی کوئی بات نہیں بلکہ زہیر، حکم بن اسحاق اور اس کی بہن توشیبہ نے ہمارے ساتھ پورا پورا تعاون کرنے کا عہد کیا ہے ——— جعفر نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا ۔ "پھر تمہاری یہ جنگ کس سے ہوئی ؟ ——— میں زہیر، حکم اور توشیبہ سے مل کر اپنی بستی کی طرف آ رہا تھا کہ صحرا کے اندر وحش کے دس یہودیوں نے میرا راستہ روک کر مجھے جنگ اور مبارزت کی دعوت دی اس بار اسماد نے بیتاب ہو کر پوچھا ۔ "پھر کیا ہوا ؟"

"میں نے ان سب کو قتل کر دیا اور ان سے لڑتے ہوئے میرا بازو زخمی ہو گیا ۔ ابھی میں ان کے جسموں سے اپنے خنجر نکال رہا تھا کہ دو یہودی اور آ گئے ۔ میں نے انہیں بھی خنجر مار کر ہلاک کر دیا اور جب میں اپنے گھوڑے پر سوار ہونے لگا تو مجھے اور یہودی سوار اس طرف آتے دکھائی دیئے ۔ میں نے اپنے گھوڑے کو بستی کی طرف ہانک دیا اور خود ایک ٹیلے کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا ۔ جب وہ میرے گھوڑے کے تعاقب میں جانے کے لیے میرے پاس سے گزرے تو میں نے ان پر اپنے زہریلے تیر چلا دیئے اور ان سب کو بھی ریت میں ڈھیر کر کے رکھ ——— دیا تھا اور ان سے فارغ ہو کر میں پیدل ہی

وش ہو گیا کیونکہ دروازے پر کسی نے دستک دی تھی ۔ ثعلب نے جب آگے بڑھ کر دروازہ ا تو انہوں نے دیکھا ۔ دروازے کے سامنے جرش کا یہودی سردار شمعون اور اس کا بیٹا داؤد ے تھے اور ان کے پیچھے گلی کے اندر بیس پچیس مسلح یہودی بھی تھے ۔ گلی میں القطر کے ی ان گنت مسلح جوان جمع ہو گئے تھے اور ان سب میں جنید اور سلیمان نمایاں کھڑے تھے ۔ حلب نے اپنی کھولتی ہوئی آواز میں شمعون سے پوچھا ۔

"تم کس لیے ہماری بستی میں داخل ہوئے ہو ۔" سردار جعفر بھی ثعلب کے پہلو میں کر کھڑا ہو گیا اور شمعون کو بڑے غور سے دیکھنے لگا تھا ۔ شمعون نے صحن میں اسماد کے پاس ھے ہوئے صمام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ۔

"اس جوان کو جس کا نام صمام ہے ہمارے حوالے کر دو ۔ اس نے آج صحرا کے اندر مارے اٹھارہ جوانوں کو قتل کر دیا ہے اور ہم اپنی الہامی کتاب کے مطابق اس سے اور س کے خاندان سے قصاص لیں گے ۔"

جعفر نے غضبناک ہو کر کہا ۔ "وہ جوان جس کی طرف تم اشارہ کر رہے ہو، القطر کا ا ستارہ ہے ۔ یہیں سے مڑ کر واپس فوراً چلے جاؤ ۔ ورنہ میں گلی میں کھڑے اپنے جوانوں حکم دوں گا اور وہ تمہیں تمہارے ان محافظ ساتھیوں سمیت ابدی اور خون آلود موت ی گھاٹ اتار دیں گے ۔"

شمعون نے اس بار نرم ہو کر پوچھا ۔ "کیا اس جوان کو ہمارے حوالے نہ کر کے تم ہمیں جنگ کی دعوت نہیں دے رہے ہو ؟"

جعفر کے الفاظ پھر نوکیلی کنکریوں کی طرح شمعون اور اس کے ساتھیوں کی ماعت سے ٹکرائے ۔

"ہاں میں تمہیں جنگ اور مبارزت کی دھمکی دیتا ہوں اور یہ ہمارا آخری فیصلہ ہے ۔ اب اس صحرا کی پیاس تمہارے خون سے ضرور بجھے گی ۔"

شمعون نے اپنے گھوڑے کو واپس موڑتے ہوئے کہا ۔

"تو پھر اسی ماہ چاند کی ستائیسویں کو میں تمہیں جنگ کی دعوت دیتا ہوں اور

یہ جنگ دونوں بستیوں کے درمیان صحرا حماد میں ہوگی۔"

جعفر نے بھی دھاڑتے ہوئے کہا۔

"مجھے تمہاری یہ دعوت قبول ہے۔"

شمعون اور اس کا بیٹا اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس چلے گئے۔ گلی میں القطر کے جوان بھی اپنے گھروں کو چلے گئے۔

جعفر، ثعلب، سلیمان اور جنید اندر آکر صمام کے پاس بیٹھ گئے تھے والی جنگ کے متعلق آپس میں صلاح مشورہ کرنے لگے تھے۔

سورج کافی چڑھ آیا تھا۔ صحرا میں ہر سو گرم ہوائیں چل نکلی تھیں۔ دور دور تک پھیلی ہوئی سفید ریت خوب تپ گئی تھی۔ ایسے میں جرش کے علاوہ چند اور بستیوں کے یہودی اور القطر کے عرب تپتے ہوئے صحرا میں ایک دوسرے سے جنگ کرنے کے لیے صف آرا تھے۔ دونوں طرف سے دف، نقارے اور طبل خوب زور شور سے بج رہے تھے۔

یہودیوں کی صفوں میں عجیب جوش کا عالم تھا۔ تعداد میں وہ عربوں سے کوئی سات گنا زیادہ تھے اور ان کا سردار شمعون اپنے جوان بیٹے داؤد کے ساتھ ہاتھ میں نیزہ پکڑے صفیں درست کر رہا تھا۔ یہودی لشکر کے پیچھے ان گنت خیمے بھی نصب تھے جن میں خوردونوش کے سامان کے علاوہ فالتو اسلحہ بھی تھا۔

صمام سپاہیانہ لباس میں اپنے گھوڑے پر سوار بڑے مطمئن انداز میں اپنے سپاہیوں کی صفیں دیکھ رہا تھا۔ صفوں کے عقب میں القطر کی بے شمار عورتیں بھی تیار کھڑی تھیں۔ کچھ جنگ میں مردوں کے دوش بدوش لڑنے کے لیے ہتھیاروں سے لیس تھیں۔ کئی اپنے سپاہیوں کو پانی پلانے کے لیے مشکیزے اٹھائے ہوئے تھیں اور کچھ کے پاس مرہم پٹی کا سامان تھا۔

جنگ کے طبل اور زور زور سے بجنے لگے تھے۔ صمام اپنی صفیں درست کر چکنے کے بعد لشکر کے سامنے جعفر، ثعلب، جنید، ہرثمہ اور سلیمان کے پاس آکر کھڑا ہو گیا تھا۔ اتنے میں بائیں سمت سے ایک سوار اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑاتا ہوا آیا اور صمام کے پاس آکر رک گیا۔ اس نے اپنا چہرہ نقاب سے ڈھانپ رکھا تھا۔

صمام پہلی ہی نظر میں اسے پہچان گیا وہ زبیر بن قیس تھا۔ صمام آگے بڑھا اور اسے

ایک طرف لے گیا۔ زبیر نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"ہمارے ساتھی اس میدان کے بائیں طرف ریت کے ایک بہت بڑے ٹیلے پیچھے تمہارے حکم کے منتظر کھڑے ہیں۔ عکرمہ اور توشبیہ بھی ان کے ساتھ ہیں۔ کیا تم انہیں اپنی فوج میں شامل کرنا پسند کرو گے؟"

صمام نے اپنا گھوڑا آگے بڑھا کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"نہیں زبیر! ابھی میں ان کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ یہودیوں کے ساتھ پہلی جنگ ہے۔ میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ ہم میں مقابلے کی کہاں تک سکت ہے تو گویا تم اکیلے ہی لڑنا پسند کرو گے؟"

"ہاں! مجھے امید ہے کہ میں یہودیوں کی پیشانی شکست سے داغ دوں گا۔"

"تو پھر میں عکرمہ اور توشبیہ کو جا کر کیا جواب دوں۔"

"انہیں کہنا میں ان کا شکر گزار ہوں۔ جب بھی مجھے ضرورت محسوس ہوئی میں کا زیر بار احسان ہوتے ہوئے شرمندگی محسوس نہیں کروں گا۔ انہوں نے جس تحریک کی ابتدا ہے وہ اگر کسی نیک انجام کو پہنچ گئی تو پوری عرب قوم ہمیشہ ان کی ممنون اور مشکور رہ گی۔ تم اب جاؤ زبیر یہودی جنگ کی ابتدا کرنے والے ہیں۔" ... ش ... گیا۔

زبیر نے پھر اسے پکارا۔

"صمام! صمام! ٹھہرو میری بات سنو!"

صمام رُک گیا۔

زبیر دوبارہ اس کے قریب آیا۔

"تمہارے قبیلے کے سردار جعفر کی کوئی لڑکی اسماء ہے۔"

صمام فکرمند ہو گیا۔

"ہاں ہے مگر کیا بات ہے؟"

"یہودی سردار شمعون کا لڑکا داؤد اس پر مائل ہے۔ جنگ کے دوران وہ اٹھا لے جانے کی کوشش کرے گا۔"

"تمہیں کیسے پتہ چلا۔"

"وسطی سرائے میں جو یہودی رقاصہ کام کرتی تھی اسے ہم نے قتل کر دیا ہے۔ اس ... میں اپنے قبیلے کی ایک لڑکی جو رقص میں ماہر ہے اور ہماری جماعت کی ایک سرگرم رکن ... اس سرائے کے مالک کے پاس لے گیا۔ کافی بحث و تمحیص کے بعد سرائے کے مالک نے ... ملازم رکھ لیا ہے۔ لڑکی کا نام حبا ہے۔ اس نے اپنے آپ کو شام کی ایک مظلوم ... لڑکی ظاہر کیا ہے۔ وہ سریانی زبان بڑی روانی سے بول سکتی ہے۔ اصل میں وہ ... قبیلے کی ایک یتیم لڑکی ہے جس کے ماں باپ مر چکے ہیں۔ اس نے بخوشی اپنے آپ ... کام کے لیے پیش کیا ہے۔"

صمام سنجیدہ ہو گیا۔

"کیا وہ قابلِ اعتماد ہے؟"

"ہاں وہ مخلص اور وطن پرست لڑکی ہے۔ کسی بھی آزمائش کے وقت وہ اپنی اعتماد کو دھوکا نہیں دے گی۔"

صمام کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"میں اسے ملنا پسند کروں گا۔"

وہ خود اور جماعت کے دوسرے سب افراد بھی تمہیں ایک نظر دیکھنے کو بیتاب ..."

"میں سب سے ملوں گا۔ مگر کسی مناسب وقت پر۔ تم اب جاؤ میں ... لو ایک نظر دیکھ لوں۔"

زبیر نے واپس مڑتے ہوئے کہا۔

"میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہمیں ٹیلوں کی اوٹ میں کھڑا رہوں گا۔ یہودی ... اگر بھاری ہوا تو ہم بلا جھجک تمہاری صفوں میں شامل ہو جائیں گے۔"

زبیر نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اسے بھگاتا ہوا وہ ٹیلوں کے پیچھے داخل

صمام اپنی صفوں کے پاس آیا۔ سب جوان اپنی اپنی جگہوں پر مستعد کھڑے
صمام صفوں سے نکل کر عورتوں کے جھمگٹے میں آیا۔ ان میں عجیب ساجذبہ عیاں تھا۔ ان
میں شکیزے، مرہم پٹی کا سامان اور ہتھیار بھی تھے۔ اپنے قریب کھڑے ہوئے دو جوا
صمام نے جنگ کے دوران امداد کی حفاظت کرنے پر مامور کیا اور جب وہ واپس
لگا تو اسماء ایک طرف سے بھاگی ہوئی آئی اور اس کے گھوڑے کی باگ پکڑلی

"اب کیا دیر ہے صمام!" اس نے بڑی بیتابی سے پوچھا۔

صمام کچھ کہنے ہی والا تھا کہ یہودیوں کی صفوں سے ایک قوی ہیکل جوان
پاؤں تک لوہے میں غرق تھا باہر آیا اور زور سے چلایا۔

"تم میں کوئی ایسا ہے جو میرے مقابلے پر آئے" وہ اپنے گھوڑے سے
میدان کے وسط میں آکھڑا ہو گیا تھا۔

عین اسی لمحہ جنید اپنے گھوڑے کی باگیں مضبوطی سے پکڑ چکا تھا اور جب
صفوں کے سامنے آیا۔ اس نے اپنی تلوار بے نیام کرتے ہوئے صمام سے پوچھا
میں اس یہودی کے سامنے جانے کی اجازت مانگتا ہوں۔"

صمام اس کے قریب آیا۔

"میں خود ــــــــ"

جنید نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ہماری نسبت القطر کو تمہاری زیادہ ضرورت ہے۔" اس کے سا
جنید اپنا گھوڑا آگے بڑھا چکا تھا۔ جنید میدان کے وسط میں آکھڑا ہوا۔ اپنی تلو
ڈھال سنبھال کر وہ نیچے اترا اور بڑے خشوع سے گڑگڑاتا ہوا آگے بڑھا۔

"اے ربِ وحدہٗ لاشریک! اس میدان میں مجھے سرخرو اور سرفراز رکھنا"
"اے شاہِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر اپنی نگاہ کرم رکھنا"

جنید اس یہودی کے قریب آیا اور دونوں ایک دوسرے کو کھا جانے
سے دیکھتے ہوئے ایک دوسرے کے گرد چکر لگانے لگے تھے۔ دونوں لشکر دم

بے تابی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

دفعتاً اور اچانک وہ اپنی اپنی پوری مہارت سے ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے
پہلے دفاع کر رہے تھے۔ مگر جلد ہی ان کے حملوں میں تیزی آگئی اور وہ دفاع سے
خوفناک حملوں پر اتر آئے تھے۔

جنید بڑی خوبصورتی سے پہلو بدل بدل کر اپنے عمدہ فن کا مظاہرہ کر رہا تھا یہودی
ل پر چھا جانے کی بھرپور کوشش کی تھی مگر جنید نے اس کے ہر حربے کو بڑی سرعت
ناکام بنا دیا تھا۔

یہودی گو لوہے میں غرق ہونے کے باعث جنید کے ہر حربے کو ناکام بناتے ہوئے
م جنید اسے پوری طرح اپنے قابو میں کر چکا تھا۔ وہ اب مکمل طور پر یہودی پر چھا چکا
ایک موقع پر اس نے یہودی پر اچک کر ایک خوفناک وار کیا اور گردن کے قریب
زرہ کی کئی کڑیاں کاٹ دیں۔

یہودی خوفزدہ ہو گیا تھا۔

جنید کے لبوں پر مسکراہٹ تھی وہ یہودی کی موت کا دروازہ کھول چکا تھا جنید
ہ گیا تھا اس نے اپنی ڈھال کا بھرپور وار یہودی پر کیا اور جب اس نے یہ حملہ اپنی ڈھال
ل چاہا تو جنید نے تلوار کا سنسناتا ہوا وار اسی جگہ کیا جہاں وہ کچھ دیر پہلے اس کی زرہ
لڑیاں کاٹ چکا تھا۔ دوسرے لمحہ یہودی کا سر کٹ کر ریت پر گر گیا۔ جنید اپنے
ہ پر سوار ہو کر واپس اپنے لشکر میں آگیا تھا۔

میدان میں اب ہرثمہ نمودار ہوا۔ میدان کے وسط میں پہنچ کر گھوڑے پر بیٹھے
اس نے یہودی لشکر کی طرف دیکھتے ہوئے چلا کر کسی کو مقابلے کے لیے بلایا۔ ایک
ی تیزی سے یہودی لشکر سے نکلا اور آتے ہی ہرثمہ پر ٹوٹ پڑا۔ ہرثمہ بھی غافل
اس کی تلوار اپنی ڈھال پر روک کر ایک زوردار جھٹکا مارا اور یہودی گھوڑے سے
لیا۔

ہرثمہ نے جلدی جلدی گھوڑے کی زین سے بندھا ہوا نیزہ کھینچا اور گھوڑے

پر بیٹھے ہی بیٹھے نیزہ اس یہودی کے جسم میں پیوست کرتے ہوئے اسے دوبارہ اُٹھنے کا نہ دیا تھا۔ پھر وہ چھلانگ کر نیچے اُترا اور تلوار سے یہودی کی گردن کاٹ دی۔

یہودی کا آہنی خود اُتار کر ہرثمہ نے اس کا کٹا ہوا سر بالوں سے پکڑ کر یہودا کی طرف پھینک دیا اور زور سے چلّایا۔

"منافقت کے وارث یہودیو! آج کا دن تمہارے لیے حشر اور یوم ہو ہوگا۔ کیا تم میں کوئی اور بے جو میرے مقابلے پر آئے۔ قسم لات وعزیٰ کی جو تم مقابلے پر آیا۔ میں اسے خاک میں لتھڑا اور خون میں نہلا دوں گا۔"

یہودی لشکر کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا تھا اور ہرثمہ نے اپنے گھوڑے باگیں موڑ لی تھیں۔

○

دونوں طرف سکوت چھا گیا۔ ہرثمہ واپس لشکر میں آگیا تھا۔ جنید لشکر کے سے ہوتا ہوا لڑائی کے میدان کی دائیں طرف ٹیلوں کی اوٹ میں چلا گیا تھا وہاں سوسوار پہلے ہی اس کے منتظر کھڑے تھے۔

اسی طرح ہرثمہ میدان کے بائیں جانب جا چکا تھا۔ وہاں بھی لشکر کے سو اس کا انتظار کر رہے تھے۔ ایک بار طبل اور دف پھر زور سے بجنے لگے اور ساتھ یہودیوں نے ایک ساتھ حملہ کر دیا۔ وہ بڑے منظم طریقہ سے عربوں پر حملہ آور ہو لیے آگے بڑھ رہے تھے۔

عرب ابھی تک پُرسکون کھڑے تھے۔ پچھلی چار صفیں اپنے سامنے گڑے لکڑی کے تختوں کے پیچھے کھڑی تھیں۔ سب سے آگے والی صف ابھی تک اپنے تختو آگے کھڑی تھی اور اس کے سامنے صمام، جعفر اور سلیمان کھڑے تھے۔ انہوں نے گھوڑے لشکر کے پچھلی سمت بھیج دیئے تھے۔ ثعلب صفوں کے پیچھے عورتوں کی تنظیم میں مصروف تھا۔ عین اس وقت جب کہ یہودی لشکر عربوں کے تیروں میں آگیا تھا آگے کھڑے ہوئے صمام، جعفر اور سلیمان پہلی صف میں شامل ہو گئے

پھر صمام نے اپنی تلوار فضا میں بلند کی۔ سب عرب اپنے اپنے تختوں کے پیچھے چھپ کر گئے۔ اگلی صف بھی اپنے تختوں کے پیچھے ہو گئی تھی۔ پیچھے کھڑی ہوئی عورتیں ثعلب کے پر فوراً اپنی صفوں کے پیچھے ریت پر لیٹ گئی تھیں۔

عربوں نے تیروں کی ایک تیز بوچھاڑ ماری اور یہودیوں کی اگلی صف چھد کر رہ گئی ایک جھپکنے میں ہی تیروں کی ایک دوسری بارش آئی اور دوسری صف بھی ختم ہو کر رہ گئی۔

یہودی فوراً مشتعل ہو گئے۔ انہوں نے اب اپنے سامنے ڈھالوں کو آڑ بنا کر آگے بڑھنا ع کر دیا تھا۔ وہ ابھی تھوڑا ہی آگے بڑھے تھے کہ دائیں بائیں دونوں جانب سے جنید اور ہرثمہ کی سرکردگی میں کھڑے عربوں نے ریت کے ٹیلے کی آڑ لے کر ان پر تیروں کی بارش ر دی تھی۔

یہودی بوکھلا گئے مگر فوراً ہی اپنے سردار شمعون کے کہنے پر وہ زمین پر لیٹ لئے اور اپنے سامنے تیروں کی بوچھاڑ کرنے لگے۔ مگر سارے تیر لکڑی کے تختوں میں وست ہو کر رہ گئے اور کوئی عرب بھی زخمی نہ ہوا۔

کافی دیر تک ایک دوسرے پر تیروں کی بوچھاڑ ہوتی رہی۔ عرب ابھی تک فوظ تھے مگر یہودیوں کا لشکر کافی حد تک چھد گیا تھا۔ ناچار وہ کھڑے ہوئے اور اپنے منے ڈھالوں کی آڑ رکھتے ہوئے عربوں کی طرف بھاگنے لگے۔

یہودی جب بہت قریب آگئے تو صمام نے پھر تلوار فضا میں لہرائی۔ عربوں نے اور کمان زمین پر رکھ دیئے۔ کندھوں سے ترکش بھی اتار پھینکے۔ اپنی تلواریں اور ھالیں سنبھالتے ہوئے اٹھے اور یہودیوں پر ٹوٹ پڑے۔

تپتے ہوئے صحرا پر گھمسان کا رن پڑ گیا تھا۔ چاروں طرف بازو اور سر کٹ کٹ ر رہے تھے اور پھر عین اس لمحہ جب کہ لڑائی زوروں پر تھی جنید اور ہرثمہ ایک ساتھ سواروں کے ساتھ ٹیلوں کی اوٹ سے نمودار ہوئے اور یہودیوں پر ٹوٹ پڑے ، توشیبہ اور زہیر بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک ٹیلے پر کھڑے لڑائی کا منظر یکھ رہے تھے۔

جنید اور ہرثمہ کے حملہ آور ہونے سے لڑائی فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہوگئی تھی۔ عرب یہودیوں کو گھیر کر کچی شاخوں کی طرح کاٹ رہے تھے۔ یہودیوں نے جب دیکھا کہ ان کے صرف چند آدمی باقی رہ گئے ہیں۔ انہوں نے ہتھیار پھینک کر شکست تسلیم کرلی اور امان طلب کرنے لگے۔

عرب میدان جیت چکے تھے۔ انہوں نے یہودیوں کے خیموں کو لوٹ لیا۔ خانہ اور رسد کا سامان اپنے قبضے میں کرلیا۔ بہت سے یہودی جن میں ان کا سردار شمعون اور لڑکا بھی شامل تھے قیدی بنالیے گئے تھے۔

وہیں صحرا میں ہی ایک عہدنامہ مرتب ہوا جس کے تحت یہودیوں نے القطر کے عربوں سے جو بھی سود اور اصل رقم لینی تھی معاف کردی گئی۔ اس کے علاوہ یہودیوں نے عربوں کو ایک لاکھ دینار بطور تاوان بھی ادا کیا۔ اس کے صلے میں یہودیوں کے قیدی کردیئے گئے۔ اس کے بعد یہودیوں کا بچا کھچا اور لٹا پٹا یہ لشکر خالی ہاتھ اپنی اپنی بستیوں کو لوٹ گیا۔ عربوں نے ان کے مرنے والے سپاہیوں تک کے ہتھیاروں پر قبضہ کرلیا۔

عرب فتح کی خوشی میں جھوم اٹھے تھے۔ سب صمام کے طریقہ جنگ کی تعریف کر رہے تھے۔ جعفر بھاگتا ہوا ثعلب کے پاس آیا اور اس کی عبا پکڑے ہوئے کہا۔

"صمام نے وہ کام انجام دیا ہے جو اس بستی کا کوئی فرد بھی ادا نہ کرسکتا آج ہی اس کی شادی اسماء سے کردینا چاہتا ہوں۔ کیا تمہیں اس معاملہ میں کوئی ہے؟"

ثعلب مسکرا دیا۔

"مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے"؟

جعفر خوش اور مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔

"تو بس ابھی بستی میں واپس جاکر فتح کی خوشی کا جشن منایا جائے گا جس میں اور اسماء کی شادی ہوجائے گی"۔

قریب ہی کھڑی عزیہ اور حویرہ خوشی سے مسکرا اٹھی تھیں۔ ان کے پاس

لڑی ہوئی اسماء نے لجاتے ہوئے منہ دوسری طرف کرلیا تھا۔ بستی کی سب عورتیں اسے رشک بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

عکرمہ، زبیر اور توشیبہ بھی اپنے دو سو ساتھیوں کے ساتھ ٹیلے سے اتر کر القطر کے لشکر میں آشامل ہوئے۔ عکرمہ نے مسکراتے ہوئے صمام کو گلے لگا لیا۔

"تم واقعی ایک بہادر اور وطن پرست سالار ہو۔ تم نے آج جس طریقے سے یہودیوں کو شکست دی ہے اسے کوئی انجام نہ دے سکتا"۔

توشیبہ بھی بولی۔

"آج تم نے ثابت کردیا ہے کہ اس صحرا کی پیاس عربوں کے خون سے نہیں یہودیوں کے خون سے بجھے گی"۔

زبیر نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا

"تم نے آج وہ سب کچھ صحیح ثابت کردیا ہے جس کی ہم دونوں نے ایک امید کی تھیں"۔

صمام نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"یہ سب میرے ساتھیوں کی شجاعت اور خلوص کا نتیجہ ہے۔ میں اکیلا کیا سکتا تھا"۔

اتنی دیر میں جعفر تیز تیز چلتا ہوا صمام کے پاس آیا اور مسکراتے ہوئے کہا۔

"اب واپس چلیں صمام!"

صمام نے تائید کی۔

"ہاں اب چلنا چاہیئے"۔

سارا لشکر بستی کی طرف بڑھنے لگا۔ عکرمہ، توشیبہ، زبیر اور ان کے ساتھی بھی صمام کے پاس آکر اس کے ساتھ ہولیے تھے۔ بستی میں جاتے ہی سب سے پہلے صمام اور اسماء کی شادی ہوئی۔ اسماء بڑی سادگی سے اپنے باپ کے گھر سے اٹھ کر صمام کے گھر آگئی تھی۔ اس کے بعد ایک شاندار جشن کا انتظام کیا گیا۔ جس میں عکرمہ، توشیبہ اور زبیر کے علاوہ

ان کے ساتھیوں نے بھی بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔

عربوں کی یہودیوں پر یہ پہلی جنگی برتری تھی اور ان کی اس فتح سے صحرائے کے اندر حالات نے بڑی تیزی سے وقت کی عنان عربوں کے ہاتھ میں تھما دی تھی۔ نے اپنی اس شکست کو ایسی توہین جانا کہ وہ کئی روز تک سوگ مناتے رہے اور القط علاوہ انہوں نے دوسری عرب بستیوں اور نخلستانوں سے بھی اپنے قرضوں کی رقم کرنے کا سلسلہ عارضی طور پر بند اور منقطع کر دیا تھا۔

ابھی شام نہ ہوئی تھی تاہم سورج ریت کے ٹیلوں کی سیدھ تک نیچے ہو گیا تھا۔ عزیہ لمانا پکا رہی تھیں۔ ثعلب بھی ان کے پاس بیٹھا ہُوا تھا۔ ان کے دائیں جانب صمام نی کمند بنا رہا تھا اور اس کے پہلو میں اسماء بیٹھی اس کے لیے ایک نئی عبا سی

گھر میں بالکل سکوت تھا کہ اتنے میں زبیر گھبرایا ہُوا اندر داخل ہُوا۔ اس کے چہرے سے آ جا رہے تھے ـــــ اسے اس حالت میں دیکھ کر صمام کھڑا ہو گیا اور پریشان ہو کر

"کیا بات ہے ؟"

زبیر کی سانس پھولی ہوئی تھی۔

"ہماری جماعت پر مصیبت آن پڑی ہے۔"

صمام نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کمند ایک طرف پھینک دی۔

"کیسے اور کس طرح ؟"

ہمارے سردار کو پتہ چل گیا تھا کہ میں عکرمہ، توشیبہ اور دو سو دوسرے ساتھیوں نے ے جشن فتح میں شرکت کی تھی بلکہ ہم نے تمہیں جنگ میں مدد دینے کی بھی پیش کش

ھ کیا ہُوا ؟" صمام فکر مند ہو گیا تھا۔

ار کچھ دن تک، تو عکرمہ اور توشیبہ سے کبھی پیار اور کبھی سختی سے پوچھتا رہا کہ انہوں ں عکرمہ وہ دونوں بہن بھائی لگاتار انکار کرتے رہے۔ تنگ آ کر آج اس نے اور کئی اور ساتھیوں کو بستی کے باہر جمع کر رکھا ہے اور بڑی سختی برت رہا ہے۔

ہوسکتا ہے تھوڑی دیر میں لڑائی تک نوبت آجائے۔ مَیں بڑی مشکل سے چھُپتا
ہوں ــــــــ"!

اسماء نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی صمام کی عبا ایک طرف رکھ دی اور فکرمند
ہوگئی۔

صمام صحن میں چھپّر کی طرف بڑھا جلدی جلدی گھوڑے پر زین
پھر اسے دھانہ چڑھانے کے بعد اس نے زین سے بندھی ہوئی کمندوں اور خنجر
لیا اور باہر نکلتا ہُوا زبیر سے مخاطب ہُوا۔

"آؤ میرے ساتھ۔"

عزیہ تڑپ کر اٹھی اور صمام کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔

"اکیلے نہ جانا بیٹا!"

ثعلب اور حویرہ بھی قریب آکھڑے ہوئے تھے۔

اسماء آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور مدھم سی آواز میں بولی۔

"صمام! بابا اور سلیمان کو بھی اطلاع کر دو۔ اپنے سارے جوانوں
کر جانا۔ ہوسکتا ہے اہلِ صدف جنگ پر اُتر آئیں۔ مَیں بھی ساتھ چلتی ہوں
تو مَیں بستی کی دوسری عورتوں کو بھی تیاری کے لیے کہوں۔

"میں اکیلا نہیں جاؤں گا۔ اپنے تین ہزار ساتھیوں کو ساتھ لے کو
ہاں اسماء تمہارے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں۔ مَیں بہت جلد واپس آجاؤ
حتی الوسع جنگ سے بچنے کی کوشش کروں گا۔ مجھے اُمید ہے مَیں اِن دونوں
کوئی درمیانی راہ نکال لوں گا۔ مَیں اب جاتا ہوں۔ اس سلسلے میں ابھی مجھے
مشورہ کرنا ہے"۔ صمام اور زبیر دونوں باہر نکل گئے تھے۔

○

اہلِ صدف نے اپنے سردار اسحاق کی سرکردگی میں عکرمہ، توشیبہ اور ا
کو گھیر رکھا تھا۔ ایک طرف اسحاق، عکرمہ اور توشیبہ میں تلخ کلامی ہو رہی تھی کہ

ا چانک، نمودار ہوئے اور سب کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہوگئے۔

صمام، جعفر، ثعلب، جنید، ہرثمہ اور سلیمان اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے اندر
عکرمہ کے پاس آکھڑے ہوئے۔ ان دونوں بہن بھائی اور ان کے ساتھیوں کے چہروں
گئی تھی۔ عکرمہ اور توشیبہ دونوں کھسک کر صمام کے قریب آگئے۔ صمام نے عکرمہ

"کیا بات ہے؟"

توشیبہ فوراً بول پڑی۔

"ایک باپ اپنے بیٹے اور بیٹی سے انتقام لینے پر تُلا ہُوا ہے۔"

صمام نے اسحاق کی طرف دیکھا۔

"تمہارے ہوتے ہوئے ایسا نہیں ہوسکتا۔"

اسحاق نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا۔ "یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے تم اس میں دخل
سے اچھے نہیں لگتے۔ ایک دن وہ وقت ضرور آئے گا جب تمہیں اس کی بھاری قیمت
ڑے گی۔"

عکرمہ نے بڑی جرأت سے کہا۔ "اے میرے باپ! ایسا منحوس دن کبھی نہ

صمام نے بڑی نرمی سے اسحاق کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہارا ذاتی معاملہ نہیں سردار۔ شام میں بسنے والے سب عربوں کی عزّت
اور حمیّت کا معاملہ ہے اور ہم اس میں پوری طرح ملوث ہیں۔"

اسحاق نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"بہر حال مَیں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا کہ تم ہمارے معاملات میں
نجو
مَیں اپنے ساتھیوں کو مصیبت کے وقت تنہا کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔"

یہ پہلے میری بستی کے لوگ ہیں بعد میں تمہارے ساتھی۔

صلاح الدین اپنا گھوڑا اسحاق کے قریب لے آیا اور پہلے کی طرح نرم آواز میں کہا۔

"اے عکرمہ کے باپ! آج ہم القطر والوں پر جھونکنے والے یہودی کتے والوں کی طرف نگاہیں اُٹھا کر انہیں سانپ کی طرح ڈس بھی سکتے ہیں۔ ایسے موقع یہودی ہم سے شکست کھانے کے بعد شام کے عیسائیوں کو ہمارے سامنے لاکھڑ کی کوشش کر رہے ہیں۔ مَیں تم سے التماس کرتا ہوں۔ عربوں میں اتحاد پیدا کرنے بھی کوشش میں رکاوٹ نہ بنو۔"

اسحاق کا چہرہ غصّے میں اپنی ہیئت بدل گیا تھا۔

"مَیں اس معاملے میں کسی تاصح کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ جس راہ سے آئے راستے سے واپس چلے جاؤ اسی میں تمہاری بہتری اور بھلائی ہے۔"

"اگر مَیں نہ جاؤں پھر۔" صلاح نے اسے گھور کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"عقلمند ہو خود ہی اپنے انجام کا تصور کر لو"

صلاح نے اس بار اپنی دبکتی آواز میں کہا۔

"مجھے زبردستی کرنے پر مجبور نہ کرو۔ مَیں اپنے ساتھیوں کو کسی صورت نہیں کر سکتا۔"

اسحاق نے اپنی تلوار نکال لی۔

"قبل اس کے کہ میری تلوار تمہاری گردن کا خون چاٹنے کو بڑھا میں اُٹھے مَیں بار نہیں یہاں سے دفع ہو جانے کو کہتا ہوں اور یہ تمہارے لیے آخری موقع ہوگا

صلاح نے بھی اپنی تلوار بے نیام کر لی تھی اور اس بار اس نے غراتی ہوئی آواز

"عکرمہ، تو شبیہ اور ان کے ساتھیوں کو میرے حوالے کر دو میں چلا جاؤں گا

"یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ میں ان سے باز پرس کر کے انہیں ان کے جرم کی

گا۔"

"مَیں تمہیں ہرگز ایسا نہیں کرنے دوں گا" اس کے ساتھ ہی صلاح نے تلوار لہرائی۔ کچھ ایسے انداز میں کہ فضا میں سائیں سائیں کی آواز ابھر کر ڈوب گئی۔

اسحاق نے صلاح پر تلوار کا ایک بھرپور وار کیا۔

"دیکھتا ہوں کون میرے راستے کی دیوار بنتا ہے؟"

صلاح مسکرا رہا تھا۔

"تم میرے سامنے ریت کی ایک دیوار ہو جسے مَیں احتراماً گرانا نہیں چاہتا۔ وہ اس اور اپنی تلوار پر روک چکا تھا۔ اسحاق نے دوسرا وار کیا صلاح نے اسے بھی بڑی خوبصورتی سے اور نرمی سے کہا۔

"ابھی وقت ہے سنبھل جاؤ سردار! عربوں کے اتحاد اور یگانگت کے سامنے کھڑی نہ کرو۔ مَیں انہیں ایک کرنے کے بعد ایک ناقابلِ تسخیر قوت بنا کر یہودیوں کے لئے لاکھڑا کرنا چاہتا ہوں۔"

"مَیں تمہیں اور تمہارے ان خیالات کو ریت میں دفن کر دوں گا" اسحاق نے پھر تلوار لہرائی اور ابھی وہ تیسرا وار کرنا ہی چاہتا تھا کہ عکرمہ نے اپنی عبا کے اندر سے خنجر نکالا تاک کر پھینکا۔ خنجر اسحاق کے دل میں پیوست ہو گیا اور وہ گھوڑے سے نیچے گر پڑا صلاح اس کے قریب آیا اور غصّے میں کہا۔

"مَیں یہ کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ کوئی شخص میرے سردار پر ہاتھ اُٹھائے اور خاموش کھڑا رہوں۔ صلاح اور اردگرد کھڑے سب لوگ اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے ابھی قریب آ کھڑی ہوئی تھی۔

عکرمہ نے پھر ذرا دُکھ سے کہا۔

"کاش! میں تم جیسے غدارِ قوم کے ہاں جنم نہ لیا ہوتا۔ تم جیسے سردار کے بجائے قوم پرست چرواہے کے ہاں پیدا ہوتا تو مجھے فخر ہوتا۔"

اسحاق نے سسک سسک کر دم توڑ دیا۔ عکرمہ نے چند ساتھیوں کی مدد سے اسے ریت میں دبا دیا۔ اہلِ صدف سارا تماشہ بڑی پریشانی اور حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

عکرمہ اتنے میں گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنی بستی والوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"اے اہلِ صدف! تم میں جو لوگ عربوں کے اتحاد اور صلح کے خلاف ہوں یہیں کھڑے رہیں باقی سب لوگ بستی کو واپس چلے جاؤ۔"

جواب میں اہلِ صدف سب اپنی بستی کو چلے گئے تھے۔ گویا انہوں نے عکرمہ کو مکمل وفاداری کا اظہار کر دیا تھا۔

عکرمہ مسکرا دیا اور صمام کے قریب آتے ہوئے کہا۔

"سردار! اب اس صحرا میں عربوں کی طاقت ایک نیا روپ بدلے گی قدم قدم پر تمہارے ساتھ ہوں۔ میں اب تمہارے پہلو بہ پہلو اس وقت تک یہو تعاقب کروں گا۔ جب تک وہ اپنی موت سے بغل گیر نہیں ہو جاتے۔"

صمام نے ممنونیت سے کہا۔

"میں تمہارا شکر گزار ہوں۔"

"مجھے اب اجازت دیں۔ میں بستی میں جا کر بستی والوں کو ساری بات سمجھانے کوشش کرتا ہوں۔ ان میں سے کئی ایک کو سردار کی موت کا غم ہوگا۔ ان کے شبہات دور کرنا ضروری ہیں۔ ساتھ ہی اس نے اپنی بہن سے کہا۔

"آؤ توشیبہ!"

دونوں بہن بھائی چلے گئے صمام اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اپنی بستی کی طرف رہا تھا۔

○

ابھی وہ دونوں بستیوں کے درمیان ہی پہنچے تھے کہ زہیر پیچھے سے اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا۔ صمام کھڑا ہو گیا اور جب وہ قریب آ کر رکا تو اس نے فکر مندی سے پوچھا

"کیا بات ہے زہیر؟"

"میرے ساتھ سرائے میں چلو۔"

"کیوں؟"

"میں تمہیں حبابہ سے متعارف کرا دوں۔ وہ روزانہ تم سے ملنے کو کہتی

"کون حبابہ۔ وہ سرائے کی رقاصہ؟"

"ہاں!"

صمام نے اپنے گھوڑے کا رُخ موڑ لیا۔

"چلو۔"

دونوں اپنے گھوڑے سرپٹ دوڑاتے ہوئے سرائے میں داخل ہوئے۔ چھپر کے نیچے گھوڑے باندھنے کے بعد وہ ایک میز پر بیٹھ کر شراب پینے لگے۔ سرائے میں کچھ یہودی اور زیادہ تر بنی غسان کے شامی عیسائی بیٹھے ہوئے تھے جنہیں یہودی بھاری رقوم کے عوض اپنی مدد کے لیے بُلا رہے تھے۔ انہیں وہاں بیٹھے کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ہال نما کمرے میں ایک خوبصورت اور چھریرے بدن کی لڑکی اُتری اور رقص کرنا شروع کر دیا۔

صمام نے چور نگاہوں سے زہیر کی طرف دیکھا۔

"یہ ہے حبابہ؟"

زہیر نے سرگوشی میں کہا۔

"ہاں!"

"یہ تو رقص میں پہلی رقاصہ سے بھی زیادہ ماہر ہے۔"

"ہاں!"

"اور ہے بھی اس سے ——"

زہیر نے بات کاٹ دی

"خوب صورت۔"

"جس طرح اس کا چہرہ صاف ہے ویسے ہی اس کا دل بھی اُجلا ہے"

حبابہ جب رقص کرتی ہوئی اُن کے قریب آئی تو زہیر نے صمام کی طرف اشارہ ہوئے بڑی آہستگی سے کہا۔

"سردار ——"

رقص کرتے کرتے حبابہ نے ایک لمحہ کے لیے سر جھکا دیا۔ گویا رقص کے دوران

ہی وہ اپنے سردار سے وفاداری کا اعلان کر رہی ہو۔ وہ دوبارہ ان کے قریب نہ آئی اور تھوڑی دیر بڑا سحور کن رقص کر کے چلی گئی۔

صمام اور زہیر نے وہاں بیٹھ کر کچھ دیر تک جوا کھیلا پھر وہ بھی اُٹھ کر سرائے سے باہر نکل آئے۔ رات کافی جا چکی تھی اور صحرا میں ہر طرف چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ اپنے گھوڑے آہستہ آہستہ دوڑاتے ہوئے وہ سرائے سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر ہی آئے ہوں گے کہ کوئی ان کے راستے میں کھڑا ہو گیا اور ہاتھ لہرا کر انہیں رُکنے کو کہا۔

صمام اور زہیر دونوں نے تلواریں سونت لیں اور نیچے کود گئے۔ صمام جب اس قریب ہُوا تو اس نے دیکھا وہ حبابہ تھی۔ اس نے سفید عبا پہن رکھی تھی اور چاندنی رات میں سفید ریت پر کھڑی بڑی خوبصورت دکھائی دے رہی تھی۔ صمام نے حیرت سے کہا

"حبابہ تم!"

اس نے اپنے چہرے پر سے جالیدار نقاب ہٹا دیا۔

"ایک ضروری کام ہے سردار!"

"کیا؟" صمام نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"یہودیوں نے جس دن سے آپ کے ہاتھوں شکست کھائی ہے اسی دن سے وہ دوسری جنگ کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ شام کے غسانی قبیلہ کے عیسائیوں کو بھاری بھاری رقمیں دے کر اپنے پاس جمع کر رہے ہیں تاکہ وہ آئندہ تمہارے ساتھ جنگ میں ان کا ساتھ دیں۔

صمام فکر مند ہو گیا۔

"تم نے کیسے جانا؟"

"مجھ سے ان کی کوئی بات بھی چھپی نہیں رہتی۔ تم نے دیکھا نہیں سرائے میں کچھ عیسائی بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ سب کرائے کے ہیں۔ یہودی ہزاروں عیسائی جنگجو اور ان کے پیشہ ور جوانوں کو تمہارے مقابلے پر لا رہے ہیں۔"

"تمہارے خیال میں وہ کب تک جنگ کر سکتے ہیں؟"

اس کے لیے وہ کچھ ہی دن لیں گے۔ یہودیوں کی سب بستیوں میں اب ہتھیار بند اور مسلح عیسائی نظر آنے لگے ہیں۔"

صمام نے اس کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں ہم ان سب کا مقابلہ کریں گے۔ ان کے غلام بن کر نہ رہیں گے۔"

"تم بھی سب عربوں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرو۔"

"سب متحد ہو جائیں گے۔ لات و عزیٰ اس صحرا میں ہماری حفاظت کریں گے۔"

"اہل صدف!" حبابہ نے بڑی حیرت سے پوچھا۔

"وہ تو ہو بھی گئے۔"

حبابہ نے حیرانگی اور تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"کیسے اور کب؟"

"عکرمہ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا ہے۔ اب پوری بستی ہمارے ساتھ ہے۔"

حبابہ نے پُرسکون ہو کر کہا۔

"شکر ہے، اب اُمید ہے کہ ہماری قوم کا زیادہ عرصہ تک خون نہ بہے گا اور پھر ہم سب کو تم جیسے مخلص سالار کی کار کردگی پر فخر ہے۔"

صمام نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"مجھے تم جیسی قوم پرست بہن سے محبت ہے۔ میں تم جیسی مخلص، با اعتماد اور قوم پرست بہن کو سلام کرتا ہوں۔"

"میں اب پل پل کی خبریں تمہیں دیتی رہوں گی۔"

"تم سرائے سے کیسے نکلیں؟"

"میں روز اس وقت سیر کے بہانے نکلتی ہوں اور یہیں اور اسی وقت تمہیں روز کی اطلاعات مہیا کیا کروں گی۔ اب تم جاؤ مجھے واپس جانا چاہیے۔"

حبابہ لوٹ گئی۔ صمام اور زہیر آگے بڑھ گئے تھے۔

○

صام گھر میں داخل ہوا۔ ثعلب، عزیہ اور حویرہ سو چکی تھیں۔ صام گھوڑے کی باگ پکڑے جب صحن کے وسط میں آیا تو اسماء سامنے آئی اور اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔

"اتنی دیر لگا دی۔ بابا انتظار کرتے کرتے سو گئے ہیں"۔

"ذرا سرائے میں چلا گیا تھا"۔

"چلو بیٹھو"۔ اسماء نے بستر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

صام سامنے بستر پر بیٹھ گیا۔ اسماء گھوڑا باندھ کر آئی اور اس کے ہاتھ دھلاتے ہوئے پوچھا۔

"کوئی خاص کام تھا سرائے میں"۔

"ہاں"۔

"کیا"؟

"حبابہ سے ملنے گیا تھا"۔

"کون حبابہ" اسماء متفکر آواز میں بولی۔

"سرائے کی رقاصہ"

"کون ہے وہ"؟

"وہ ایک عرب لڑکی ہے اور ہماری ایک سرگرم رکن ہے۔ وہ یہودیوں کے ایک ایک پل کی خبریں پہنچاتی ہے"

"آج اس نے کیا کہا"؟

"یہودی غسانی عیسائیوں کو اپنے ساتھ ملا کر ہمارے ساتھ جنگ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ وہ ان عیسائیوں کو بھاری رقمیں دے رہے ہیں۔ حبابہ کہہ رہی تھی۔ کچھ دنوں تک وہ پھر جنگ کے لیے تیار ہو جائیں گے"۔

اسماء فکر مند ہو گئی تھی۔

"پھر"؟

"پھر کیا ہم بھی تیاری شروع کر رہے ہیں"۔

اسماء نے اس کے سامنے کھانا رکھ دیا۔

"دفع کرو ان باتوں کو، کھانا تو آرام سے کھاؤ نا"۔

"پہلے پانی پلاؤ"۔

اسماء نے اُٹھ کر اسے پانی دیا۔ صام کھانا کھانے لگا اور اسماء اس کے پاس بیٹھ کر اونٹ کی ہڈی سے بنی ہوئی ایک پنکھی سے اسے ہوا دینے لگی تھی۔

صحرائے حماد سے پھر خون کی بُو آنے لگی تھی۔ یہودی اپنی ساری تیاریاں مکمل کر چکے تھے۔ صحرا میں کہیں کہیں نظر آتی ہوئی عربوں کی بستیوں میں بھی مکمل اتحاد اور اتفاق ہو چکا تھا۔ یہودی صحرا میں جنگ کی بھٹی گرم کرنے کے لیے اب کوئی معمولی بہانہ ہی تلاش کر رہے تھے اور پھر ایک روز انہوں نے اچانک القطرا اور صدف والوں سے اپنے سود کے واجبات طلب کر لیے جو وہ پچھلی جنگ میں ہزیمت اُٹھانے کے بعد معاف کر چکے تھے۔ عربوں نے ان کے اس مطالبے کو ٹھکرا دیا۔ نتیجہ وہی ہُوا جس کی یہودی آس لگا بیٹھے تھے اور ایک روز دونوں قومیں صحرا میں ایک دوسرے کے سامنے صف آرا ہو گئیں۔ یہودیوں کی تعداد اس بار پہلے سے کئی گنا زیادہ تھی اور وہ بہتر اسلحہ سے لیس بھی تھے۔ عربوں کی تعداد بھی پہلے سے کئی گنا زیادہ تھی پھر بھی یہودی لشکر کی تعداد ان سے دس گنا سے کم نہ ہو گی۔

دونوں لشکروں میں جو ایک دوسرے کے سامنے صف آرا تھے کچھ دیر تک شور مچا رہا۔ گھوڑے اِدھر اُدھر دوڑتے رہے۔ چمکتے ہوئے ہتھیار کھنکھناتے رہے جب ذرا سکوت ہُوا تو یہودی لشکر سے ایک قوی ہیکل جوان ترکی گھوڑے پر سوار میدان میں اُترا اور عربوں کی طرف مُنہ کر کے مقابلے کے لیے پکارا۔ وہ اس طرح لوہے میں چھپا ہُوا تھا کہ اس کے جسم پر کوئی کپڑا تک دکھائی نہ دے رہا تھا۔ قد و قامت میں وہ ایک کوہ پیکر انسان تھا۔ جو شاید یہودیوں نے کافی سرمایہ خرچ کر کے منگایا ہو گا۔

عربوں کی طرف سے ہرثمہ میدان میں اُترا۔ ہرثمہ تھوڑی دیر ہی اس کے سامنے جم سکا۔ وہ یہودی بلا کا ماہر تیغ زن اور جنگجو تھا۔ چند لمحوں تک اس نے ہرثمہ کو بچوں

کی طرح کھلایا پھر ایک جھٹکے سے اس کا سر کاٹ دیا۔

بنو غسان کے اس عیسائی نے پھر عربوں کو مقابلے کے لیے بلایا۔ میدان میں اس بار زہیر اُترا۔ شروع شروع میں زہیر نے اس پر چھا جانے کی کوشش کی مگر جلد ہی اس غسانی نے اسے بے بس کر دیا اور اپنی تلوار اس کے سینے میں اتار دی۔ زہیر اوندھے منہ زمین پر گر کر ختم ہو گیا تھا۔

میدان میں اس بار جنید نے اُترنا چاہا۔ مگر صمام نے آگے بڑھ کر اس کے گھوڑے کی لگام تھام لی۔

"ٹھہرو جنید! میں خود جاؤں گا۔"

جنید نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔

"تم اگر میدان میں کام آ گئے تو لشکر میں بددلی پھیل جائے گی۔ میرے ختم ہو جانے سے کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ ہرثمہ اور زہیر کی موت نے پہلے ہی ہمارے لشکر پر بُرا اثر ڈالا ہے۔ ویسے میرا دل کہتا ہے میں اس عیسائی کو زیر کر لوں گا۔"

صمام اپنا گھوڑا بڑھا چکا تھا۔

"یہ بحث کا وقت نہیں۔ دعا کرو میں کامیاب و سرفراز لوٹوں۔"

صمام اس عیسائی کے سامنے جا کھڑا ہُوا اس نے بڑی تمکنت و استہزا سے پوچھا۔

"کیا تم ہی صمام بن ثعلبہ ہو؟"

صمام نے اثبات میں سر ہلایا۔

غسانی مسکرا دیا۔

"اب میرے مقابلے میں مناسب شخص آیا ہے۔" اس کے ساتھ ہی اس نے [illegible] پر ایک خطرناک وار کر دیا۔ جسے صمام نے بڑی مہارت سے اپنی ڈھال پر لیا۔ پھر [illegible] لگاتار اندھا دھند ایک دوسرے پر حملے کرنے لگے تھے۔ صمام چوکنا تھا۔ ایک [illegible] غسانی اس پر حملہ کر کے پیچھے ہٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ صمام نے اسے دھکا [illegible] گھوڑے سے نیچے گرا دیا اور خود بھی نیچے کود گیا۔

دونوں پھر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے۔ غسانی کے حملہ آور ہونے کا انداز تھا کہ صام محسوس کرنے لگا تھا کہ وہ ایک منجھا ہُوا اور لاجواب تیغ زن ہے۔ دوسری طرف بھی خطرے کی بُو سونگھ چکا تھا۔ اس نے بھی محسوس کر لیا تھا کہ اس کے سامنے کوئی نہیں ایک خوفناک چیتا کھڑا ہے۔ تاہم دونوں ہی ایک دُوسرے سے موت کی کر رہے تھے۔

صام بڑے ماہرانہ انداز میں اپنا دفاع کر رہا تھا۔ اس نے کئی بار اس غسانی پہ وار بھی کیے جو یقیناً اس کے لیے مہلک ثابت ہوتے اگر وہ بُری طرح لوہے میں ڈھکا ہُوا نہ ہوتا۔ غسانی بھی صام پر چھا جانے کی پوری کوشش کر چکا تھا مگر کامیاب نہ ہُوا تھا سے شاید وہ اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ تیغ زنی میں شاید اسے مات نہ کر سکے اور ایسا نہ ہو کر خود ہی موت کا شکار ہو جائے۔ لہٰذا وہ صام کو ایک زور دار جھٹکا دے کر پیچھے ہٹا اپنے گھوڑے کی طرف بھاگا۔ وہ شاید گھوڑے کی زین سے بندھا ہُوا کلہاڑا لے کر ایک ہُو کی ابتدا کرنا چاہتا تھا۔

صام بھی غافل نہ تھا۔ بھاگ کر وہ بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور عین جب کہ غسانی اپنا کلہاڑا سنبھال کر اس پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا صام نے زین سے کمند کھول کر اس کی طرف پھینکی اور پھر ایک جھٹکے سے کھینچتے ہوئے۔ گھوڑے کو ایڑ لگا کی گردن کمند میں پھنس چکی تھی اور صام کا گھوڑا اسے بُری طرح ریت پر گھسیٹتے

صام جلدی جلدی اپنے گھوڑے سے اُترا اور غسانی کے جسم کا کچھ حصہ ننگا کر کے ایک بھرپور وار سے اس نے اس کا سر جسم کاٹ کر دو ٹکڑے کر دیا اور کمند خالی کر کے پر سوار ہو گیا۔

غسانی قبیلے کا ایک اور جوان اپنا گھوڑا دوڑاتا ہُوا صام کے سامنے آ کھڑا ہُوا نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"مَیں تمہیں مقابلے کی دعوت دیتا ہوں۔"

صام شاید پہلے ہی تاک میں کھڑا تھا۔ ایک دم اس پر کمند پھینک دی۔ مگر

ا تھی کا انجام دیکھ کر محتاط ہو چکا تھا، تلوار مار کر کند ایک طرف ہٹا دی۔ پر سحر انگیز محتاط تھا اتنی دیر تک وہ دوسری کمند پھینک چکا تھا جس نے اس کی گردن کو آ لیا اور دوسرے ایک مضبوط جھٹکے نے اسے ریت پر گرا دیا۔ صام نے نیچے اُتر کر اسے بھی قتل کر دیا اور اپنی مالی کر کے گھوڑے کو دوڑاتا ہُوا اپنے لشکر میں واپس آ گیا تھا۔ دونوں طرف سے مرنے والوں تعداد برابر ہو گئی تھی لہٰذا عربوں کے حوصلے پھر بلند ہو گئے تھے۔

اتنے میں ایک اور غسانی میدان میں آ کھڑا ہُوا۔ جنید اسے دیکھتے ہی خونخواری سے ال کی طرف لپکا۔ اس کے قریب آ کر اس نے تلوار فضا میں لہرائی پھر کلمہ طیبہ پڑھا اور بڑی اں سے کہا۔

"بارِ الٰہی! اس بھرے میدان میں مجھے مایوس نہ کرنا۔ اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ ے طفیل مجھے یہاں سے سرخرو نکالنا۔"

اس کے بعد اس پر کچھ ایسا نشہ طاری ہُوا کہ وہ بالکل وحشیوں کی طرح اس غسانی ٹوٹ پڑا تھا۔

جنید اپنی تلوار اور ڈھال کے کچھ اس قدر پھرتی اور تیزی سے وار کر رہا تھا کہ غسانی ا لیا۔ جنید مکمل طور پر اس پر چھا گیا تھا اور تھوڑی ہی جدوجہد کے بعد وہ اس غسانی کا لم کر چکا تھا۔ خدا کا شکر ادا کرتا ہُوا وہ اپنے لشکر میں لوٹ آیا تھا۔

یہودیوں نے ایک دم عام اور بھرپور حملہ کر دیا۔ عرب بھی ڈٹ گئے تھے۔ صبح سے دوپہر تک گھمسان کا رَن پڑا۔ سر اور بازو کٹ کٹ کر گرتے رہے۔ سُرخ سُرخ ریت پر انی اعضاء کے ڈھیر لگنے لگے تھے۔

سہ پہر کے قریب یہودیوں کا ایک تازہ دم دستہ آ گیا جو شاید انہوں نے اسی خاطر کھا ہُوا تھا۔ اس کے جنگ میں کُودتے ہی نقشہ بدل گیا۔ عرب بد دل ہو گئے اور یہودی ں بُری طرح کاٹنے لگے۔ شام تک عربوں کا قتلِ عام ہوتا رہا۔ جو بچے انہوں نے ہتھیار ڈال امان طلب کی۔ صام کو زندہ گرفتار کر لیا گیا تھا۔

صمام کی حالت بہت بُری تھی۔ اس کا بدن لہولہان تھا۔ کپڑے خون آلود اور ہوئے تھے۔ ایک تنگ کوٹھڑی میں وہ لوہے کی سلاخوں کے پیچھے بند کر دیا گیا تھا۔ کوٹھ میں ایک اور آدمی بھی قید تھا۔ جس کی ہتھکڑی دیوار میں لگے ہوئے ایک مضبوط کڑے سے ہوئی تھی۔ صمام بھی اسی طرح دوسرے کونے میں بندھا ہُوا تھا۔

دو دِن تک کسی نے بھی اس سے کوئی تعرض نہ کیا تھا۔ تاہم اسے یقین ہو گیا تھا موت یقینی ہے۔ زندگی کا ساتھ دینے کے لیے اسے تھوڑا بہت کھانا بھی مہیا کیا جاتا۔ تیسرے روز اسے اور دوسرے قیدی کو باہر نکالا گیا۔ ایک ہی ہتھکڑی کا ایک سرا صمام دیا گیا اور دوسرے سرے سے دوسرے قیدی کو باندھ دیا گیا۔ دونوں کو دس ہتھیار بند جوا کی نگرانی میں القطر میں لایا گیا۔ بستی میں داخل ہونے سے قبل ان میں سے ایک یہودی صمام سے کہا۔

"اپنی بستی کو جی بھر کے دیکھ لو۔ یہ ہمارے سردار کا حکم ہے کیونکہ کل سورج ہوتے ہی تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔"

صمام اور دوسرے قیدی کو ایک بار پوری بستی میں گھمایا گیا۔ بستی بالکل اجڑی تھی۔ چند بوڑھے مرد اور عورتیں ہی دکھائی دے رہے تھے۔ صمام جب اپنے گھر کے پاس گزرنے لگا تو رُک گیا اور بڑی اداسی سے اپنے گھر میں جھانکا۔

مایوسی سے وہ آگے بڑھنے ہی والا تھا کہ اندر سے اسماء بھاگتی ہوئی آئی اور اس لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ دوسرے قیدی نے آگے بڑھنے کے لیے اسے کھی صمام نے اسے خشمگین نگاہوں سے دیکھا اور اسے اپنی طرف کھینچا۔ اس قیدی نے غصّے پھر اسے آگے کھینچا۔ صمام نے پھر ایک مضبوط جھٹکے سے اسے کھینچا اور اسماء کو لپٹا کر دینے لگا۔

دوسرا قیدی بپھر گیا اور ایک خوفناک مکّہ صمام کے مُنہ پر دے مارا۔

خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئی تھی اور صمام بڑی بے بسی سے زمین پر گر گیا تھا۔ ابھی وہ اُٹھ رہا تھا کہ اس قیدی نے ایک اور مکّہ اسے دے مارا۔ صمام پھر زمین پر گر گیا اور اس کے

خون بہہ نکلا۔ اسماء پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ بے بس تھی، بچاری، کس کو مدد کے لیے پکارتی۔

صمام کی بہت بُری حالت ہو رہی تھی۔ ہتھکڑی میں اس کا بایاں ہاتھ بندھا ہُوا تھا اور دوسرے قیدی کا بایاں ہاتھ اس لیے اس کا بس نہ چل رہا تھا۔ تاہم زندہ رہنے کی اُمید میں ایک بار پھر اُٹھا وہ قیدی پھر حملہ آور ہُوا۔ مگر صمام اپنا آپ بچا گیا۔ دائیں ہاتھ کو کھینچ کر صمام نے اسے ذرا اپنے قریب کیا اور اسی ہاتھ کا ایک بھرپور وار اس کے مُنہ پر کیا۔ دوسرا قیدی دوسرا ہو کر زمین پر گر گیا اس کے چہرے پر ایک گہرا زخم آ گیا تھا۔ صمام نے آگے بڑھ رجب اس پر سوار ہونا چاہا تو یہودیوں نے تلواروں کی نوک پر اسے آگے بڑھنے سے روک دیا۔

جب وہ دونوں کولے کر آگے بڑھنے لگے تو اسماء بھاگ کر پھر صمام سے لپٹ گئی اور ی جلدی اس کی عبا کے اندر چمڑے کی پیٹی میں لوہا کاٹنے کی ایک ریتی اُڑس دی پھر وہ وکران یہودیوں کی منتیں کرنے لگی۔

"تمہیں داؤدؑ کی قسم میرے شوہر کو نہ لے جاؤ۔"

"تمہیں موسےٰؑ کی قسم اسے چھوڑ دو۔"

یہودیوں نے اسے دھکے دے کر دُور ہٹا دیا اور صمام کو لے کر آگے بڑھ گئے۔ اسماء ی بڑی بے بسی سے رو رو کر صمام کو جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

○

دونوں کو پھر اسی کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا تھا۔ دوسرا قیدی اب صمام سے کچھ خوفزدہ ا لائی دے رہا تھا۔ صمام اسے برابر گھورے جا رہا تھا۔ وہ اس سے خطرے کی بُو پا چکا تھا۔ رات ا ایک گزر چکی تھی لہٰذا باہر مکمل سکوت چھایا ہُوا تھا۔ صمام کو معلوم تھا صبح سورج طلوع ہونے قبل ہی اسے قتل کر دیا جائے گا لہٰذا اس کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔

اس نے دوسرے قیدی سے بڑی سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔

"تم نے میری بستی میں جا کر مجھ پر حملہ کیوں کیا تھا؟"

وہ خوفزدہ ہو گیا اور ہکلاتے ہوئے کہا۔

"ان یہودیوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر میں تمہیں ختم کر دوں تو مجھے رہا کر دیا جائے گا ——"

"تمہارا نام کیا ہے؟"

اس نے بجھی ہوئی آواز میں کہا۔

"عیاض بن وہب۔"

"عرب ہو؟"

"ہاں۔ بنی غسان سے ہوں۔"

"یہودیوں نے میرے قبیلے کے لوگوں کو اس صحرا میں آباد دوسرے عربوں سے برآیادہ کر لیا تھا۔ میں نے اس کے خلاف آواز اٹھائی کہ ہم عرب آپس میں نہیں لڑیں مگر بنو غسان یہودیوں سے بھاری رقوم لے چکے تھے لہذا انہوں نے مجھے ان یہودیوں حوالے کر دیا ہے۔ اب دیکھیں کیا بنتا ہے۔"

صمام نے بڑی نرمی سے پوچھا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ مجھے قتل کرنے کے بعد یہودی تمہیں رہا کر دیں گے۔"

عیاض سوچنے لگا۔

"اس عیار قوم کے وعدے کا کوئی اعتبار نہیں۔ مگر تم کون ہو۔"

"میں القطر کا بدقسمت عرب ہوں۔ میرا نام صمام ہے۔"

عیاض پریشان ہو گیا۔

"تو کیا تم لوگ شکست کھا چکے ہو؟"

"ہاں!"

"مجھے افسوس ہے شاید ہم دونوں کی یہ آخری رات ہو۔"

صمام نے اس کی ہمت بندھائی۔

"تم اگر میرا ساتھ دو تو ہمارے یہاں سے بھاگ نکلنے کی امید پیدا ہو سکتی ہے۔"

عیاض کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"کیسے؟"

"پہلے وعدہ کرو۔"

"میں موت تک تم جیسے بہادر عرب کا ساتھ دوں گا۔"

صمام نے عبا کے اندر سے ریتی نکالی اور عیاض کی زنجیر کاٹنے لگا۔ کوئی آدھ گھنٹے کی قلاش کے بعد وہ زنجیر کاٹ چکا تھا۔ اس کے بعد عیاض نے اس کی زنجیر کاٹ دی۔

صمام نے پھر سرگوشی کی۔

اب ہم مصنوعی جھگڑا کرتے ہیں اور لڑتے ہوئے خوب شور بھی کریں گے۔ ظاہر ہے پہریدار اگر کوئی باہر ہے تو وہ ہمیں دیکھنے اندر آئیں گے۔ اس سے آگے ہمیں کیا کرنا ہے تم سمجھ ہی گئے ہو گے۔"

دونوں آپس میں لڑتے ہوئے شور کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد کوٹھڑی کا دروازہ کھلا اور ایک پہریدار اندر آیا۔ عیاض بھوکے چیتے کی طرح اس کی طرف لپکا اور اس کا گلا گھونٹ دیا۔ پھر دو اور پہریدار اندر آئے۔ صمام نے زنجیر اٹھا کر پوری قوت سے ایک کے سر پر دے ماری۔ وہ چیختا چاہتا تھا کہ عیاض نے اس کا منہ بند کر دیا۔ تیسرے پہریدار کا صمام نے گلا گھونٹ دیا تھا۔

پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے وہ باہر آئے۔ ادھر ادھر دیکھا کوئی بھی نہیں تھا۔ رات کے اس سمے ہر طرف سکوت طاری تھا۔ بڑے محتاط انداز میں وہ اس قید خانے سے باہر آئے پھر گلیوں میں مکانوں کے سائے کی اوٹ لیتے ہوئے وہ بستی سے نکل کر صحرا میں بھاگ رہے تھے۔

لگاتار ایک میل بھاگنے کے بعد عیاض رک گیا اور صمام سے پوچھا۔

"اب تم کہاں جاؤ گے؟"

"مجھے اپنی زندگی کا نئے دور شروع کرنا ہے۔ فی الحال میں حالات کا جائزہ لینے سے قبل کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

عیاض نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

"پھر مجھے اجازت دو۔ شاید قسمت کے کسی موڑ پر پھر ملیں اس وقت تک بھی شاید بدل چکے ہوں۔ میں تمہارا ساتھ دیتا۔ مگر میں نے ان یہودیوں سے انتقام کی خاطر نئی راہ تلاش کرنی ہے۔"

دونوں گلے ملے اور مخالف سمتوں کو دوڑنے لگے تھے۔

صمام اپنی بستی میں داخل ہوا۔ ہر طرف سناٹا اور ہُو کا عالم تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا ۔ یہاں کوئی بستا ہی نہ ہو۔ چھپتا چھپاتا اور سائے کی اوٹ لیتا ہوا وہ اپنے گھر داخل ہوا۔ ۔ بکری صحن میں اِدھر اُدھر گھوم پھر رہی تھی۔ صمام کو دیکھ کر وہ ممیانے لگی۔ شاید ۔ کی تھی۔

صمام اندر داخل ہوا اور گھر کا جائزہ لینے لگا۔ اس نے سارے کمرے دیکھ مارے ۔ کوئی نظر نہ آیا۔ ناچار وہ صحن میں آیا اور ہلکے سے پکارا۔

"اسماء!"

اس کی آواز مکان میں گونج کر رہ گئی۔

اس نے پھر پکارا:

"اسماء! اسماء! باہر آجاؤ میں صمام ہوں۔ ڈرو نہیں۔"

مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا، وہ پریشان ہو گیا۔ گھر کے سارے کمرے دیکھنے کے ۔ وہ واپس مڑا ہی تھا کہ دنگ رہ گیا۔ صحن میں ایک طرف کھجور کے درخت تلے ایک تازہ ۔ ہوئی تھی۔ بوجھل قدموں سے وہ ادھر آیا۔ بڑی اداسی سے کچھ دیر تک قبر کو گھورتا ۔ بیٹھ کر اس کی مٹی درست کرنے لگا۔

وہاں بیٹھے ہوئے اسے چند ہی لمحے ہوئے تھے کہ ایک ضعیف اور ناتواں عورت جو ۔ سایہ تھی لاٹھی ٹیکتی ہوئی صحن میں داخل ہوئی اس کے قریب آکر وہ رُک گئی اور ۔ سے پکارتے ہوئے اس نے کہا۔

"تم آگئے بیٹا!"

صمام نے نظر اُٹھا کر اس کی طرف دیکھا اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں ــــــــ "خالہ اسماء کا کچھ پتہ ہو"۔

بڑھیا کی گردن جھک گئی تھی اور ڈوبتی آواز میں اس نے جواب دیا۔

"یہ اسی بدنصیب کی قبر ہے"۔

صمام کے آنسو قبر پر گرنے لگے۔

"کیا ہُوا اسے"؟

"آج دن کے وقت یہودیوں کے سردار کا لڑکا داؤد یہاں آیا تھا اس نے اپنی عزت لوٹنا چاہی۔ اس بیچاری کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔ لہٰذا اس نے اپنے سینے میں گھونپ کر خودکشی کر لی"۔

صمام کا سر جھک گیا اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی تھی۔

بڑھیا پھر بولی۔

"اسماء نے تمہارے گھوڑے کو آخری نشانی سمجھ کر اندر چھپا دیا تھا۔ اس بچا ارادہ تھا کہ اگر کوئی خطرہ ہُوا تو یہاں سے بھاگ کر کہیں چلی جائے گی۔ مگر موت نے بھاگنے کی مہلت نہ دی۔ وہ کہہ رہی تھی میں اپنے شوہر سے ایک بار ضرور ملوں گی افسوس اس بیچاری کی یہ حسرت پوری نہ ہو سکی اور وہ خود بھی ہمیشہ کے لیے کوچ کر گئی"۔

صمام کھڑا ہو گیا اور اس کی گہری گھمبیر آواز سنائی دی۔

"میرا گھوڑا کہاں ہے خالہ"۔

"میں اپنے گھر لے گئی ہوں"۔

صمام نے قبر سے مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور پھٹی ہوئی عبا کے ایک کونے میں باندھ پھر قبر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اسماء! میں یہ مٹی تمہارے قاتل کے خون میں ڈبو کر تمہاری قبر پر ڈالوں گا"

بڑھیا کے ساتھ وہ اس کے گھر میں آیا۔ ایک طرف اس کا گھوڑا کھڑا تھا۔ کے ساتھ خنجر اور کمندیں اسی طرح لگی ہوئی تھیں۔ صمام نے بہر بردار سے چھینی ہوئی

گھوڑے کی زین سے باندھتے ہوئے پھر بڑھیا سے پھر پوچھا۔

"بستی میں کون کون ہے"؟

بڑھیا نے رُندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"کوئی بھی نہیں سب کو یہودیوں نے تہ تیغ کر دیا ہے۔ صرف چند بوڑھے جو چلنے پھرنے سے قاصر ہیں انہیں بستی کی اس حالتِ زار پر رونے کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے۔

"اہلِ صدف کا کیا ہُوا"؟

"وہ بھی قتل کر دیئے گئے ہیں۔ سردار کا لڑکا عکرمہ اور اس کی لڑکی توشیبہ بھی قتل ہو چکے ہیں"۔

صمام کا سر جھک گیا تھا۔

"ہماری بستی سے کوئی نہیں بچا"۔

"سُنا ہے جنید اور سلیمان بچ گئے تھے اور کہیں بھاگ گئے ہیں۔ کہاں بھاگ گئے ہیں یہ کسی کو کوئی خبر نہیں۔ ہاں بستی کا ایک بوڑھا شخص کہہ رہا تھا کہ وہ صحرائے حماد کے اس پار مسلمانوں سے مدد لینے گئے ہیں"۔

صمام نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا

"مسلمانوں سے مدد لینے"۔

بڑھیا نے پھر اپنی لاغر اور کمزور آواز میں کہا۔

"ہاں، وہ شخص کہہ رہا تھا۔ جنید اور سلیمان اس وقت سے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔ جب کبھی وہ کعبہ کا طواف کرنے گئے تھے۔ انہوں نے اپنا مذہب چھپا رکھا تھا۔ وہ شخص بھی کہہ رہا تھا کہ جنید اور سلیمان مجھے مل کر اور سب کچھ بتا کر صحرائے حماد کے اس پار مسلمانوں سے مدد لینے گئے ہیں"۔

صمام گھوڑے پر سوار ہوتا ہُوا بولا۔

"میں اب چلتا ہوں خالہ"۔

بڑھیا نے دُکھ سے پوچھا۔

"کہاں جاؤ گے؟"

"کہیں اور جا کر قسمت آزماؤں گا اور پھر ایک دن ان یہودیوں سے انتقام لینے کی خاطر ضرور لوٹ کر آؤں گا۔ اگر میں ایسا نہ کر سکا تو اپنے آپ کو ختم کر لوں گا۔"

بڑھیا نے پُر اُمید ہو کر کہا۔

"تمہارے اس طرح بچ نکلنے سے میں محسوس کرتی ہوں کہ لات و عزیٰ تم سے بہت بڑا کام لینا چاہتے ہیں۔ شاید ان عرب بستیوں کو تم دوبارہ آباد کرنے میں کامیاب ہو جاؤ۔"

صہام نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور جب وہ گھوڑے کو موڑ کر باہر نکلنے لگا تو بڑھیا نے اس کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور دھیما سی آواز میں کہا۔

"تم بھوکے ہو گے۔ میرے پاس کچھ بچا ہوا کھانا ہے۔ کھاتے جاؤ۔"

"دیر ہو جائے گی خالہ! یہودیوں کو اگر میرے بھاگ نکلنے کی اطلاع ہو گئی تو کے آدمی میری تلاش میں چاروں طرف پھیل جائیں گے اور میں بچ کر نکل نہ سکوں گا

"پھر ذرا ٹھہرو۔ میں تمہارا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتی۔ لیکن یہاں سے تمہیں بھی نہ جانے نہ دوں گی۔"

بڑھیا جلدی جلدی اندر گئی اور تھوڑا سا کھانا اور کچھ کھجوریں لا کر اس کے گھوڑے کی خرجین میں ڈال دیں۔ صہام نے بڑھیا کا شکریہ ادا کیا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر وہ نکل گیا تھا۔

○

ایک روز جب کہ سورج طلوع ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی۔ صہام مرج راہط داخل ہو رہا تھا۔ اس کے کپڑے اسی طرح پھٹے ہوئے اور خون آلود تھے۔ اس کی کلائیاں میں یہودیوں نے زنجیریں پہنا دی تھیں ابھی تک زخمی تھیں وہ اپنے گھوڑے پر سوار فلا اس کا سر زین کے ہتے کی طرف جھک گیا تھا۔ شہر کے بازار سے گزرتے ہوئے اس کی ربطہ پر پڑی وہ دودھ لے کر کلیسا کی طرف جا رہی تھی۔ صہام نے ایک سرسری نگاہ ا

ڈالی پھر سامنے دیکھتے ہوئے آگے بڑھنے لگا۔

ربطہ بھی اسے دیکھ چکی تھی۔ اسی لیے اس نے صہام کو آواز دے کر پکارا۔

"صہام! صہام! ٹھہرو! میری بات سنو!"

اس نے کوئی دھیان نہ دیا اور اسی طرح سر جھکائے آگے بڑھتا رہا۔ اس کا رخ ابدی ائے کی طرف تھا۔

ربطہ پھر چلائی اور صہام کو پکارا۔

"صہام! صہام!"

مگر وہ بے تعلق سا ہو کر آگے بڑھتا رہا۔ ربطہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اس کے سامنے ئی ہوئی اور تیز آواز میں احتجاج کیا۔

"سنتے کیوں نہیں ہو؟ میں نے تمہیں کئی بار پکارا پر تم نے کوئی دھیان نہ دیا" صہام ں رہا اور اپنا سر زین کی طرف جھکائے رکھا۔ وہ بے حد مغموم اور اداس تھا۔

ربطہ نے دُکھ سے پوچھا۔

"یہ تم نے اپنی حالت کیا بنا رکھی ہے۔ تمہارے کپڑے خون آلود ہیں کیا تم زخمی ہو؟"

صہام نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا۔

ربطہ نے اس کی ٹانگ پکڑ کر ہلائی اور ملتجی و متعجبی لہجے میں پوچھا۔

"بولتے کیوں نہیں؟ کیا تمہارا کسی سے جھگڑا ہوا ہے یا تمہارے کاروان پر کسی ا لر دیا ہے۔"

صہام نے بھرائی ہوئی آواز میں طنزاً کہا۔

"مذہب کی جو راہ تم نے اختیار کر رکھی ہے اس میں تم ایک غیر مرد سے اس طرح ے نکلنے سے باتیں کرتی اچھی نہیں لگتی۔ جاؤ کلیسا کی طرف چلی جاؤ۔"

ربطہ کے دل میں نشتر سا لگا۔ ندامت سے اس کا سر جھک گیا تھا۔ صہام نے گھوڑے ائی اور آگے بڑھ گیا تھا۔

اربد کی سرائے کے بیرونی دروازے کے پاس وہ گھوڑے سے اترا اور اس کی

باگیں پکڑ کر اندر داخل ہوا۔ سامنے ہی بوڑھا عطار بیٹھا اپنے کام میں مصروف تھا۔ صمام کو اس نے اس حالت میں دیکھا تو ہاتھ میں پکڑا ہوا گھوڑوں کے ناخن تراشنے والا اوزار اس کے ہاتھ سے گر گیا اور وہ بدحواس سا ہو کر کھڑا ہو گیا۔

صمام وہاں آ کر رُک گیا اور ٹکٹکی باندھے وہ بوڑھے عطار کی طرف دیکھنے لگا تھا عطار اُٹھ کر اس کے قریب آیا اور بڑے غمگین لہجے میں پوچھا۔

"صمام! تم اس حالت میں؟ کیا وجہ ہے، کیا تمہارا کسی سے جھگڑا ہوا ہے"

صمام فی الفور کوئی جواب نہ دے سکا اور اسی طرح غمگین اور اداس کھڑا رہا

اتنی دیر میں ایک طرف سے ابدہ اور رباح بھی آ گئے۔ کچھ دیر تک دونوں باپ بیٹا صمام کو بھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھتے رہے۔ پھر ابدہ آگے بڑھا اور صمام کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کپکپاتی آواز میں پوچھا۔

"کیا یہ حقیقت ہے کہ تم اس حالت میں میرے سامنے کھڑے ہو"

صمام کا سر جھک گیا اور وہ کچھ نہ کہہ سکا۔

عطار نے اس کا گھوڑا لے کر ایک طرف باندھ دیا۔ ابدہ بھی آگے بڑھا اور اس کا ہاتھ تھام کر سرائے کے اندر لے گیا۔ رباح اور عطار بھی پیچھے پیچھے تھے۔ ابدہ نے پہلا غسل کرنے کو کہا پھر اس نے اسے نیا لباس پہننے کو دیا اور کھانا کھلایا۔ اس کے بعد نے بڑی ہمدردی سے پوچھا۔

"اب بتاؤ کیا گزری تم پر؟"

صمام نے اپنی داستان سُنا ڈالی۔ جب وہ اپنی کہانی کہہ رہا تھا تو اس نے دیکھا عطار کئی بار رو پڑا تھا۔ صمام جب چُپ ہوا تو ابدہ نے پوچھا۔

"اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟"

صمام کی مٹھیاں بھنچ گئیں اور اس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

"میں انتقام لوں گا۔ یہ میرا عہد ہے جسے میں ہر حال میں نبھاؤں گا"

"مگر کیسے؟"

"یہاں عربوں کی بے شمار بستیاں ہیں۔ میں ان سے مدد کی استدعا کروں گا۔ میں انہیں رے واقعات سُناؤں گا کہ ہم عربوں پر اس صحرا میں یہودیوں نے کیا کیا ظلم ڈھائے ہیں۔ میں بستی سے کچھ جوان اکٹھے کروں گا اور انہیں مناسب تربیت دینے کے بعد میں یہودیوں کو ناؤں گا کہ میرا انتقام کس قدر خوفناک ہے۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ ہم عرب عربوں ے ہاتھوں ہی مارے گئے۔"

"وہ کس طرح؟" ابدہ نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

یہودیوں نے بنی غسان کے بے شمار جوانوں کو دولت کا لالچ دے کر ہمارے خلاف اب میں استعمال کیا تھا۔ ابدہ خود بھی بنو غسان کا ایک عیسائی عرب تھا۔ تاہم اس نے غصہ ں کہا۔

"بہت بے غیرت تھے وہ غسانی جنہوں نے اپنی ہی قوم کے خلاف صف آرائی کی حال تم اطمینان رکھو تم انتقام لینے کے لیے جو جوان اکٹھے کرو گے ان کے اخراجات اشت کرنے کے لیے میرا پورا سرمایہ حاضر ہے۔"

عطار نے چھاتی پر ہاتھ مارا۔

"میں بھی ہر حال میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں بے شک بوڑھا سہی پر تمہاری لک ضرور جمع کر سکتا ہوں۔"

عطار تھوڑی دیر رُک کر بولا۔

"میری ایک تجویز ہے اگر تم مانو تو، مجھے امید ہے بہت جلد تم یہودیوں سے ام لے سکو گے۔"

صمام نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیسی تجویز؟"

"عرب بستیوں سے جوان اکٹھے کرنے کا کام میں کروں گا۔ تم صرف ان کو تربیت ۔۔۔ام سرانجام دو۔ پھر جب دیکھیں گے کہ ہماری قوت اس قابل ہے کہ ہم یہودیوں ۔۔۔سلیں تو تاریکی میں ان پر شب خون مارنا شروع کر دیں گے۔ اس طرح ہمارے اخراجات

بھی چلنا شروع ہو جائیں گے اور آہستہ آہستہ ہم بہوویوں کو کمزور بھی بنا دیں گے۔ اس سے ان میں دہشت بھی پھیل جائے گی۔"

صہام نے اطمینان و تشفی محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے منظور ہے۔ پر انہیں تربیت کہاں دی جائے گی؟"

اربد نے اس کا حل پیش کیا۔

"میری سرائے کے پچھواڑے میں چار دیواری کے اندر کافی جگہ خالی پڑی ہے۔ طور پر اسے تربیت گاہ بنا لیں گے۔ پھر جب ساتھیوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو کوئی اور محفوظ جگہ تلاش کر لیں گے۔ اس کے لیے آج ہی میں تمہیں تیس خیمے مہیا کر سکتا ہوں۔"

عطار کھڑا ہو گیا اور صہام کی طرف دیکھا۔

"میں ابھی جاتا ہوں۔ تم سرائے کے اس حصے کی صفائی کرا کر خیمے نصب کر دو۔"

صہام خوشی اور حیرت ملے مجلے جذبات سے اُسے دیکھنے لگا۔

عطار بے حد سنجیدہ تھا۔

"میں دیر کا قائل نہیں ہوں۔ جو کام کرنا ہو اسے فی الفور شروع کر دینا چاہیے۔"

اربد نے بھی تائید کی۔

"جاؤ جاؤ عطار! تمہارے خاندان کے سب افراد کے اخراجات میں کروں گا۔ تم بے فکر اور مطمئن ہو کر اپنے کام میں لگ جاؤ۔"

عطار اُٹھ کر باہر نکل گیا تھا۔

○

ربط سر جھکائے آہستہ آہستہ انجیر کے درختوں اور انگور کی بیلوں میں ہوتی ہوئی میں داخل ہوئی۔ وہ بجھی بجھی سی تھی اور آنکھیں بھی پُرنم تھیں۔ دودھ اندر رکھ کر راہب کے پاس آئی اور غمگین لہجے میں کہا۔

"بابا! صہام یہاں آیا ہوا ہے۔"

راہب چونک پڑا۔

"کہاں ہے وہ؟"

"میں نے اسے بازار میں سے گزرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس کے سارے کپڑے پھٹے ہوئے اور خون آلود ہیں، اس کے چہرے اور جسم کے کئی حصوں پر بھی زخم ہیں۔ بہت بُری حالت ہے اس کی۔ یوں لگتا ہے جیسے کسی بھیانک جنگ سے بچ کر نکلا ہو۔"

راہب پریشان ہو گیا اور ربط کو سرزنش کرتے ہوئے کہا۔

"تم نے اسے بُلایا تو ہوتا۔ بہتر تھا تم اسے یہیں لے آتیں۔"

ربط نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

"میں نے اسے روکا تھا بابا!"

"پھر ——— کیا کہا اس نے۔ اگر تم اسے اپنے ساتھ لاتیں تو وہ انکار کرتا ———؟"

"میں نے اس سے بہت کچھ پوچھا مگر اس نے میری کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ بہت دکھی اور غمگین دکھائی دے رہا تھا۔ بابا! مجھے یوں لگتا تھا جیسے اس پر کسی نے ظلم ڈھائے ہیں۔ اس کی کلائیاں بھی پھٹی ہوئی تھیں۔ شاید کہیں کسی کی قید میں ہے اور وہیں سے بھاگ کر آیا ہے۔"

راہب زیادہ اداس ہو گیا۔

"تمہیں ضرور اسے یہاں لانا چاہیے تھا۔"

ربط نے شکایتاً کہا۔

"اس نے بات کرنا ہی پسند نہیں کی۔ میں اسے لاتی کیسے؟"

"کدھر جا رہا تھا؟"

"بازار میں پرلی سمت جا رہا تھا۔"

راہب کھڑا ہو گیا۔

"وہ ضرور اربد کی سرائے میں گیا ہو گا۔ میں خود جاتا ہوں جا کر اس کا پتہ کرتا ہوں۔"

"میں بھی چلوں گی آپ کے ساتھ۔ اگر وہ ناراض ہے تو دونوں مل کر اسے منا

لیں گے ——————"

"آؤ پھر چلیں"

دونوں کلیسا سے باہر نکل کر بازار کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

○

بوڑھا راہب جس کا نام سلیط بن عقبہ تھا وہ بھی بنی غسان کا ایک عیسائی عرب تھا اور ربطہ اس کی بیٹی تھی۔ دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اربد کی سرائے میں داخل ہوئے عطار ابھی ابھی اُٹھ کر باہر گیا تھا۔ صمام۔ اربد اور رباح اٹھ کر میدان میں خیمے نصب کرنے کی تیاری کر رہے تھے کہ وہ دونوں باپ بیٹی پہنچ گئے۔

صمام، اربد اور رباح تینوں کھڑے ہو گئے۔ سلیط آگے بڑھ کر بڑے تپاک کے ساتھ صمام سے ملا۔ صمام کو اس نے اپنے پاس ہی بٹھا لیا اور پیار سے پوچھا۔

"کس سے جنگ ہوئی تمہاری اور اس وقت کہاں سے آ رہے ہو؟"

صمام ٹال گیا۔

"کسی سے بھی میری لڑائی نہیں ہوئی۔"

سلیط نے خفگی سے کہا۔

"مجھے ٹالتے ہو۔ مجھے و ربطہ تمہاری حالت سے آگاہ کر چکی ہے۔ اس نے تمہیں بازار سے گزرتے ہوئے دیکھا تھا جب کہ تمہارے کپڑے اور جسم خون آلود تھا۔ گو تم تبدیل کر چکے ہو مگر تمہارا چہرہ اور جسم اب بھی بتا رہے ہیں کہ تم کسی بہت بڑی آزمائش سے ہو کر گزرے ہو۔ بتاؤ تم پر کیا افتاد پڑی اور کس سے تمہاری جنگ ہوئی ہے؟"

صمام چپ رہا اور کوئی جواب نہ دیا۔

سلیط اداس ہو گیا اور گردن جھکاتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے تمہیں ہم دونوں باپ بیٹی پر اعتبار نہیں۔ مگر یاد رکھو میں ہوں۔ میں سر کٹا سکتا ہوں مگر تمہارے خلاف کسی سازش میں شریک نہیں ہو سکتا۔"

صمام تڑپ گیا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔"

"پھر تم پر سکوت کیوں طاری ہے۔ ربطہ نے بازار میں بھی تم سے پوچھنا چاہا مگر تم زخمی برت گئے۔"

"یقین رکھو ہم دونوں سے تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا۔"

صمام نے بڑی نرمی سے کہا۔

"مجھے تم دونوں پر مکمل اعتماد ہے۔"

"پھر بتاتے کیوں نہیں۔"

"اپنی بے بسی کو مشتہر کرنے کا کیا فائدہ۔ بس اتنا ہی سمجھ لیں کہ حالات نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا ہے اور مجھے جلا وطن ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔"

"میں تفصیل سے سُننا پسند کروں گا۔"

صمام اپنی پوری روداد سنانے لگا۔ سلیط اور ربطہ دونوں سُنتے رہے اور زار و قطار روتے رہے اور صمام چُپ چاپ ان سے اپنی داستان کہتا رہا۔ جب وہ خاموش ہُوا تو راہب نے پوچھتے ہوئے پوچھا۔

"تمہاری بیوی بھاگ کیوں نہ گئی؟"

"اسے مجھ سے بے پناہ محبت تھی۔ اسے یقین تھا کہ میں قید سے بھاگ نکلوں گا اسی لئے بیچاری میرے گھوڑے کی حفاظت کرتے ہوئے چپ چپ کر میرا انتظار کرنے لگی اس وحشی داؤد نے جب اس کی عزت لوٹنا چاہی تو اس نے خودکشی کر لی تھی۔"

صمام نے عبا کے اندر چمڑے کی پیٹی کے ساتھ بندھا ہُوا ایک کپڑا کھول کر باہر نکالا۔

"میں نے اس بے گناہ اور معصوم کی قبر سے مٹی لے کر یہ باندھ رکھی ہے۔ یہ میں اس دونوں میں ڈبو کر اس کی قبر پر ڈالوں گا۔"

اس نے کپڑا پھر پیٹی سے باندھ لیا تھا۔

راہب نے آنسو پونچھے اور ڈبڈباتی آنکھوں سے کہا۔

"تمہارے گھر کے دوسرے افراد میں سے کوئی ——————"

صمام پہلے ہی بول پڑا "۔

"سب قتل کر دیئے گئے ہیں"۔

"اب کیا کرو گے ؟"

"یہاں سے کچھ جمعیت اکٹھی کر کے ایک بار ان یہودیوں سے ضرور انتقام لوں

راہب کھڑا ہو گیا۔

"مجھ سے اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو کلیسا کے دروازے ہر وقت تمہارے لیے کھلے

جب چاہو آؤ میں مقدور بھر تمہاری مدد کروں گا میں اب چلتا ہوں"۔

اربد اس کے سامنے کھڑا ہو گیا اور بڑے احترام سے کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کھانا کھا کر جائیں۔ اس نے راہب کا بازو پکڑ کر بٹھا دیا۔

ہی اس نے ایک ملازم کو آواز دی اور اسے کھانا لانے کو کہا۔ سلیط اور ربط دوبارہ بیٹھ

تھوڑی دیر بعد اربد کا ایک ملازم کھانا لے آیا اور دونوں باپ بیٹی، صمام اور اربد کے ساتھ

کر کھانا کھانے لگے تھے۔

صحرا میں ایک گھنٹے تک گھوڑے کی پیٹھ پر سفر کرنے کے بعد عطار ایک نخلستان میں

۔ یہ ایک بہت بڑی بستی تھی۔ جگہ جگہ پانی کے چشمے تھے۔ فصلوں اور باغات کی بہتات

نے دیکھا یہاں سب عرب ہی آباد تھے۔ اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ یہاں کے لوگ کافی

دولتمند تھے۔

ایک چشمے پر وہ اجنبی گھوڑے کو پانی پلایا اور خود بھی پیا۔ اس سے قریب ایک عرب

اونٹنی کو نہلا رہا تھا۔ عطار اس کے پاس آیا اور بستی کے سردار کے گھر کا پتہ پوچھا۔ اس

نے دو تین بار چلا چلا کر کسی کو پکارا۔ جواب میں ایک بچہ ذرا فاصلے پر کھجوروں میں سے

بھاگتا ہوا اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔ وہ عرب اب عطار سے کہنے لگا۔

"اس بچے کے ساتھ چلے جاؤ یہ تمہیں سردار کے گھر پہنچا دے گا"۔

عطار نے اس کا شکریہ ادا کیا اور بچے کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ اس کی رہنمائی میں

سردار کے گھر داخل ہوا۔ وہ ستر برس کے قریب ایک بوڑھا عرب تھا۔ اس کی بات

سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ شہ کی حد تک مہمان نواز ہے۔ اس نے عطار کو اپنے پاس

بٹھا اسے پیٹ بھر کر کھانا کھلایا پھر انار کے رس کے دو گلاس پلانے کے بعد بڑی

اور نرمی کے ساتھ آنے کی وجہ پوچھی۔

عطار نے بولتے ہوئے ذرا جھجک محسوس کی مگر جلد ہی اس نے سر کو جھٹک دیا اور پھر

انداز میں کہنا شروع کیا۔

"سردار! میرے پاس تمہید باندھنے کے لیے پرکشش اور رنگین الفاظ نہیں ہیں جن

سے جذبات عیاں کر کے تمہیں متاثر کر سکوں۔ بہر حال میں مختصر یہی کہنا چاہتا ہوں کہ

میں ایک عرب ہوں اور تمہیں عرب سمجھ کر مدد کی درخواست لے کر آیا ہوں۔

اس نے دردمندانہ انداز میں پوچھا۔

"کیسی مدد؟"

"جیسی بھی دے سکو۔"

"جس قسم کی بھی مدد طلب کرو گے میں ضرور مہیا کروں گا۔ مگر پہلے یہ بتاؤ افتاد آن پڑی ہے اور کس سے تمہیں تکلیف اور دکھ پہنچا ہے"۔

عطار نے کہنا شروع کیا۔

"جبل حاران کے اس طرف صحرائے سماوہ میں عربوں کی کئی بستیاں تھیں جو مشہور القطر اور صدف تھیں۔ وہاں کے یہودی ان پر طرح طرح کے مظالم روا رکھتے اور انہیں ایک طرح سے اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ مکہ سے نوجوان عزامہ کا ایک نوجوان وہاں ہجرت کر کے القطر میں آ آباد ہوا۔ وہ عربوں پر ہونے والے مظالم برداشت دن رات کی اَن تھک اور بے لوث محنت کے بعد اس نے عربوں کو متحد کر دیا۔ اس ان کی یہودیوں کے ساتھ ایک خوفناک جنگ ہوئی جس میں عربوں نے اس جوان کی میں یہودیوں کو شکست فاش دی

شکست کا یہ داغ دھونے کے لیے یہودیوں نے ایک گہری چال چلی انہوں نے ثمار و دولت خروج کر کے بنی غسان کے ہزاروں جوانوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس طرح نے عربوں کو عربوں سے لڑا دیا جس میں القطر اور صدف والوں کو شکست ہوئی بستیوں کے سب افراد کو قتل کر دیا گیا۔

ان کا سالار یہودیوں نے زندہ گرفتار کر لیا تھا اور جس روز اسے قتل کیا جانا سے پہلی رات وہ قید سے بھاگ نکلا اور مرج راہط میں ہمارے ہاں آ کر پناہ لی۔ اب انتقام لینے کی خاطر اسے ایک بھاری جمعیت کی ضرورت ہے اور اسی میں یہاں آیا ہوں۔

سردار کھڑا ہو گیا۔

"تم یہاں بیٹھو میں ذرا بستی کے سب لوگوں سے بات کر آؤں"۔ کوئی زیادہ دیر تھی کہ وہ واپس آیا اور عطار سے کہا۔

"آؤ میرے ساتھ"۔

عطار اُٹھ کر اس کے ساتھ ہو لیا۔

دونوں بستی سے باہر آئے جہاں بستی کے سب مرد کیا بوڑھے کیا جوان جمع تھے۔ ارنے عطار کی موجودگی میں ان کے سامنے عطار کا مدعا بیان کیا۔ سو سے زیادہ تنومند عطار کا ساتھ دینے کو فوراً کھڑے ہو گئے۔

عطار کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل گئی۔ اس نے ان کا حوصلہ بڑھانے کو کہا۔

"ہماری حالت جب بھی ذرا سدھری ہم اس کام کا معاوضہ بھی دیں گے"۔

ایک دراز قامت جوان اس کے قریب آیا اور پُرعزم آواز میں اس نے کہا۔

"ہم نے معاوضے کے لالچ میں اپنے آپ کو پیش نہیں کیا۔ تم نے ایک عرب ہو مدد کے لیے پکارا اور ہم عرب ہو کر اتنے بے غیرت نہیں کہ تمہاری پکار کا جواب سکیں۔ ہم ایسی ہر پکار پہ لبیک کہیں گے۔ کسی بھی موقع پر تم ہمیں بزدل نہ پاؤ

طار نے اس کا شکریہ ادا کیا اور بڑی ممنونیت سے سردار کی طرف دیکھنے لگا۔

اس نے عطار کی حیرت میں اور اضافہ کر دیا۔

"اس کے علاوہ بستی کے لوگوں نے میرے پاس اچھی خاصی رقمیں بھی جمع کرائی ہیں پورا حساب کر کے ابھی بتاتا ہوں اور یہ جوان اسی وقت تمہارے ساتھ جانے کو ان سب کے پاس اپنے گھوڑے اور جنگ کا بہترین سامان ہے۔ تمہیں ان پر ن نہ کرنا پڑے گا۔ اس کے علاوہ یہ تربیت یافتہ جنگجو ہیں"۔

عطار بے حد خوش نظر آ رہا تھا۔ اس نے بڑی ممنونیت سے بستی کے اس سردار دیکھتے ہوئے کہا۔ "میری ایک اور التماس بھی ہے"۔

کہو، اگر ہمارے بس میں ہوا تو ہم اسے بھی پورا کریں گے"۔

"ان سب جوانوں کو تیار رکھیں مجھے ابھی تین چار اور عرب بستیوں میں بھی جانا

ہے۔ وہاں سے مجھے کافی مدد کی اُمید ہے۔ واپسی پر میں انہیں ساتھ لے لوں گا
سردار نے فراخدلی سے کہا۔
"بیشک جاؤ۔ تمہارے آنے تک یہ سب کوچ کے لیے تیار ہوں گے
عطار وہاں سے نکل کر ایک اور بستی میں گیا۔ وہاں سے کافی لوگ اس کے
ہمراہ لیے۔ اس نے انہیں پہلی بستی میں جا کر ٹھہرنے کو کہا۔ وہاں سے اسے نقدی بھی
اسی طرح اس نے چار اور بستیوں میں جا کر فریاد کی اور وہاں سے ملنے والے سب
کو لے کر وہ پہلی بستی میں آ گیا۔
یہاں آ کر اس نے اپنے ساتھ جانے والے جوانوں کا شمار کیا تو یہ دیکھ کر اسے
خوشی بے پایاں ہوگئی کہ چار سو ستر جوان اس کے ساتھ جانے کو تیار کھڑے تھے۔
علاوہ دوسری بستیوں سے ملنے والی تیس ہزار کی نقدی بھی اس کے ساتھ تھی۔ جب
گھومنے لگا تو وہی سردار اس کے پاس آیا اور نقدی کی کئی تھیلیاں اسے پیش کیں جن
ہزار دینار تھے۔
عطار نے کئی بار سردار کا شکریہ ادا کیا اور اس نئے لشکر کے ساتھ وہ
مرجِ راہط کی طرف جانے کے لیے کوچ کر گیا تھا۔

○

صمام اور رباح نے سرائے کے ملازموں کی مدد سے میدان کی صفائی کر کے
پچیس خیمے بھی نصب کر دیئے تھے۔ راہب سلیط اور اربد نے اپنا اثر و رسوخ
کر کے فوری طور پر مرجِ راہط سے ستر کے قریب عرب جوان اس کی مدد پر آمادہ کر
جو اسی میدان میں آ کر جمع ہو چکے تھے۔
شام کے جھٹ پٹے کے وقت جب کہ صمام، اربد، رباح ان ستر جوانوں
ساتھ اس میدان کھڑا تھا بوڑھا عطار اپنے لشکر کے ساتھ مرجِ راہط میں داخل ہوا
اسی میدان میں آ کر رکا۔ صمام، اربد اور رباح اس کے ساتھ اس قدر جوان دیکھ کر حیرا
گئے تھے۔ صمام کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل گئی تھی۔ وہ عطار کے قریب آیا اور گھ

تے ہوئے اس نے عطار سے پوچھا۔
"اتنے جوان کہاں سے پکڑ لائے مرحبا اے میرے عم!"
عطار ہنس دیا۔
"عرب اتنے بے حمیت نہیں کہ ہماری پکار پر لبیک نہ کہتے۔ اب ان جوانوں کے
کا بندوبست تم تینوں کے ذمہ ہے۔"
اربد نے اطمینان سے کہا۔
"میں بندوبست کروں گا۔"
صمام سوچنے لگا۔
"اتنے جوانوں کو بیکار بٹھائے رکھنا بھی مشکل ہے۔"
عطار نے اس کی ہمت بندھائی۔
"ان سب کو تربیت دینے کی ضرورت نہیں۔ یہ سب ماہر تیغ زن ہیں۔"
"تو پھر میں کل ہی یہاں سے کوچ کرتا ہوں۔"
"کدھر؟" عطار نے پریشان و پراگندہ آواز میں پوچھا۔
"جبل حاران کی کسی غار کو اپنا مسکن بناتا ہوں۔ وہاں سے بڑی آسانی کے ساتھ
اں کی بستیوں پر حملہ آور ہو سکوں گا۔ اور وہاں یہاں کی نسبت محفوظ بھی ہوں گا۔"
عطار نے تائید کی۔
"ٹھیک ہے تم کوچ کر جاؤ۔ میں یہاں سے جوان جمع کر کے وہاں بھیجتا رہوں گا
ساتھ ہی عطار نے نقدی کی کئی تھیلیاں صمام کے آگے ڈال دیں۔
"یہ بھی سنبھالو۔"
صمام اور ششدر رہ گیا۔
"کیا ہے؟"
"پچیس ہزار دینار۔"
"کہاں سے لائے ہو؟"

"جہاں سے ان جوانوں کو لایا ہوں"۔

اربد نے عطار سے کہا۔

"تم سب جوانوں کو یہاں بٹھاؤ میں ان سب کے کھانے اور ان کے گھوڑوں کے لیے چارے کا بندوبست کرتا ہوں"۔ صمام اور رباح کو لے کر وہ سرائے میں چلا گیا تھا آنے والے جوانوں کے کھانے اور ان کی رہائش کا بندوبست کر سکے۔

○

دوسرے روز اربد نے صمام کو کھانے پینے کا ضروری سامان اور کچھ پیسے اور دیئے۔ اس کے علاوہ اس نے بیس اونٹ اپنے پاس سے دیئے اور اس وقت جبکہ خوب گرم ہو گیا تھا۔ صمام اپنے ساتھیوں کے ساتھ جبلِ حاران کی طرف کوچ کر گیا کی سیدھ میں جب وہ آیا تو اس نے دیکھا کہ راہب سلیط اور ربطہ راستے میں کھڑے سلیط نے ہاتھ لہرا کر اسے روکا۔

صمام رُک گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے آنے والا لشکر بھی رُک گیا۔ راہب اس قریب آیا۔ صمام نے گھوڑے سے اُترنا چاہا مگر راہب نے اسے ایسا کرنے دیا قریب آکر کھڑی ہو گئی تھی۔ راہب نے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"یہاں آتے رہا کرو گے نا؟"

صمام نے خوش طبعی سے راہب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرے بعد بھی لوگوں کو اکٹھا کرنے کی مہم جاری رکھے گا اور میں ہفتے میں ان کو لینے ضرور آیا کروں گا۔ اس طرح آپ لوگوں سے ملاقات بھی ہوتی رہے گی راہب خوش ہو گیا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے"۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے راہب سنجیدہ ہو گیا اور "ربطہ کہہ رہی تھی تم اس سے ناراض ہو کیا یہ سچ ہے؟ اگر ایسا ہے معاف کر دو"

صمام نے غور سے ربطہ کی طرف دیکھا۔ وہ چُپ اور اداس کھڑی تھی

کسی اکیلے اور تنہا درخت کی طرح جو برسوں سے پیاسا ہو پھر اس سے نگاہیں ہٹاتے ہوئے صمام نے کہا۔

"نہیں تو میں ربطہ سے ناراض نہیں ہوں"۔

"مریح راہط جب آیا کرو تو سب سے پہلے میرے پاس آیا کرنا" راہب نے پُر اُمید لہجے میں کہا۔

صمام مسکرا دیا۔

"ٹھیک ہے اب میں جاؤں؟"

"ہاں جاؤ۔ خداوند تمہاری مدد کرے گا اور ہر معرکے میں تمہیں سرخرو اور سرفراز نکالے گا"

ربطہ نے بھی ہاتھ اُٹھا کر اس کے لیے دُعا کی "خداوند یسوع مسیح تمہیں اپنی پناہ میں رکھے!"

صمام اپنے لشکر سمیت آگے بڑھ کر جبلِ حاران کی سمت ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ پہاڑی سلسلے میں داخل ہو کر کافی دیر تک وہ کسی مناسب جگہ کی تلاش کرتے رہے۔ شام سے ذرا پہلے وہ جبلِ حاران کے وسط میں ایک مناسب اور محفوظ جگہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

اونچے اونچے پہاڑوں سے گھرا ہوا یہ ایک وسیع میدان تھا۔ جہاں پناہ لینے کے لیے غاریں بھی کافی تھیں۔ دائیں طرف شفاف پانی کے تین چشمے بھی تھے جن کا پانی نالے کی صورت میں میدان کے ساتھ ساتھ بہتا تھا۔ چشموں کے اردگرد اور نالے کے ساتھ ساتھ ہری ہری گھاس کا ایک طویل سلسلہ تھا۔ چشموں سے ہٹ کر پہاڑیوں کے دامن اور میدان میں بہت اچھی گھاس تھی۔

میدان میں سارا سامان اتار دیا گیا۔ دس جوان سارے گھوڑوں اور اونٹوں کو ہانکتے ہوئے نالے سے پانی پلانے لگے اور پھر انہیں وہیں گھاس چرنے کو چھوڑ دیا۔ خود وہ ان کے چاروں طرف بیٹھ گئے تھے۔

ساری غاروں کی صفائی کرادی گئی تھی - دیواروں میں چھوٹے چھوٹے سوراخ چونے اور گیلی مٹی سے بند کر دیئے گئے - فرش پر بھی پانی چھڑک کر اسے ٹھنڈا کر دیا گیا تھا - پہاڑ کے دامن میں ایسی جگہ جہاں اگر بارش بھی برسے تو پانی کھڑا نہ ہو خیمے نصب کر دیئے گئے تھے خیموں کے عین سامنے آگ کا ایک بہت بڑا الاؤ روشن کر دیا گیا تھا اور کچھ لوگ بڑی سرعت سے کھانا پکانے میں لگ گئے تھے - ان پر کچھ ایسا جذبہ چھایا ہوا تھا کہ وہ بغیر کسی کے کہے سب کام مشینی انداز میں کرتے جا رہے تھے - وہ جوان جنہوں نے غاروں کی صفائی کی تھی - اب نہانے کے لیے نالے کی طرف جا رہے تھے - صلاح میدان میں کھڑا اِدھر اُدھر کا جائزہ لے رہا تھا - وہ بے حد متاثر دکھائی دے رہا تھا - اسے اُمید تک نہ تھی کہ حالات اس قدر تیزی کے ساتھ اس کے حق میں کروٹ لے لیں گے - وہ بڑی محویت سے کچھ سوچ رہا تھا کہ قریب ہی سے کسی نے اسے پکارا -

"سیدی!"

صلاح نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا - وہ ایک قد آور، سخت چہرے اور مضبوط جسم کا جوان تھا - چہرے پر کئی زخموں کے نشان تھے - جو اس کی سخت کوشی کی دلالت کرتے تھے - وہ پھر بولا -

"کیا آج رات ہمیں کسی مہم پر جانا ہے؟"

صلاح نے مسکرا کر اس کا جائزہ لیا -

"تمہارا کیا خیال ہے؟"

اس کا سر قدرے جھک گیا -

"ہم خلوص کے بھوکے ہیں - تمہارے سلوک سے میں اور دوسرے سب ساتھی بے حد متاثر ہیں - ہم اپنی ذاتی رائے پر ہمیشہ تمہارے فیصلے کو ترجیح دیں گے اور اسے حکم سمجھ کر اس پر عمل کریں گے -"

صلاح نے اس کا کندھا پکڑ کر ہلایا -

"نہیں عمار! میں تم سب کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھاؤں گا اور تم سب

میرے بھائی اور مضبوط بازو ہو - میں اپنے ہر بازو کی حفاظت اور نگہداشت ایک جیسی ہی کروں گا - میں یہ کبھی نہ بھولوں گا - میں ایک بھکاری اور غریب الوطن تھا - تم لوگوں نے مجھے سہارا اور اس قدر امداد فراہم کی کہ آج میں پھر اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر اپنے دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس سے انتقام لینے کی سوچ رہا ہوں - صلاح کی پلکیں پُرنم ہو گئی تھیں -

عمار پر بھی رقت طاری ہو گئی - ہکلاتے ہوئے اس نے کہا -

"بار بار ہماری مدد کا ذکر کر کے ہمیں شرمندہ نہ کرو - ہم سب یہی سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارا فرض ہے جسے ہم نے ہر حالت میں پورا کرنا ہے - یہ تم پر کسی صورت میں بھی احسان نہیں - عربوں کے حقوق کی حفاظت کی ذمہ داری جس قدر تم پر عائد ہوتی ہے ویسی ہی ہم پر بھی ہے -"

"میرے پاس الفاظ نہیں جن سے میں تم سب کا شکریہ ادا کر سکوں -"

کچھ اور جوان بھی وہاں آ جمع ہوئے تھے اور سب صلاح کی باتیں سُن کر بے حد متاثر دکھائی دے رہے تھے - عمار نے پھر صلاح سے پوچھا -

"پھر میرے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا تم نے -"

"سب ساتھیوں سے پوچھ لو - جیسے ان کی مرضی ہو گی ویسے ہی کریں گے -"

"میں ان سے پوچھ چکا ہوں -"

"کیا کہتے ہیں؟"

"وہ کہتے ہیں ان باتوں کا فیصلہ کرنا سالار کا کام ہے - ہم اس کے حکم کے تابع ہیں اب اور جس وقت بھی حکم ملے گا ہم اٹھ کھڑے ہوں گے -"

صلاح نے غور سے عمار کی طرف دیکھا -

"تمہاری اپنی ذاتی رائے کیا ہے؟"

عمار ہنس دیا -

"وہی جو ہمارے سالار کی ہے - ہم سب تمہاری زبان سے فیصلہ سننا چاہتے ہیں -"

"میری رائے ہے ——————" عمار نے اس بات اُچک لی۔

"رائے نہیں حکم"۔

"خیر جیسے بھی تم سمجھو آج رات سب جوانوں کو آرام کرنے دو۔ کل دن کے وقت میں اور تم کچھ اور ساتھیوں کو لے کر پہلے یہودی بستیوں کی طرف جانے والے نزدیک ترین راستوں کا جائزہ لیں گے اور کل سے ہم مہم شروع کر دیں گے"۔

عمار نے سر جھکا دیا۔

"ٹھیک ہے"۔

پیچھے کھڑا ہوا ایک اور آدمی چلایا۔

"سب ساتھیوں سے کہہ دو۔ آج رات آرام کریں کل مہم پر جانا ہوگا"۔

عمار پھر بولا۔

"نہاؤ گے نہیں"۔

"نہاؤں گا"۔

"آؤ پھر چلیں"۔

دونوں نالے کی طرف چل دیئے۔ ارد گرد کھڑے دوسرے ساتھی بھی نہانے کے لیے ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگے تھے۔

دھوپ ابھی تیز نہیں ہوئی تھی، تین سو سوار ہتھیاروں سے لیس ہو کر اپنے گھوڑوں پر سوار میدان میں تیار کھڑے تھے۔ اتنے میں صلاح الدین اور عمار ایک خیمے سے نکلے اور باہر کھڑے ہوئے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ وہ نالے کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگے۔ پورا لشکر ان کے پیچھے تھا۔ تین سو کے علاوہ جو آدمی باقی بچتے تھے وہ کیمپ کی حفاظت کی خاطر پیچھے چھوڑ دیئے گئے تھے۔

کافی دیر تک وہ کبھی تنگ گھاٹیوں، کبھی کھلے میدانوں، کبھی چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے اُوپر سے اور کبھی نالے کی وجہ سے راستے میں بنے ہوئے جا بجا شفاف پانی کے درختوں سے ڈھکے ہوئے تالابوں میں سے گزرتے رہے۔

رات کوئی تین گھڑی گزر چکی تھی کہ وہ پہاڑی سلسلے سے نکل کر میدان میں اُترے اب ان کے سامنے اندھیرے میں یہودی بستیوں کا ایک طویل سلسلہ تھا۔ پہاڑ کے دامن میں وہ ذرا رُک گئے۔

عمار صلاح کے قریب آگیا اور مدھم و ملائم آواز میں پوچھا۔

"کس بستی پر حملہ کرنا ہے؟"

صلاح نے اپنے سامنے ایک بستی کی طرف اشارہ کیا۔

"یہی جو سامنے دکھائی دے رہی ہے۔ ہمیں سب سے پہلے نزدیک والی بستیوں پر ہاتھ اُٹھانا چاہیئے تاکہ جب ہم اس سے آگے والی بستیوں پر حملہ آور ہوں تو یہ ہمارے راستے میں رکاوٹ ثابت نہ ہوں۔ ان کو ختم کرنے کے بعد ہماری پشت کافی حد تک محفوظ ہو جائیں گی"۔

عمار نے تائید کی۔

"ٹھیک ہے پھر اب کیا ارادہ ہے؟"

صہام نے گھوڑے کو ایڑ لگادی۔

"آؤ"

سارے گھوڑے سرپٹ دوڑنے لگے۔ آناً فاناً وہ سامنے والی بستی پر ٹوٹ پڑے ایک ہلچل سی مچ گئی تھی۔ بستی میں لوٹ مار کا بازار گرم ہو گیا۔ بستی والے اٹھ کر سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔ ہر گھر سے خون بہہ نکلا تھا۔ بستی کا کوئی فرد بھی نہ بچا۔ سارے گھر لوٹ لیے گئے۔ بھیڑ بکریاں، اونٹ اور گھوڑے باہر نکال لیے گئے اور بستی کو آگ لگا دی گئی۔

صہام اپنے ساتھیوں کے ساتھ سب بھیڑ، بکریوں، اونٹوں اور گھوڑوں کے ساتھ واپس لوٹ گیا۔ صبح تک وہ بستی جلتی رہی اور خاک کا ڈھیر بن کر رہ گئی۔ ابھی اندھیرا ہی تھا کہ صہام اپنے ساتھیوں کے ساتھ کیمپ میں داخل ہوا۔ کیمپ سے کھانسنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ شاید کچھ لوگ جاگ اٹھے تھے۔

کیمپ میں جب وہ داخل ہوئے تو سب لوگ ہی جاگ اٹھے اور ان کی کامیابی پر ان میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ انہوں نے اسی وقت اٹھ کر آگ کا الاؤ روشن کیا اور بھیڑ بکریاں آتی تھیں ان میں کچھ کو ذبح کیا اور آگ پر بھوننے لگے۔

اتنی دیر میں صبح بھی ہو گئی تھی۔ حملے میں حصہ لینے والے جوان کھانا کھا کر سو گئے دوسرے دن بھر کام میں مصروف رہے۔ کچھ ریوڑ چرانے لگے تھے۔ کچھ نے لکڑیاں کاٹ کاٹ کر میدان میں ڈھیر لگا دیئے تھے۔ اسی روز متفقہ فیصلے سے ایک آدمی کو خزانچی مقرر کر دیا گیا تھا۔ جس کے پاس ساری نقدی جمع کرا دی گئی۔ اس کے ماتحت کچھ اور آدمیوں کا گروہ بھی کر دیا گیا۔ جس کے ذمے کھانے کا بندوبست کرنے کے علاوہ ہر قسم کی ضرورت کی چیزیں بھی مہیا کرنا تھا۔

اس رات بھی صہام خاموش نہ بیٹھا۔ یہودی ابھی سنبھل کر کوئی احتیاطی تدابیر

نہ کرنے پائے تھے کہ صہام اس رات چار سو ساتھیوں کے ساتھ حملہ آور ہوا اور رات کی تاریکی میں دو بستیوں کو لوٹ کر اور آگ لگا کر پہاڑی سلسلے میں روپوش ہو گیا تھا۔

اب اس کے کیمپ میں اپنا ذاتی بھیڑ بکریوں، اونٹوں اور گھوڑوں پر مشتمل ایک بہت بڑا ریوڑ نظر آنے لگا تھا۔ نقدی بھی انہوں نے کافی جمع کر لی تھی۔ دو دن تک وہ خاموش رہا اور یہودیوں کے ردِعمل کا جائزہ لینے کی خاطر اس نے چند جوان مقرر کر دیے جو اسے پوری خبریں لا کر دینے لگے تھے۔

تین دن بعد وہ عمار کے ساتھ مرج راہط آیا۔ عمار نے اس کے لیے تین سو اور جوان اکٹھے کر رکھے تھے۔ اس نے ایک رات مرج راہط میں قیام کیا اور دوسرے روز ان جوانوں کو ساتھ لے کر اپنے کیمپ میں واپس آ گیا۔ وہ راہب اور ربطہ سے نہ ملا تھا نہ جانے کیوں، شاید وہ ربطہ کے پہلے سلوک سے دل برداشتہ ہو چکا تھا اور کسی قسم کا تعلق نہ رکھنا چاہتا تھا۔ اسی لیے وہ شاید اس سے دور ہی دور ہوتا جا رہا تھا۔

○

یہودی اب سنبھل گئے تھے۔ ہزاروں آدمیوں پر مشتمل انہوں نے چند گروہ مقرر کیے جو رات کے وقت پہاڑی سلسلے سے قریب کی بستیوں کے گرد گھوم پھر کر ان کی حفاظت کی ذمہ داری انجام دینے لگے تھے۔ مگر یہ بات صہام کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ ڈال سکی۔ عطارد سے وہ کچھ آہن گر بھی لے آیا تھا۔ انہوں نے کیمپ کے اندر بھٹیاں گرم کر کے بڑی تیزی سے تیر اور تلواریں بنانا شروع کر دی تھیں۔

کچھ دن کا وقفہ ڈال کر صہام پھر اٹھا۔ اس بار اس کے ہمراہ سات سو جوان تھے جو ہتھیاروں اور زہریلے تیروں سے لیس تھے۔ اس کے جاسوس چونکہ ہر پل کی خبریں تک پہنچانے لگے تھے لہٰذا وہ بھی کافی محتاط نظر آ رہا تھا تاہم اب اس میں پیچھے کی اچھی خاصی طاقت آ گئی تھی جس نے اسے اور زیادہ تو خناک بنا دیا تھا۔

پہاڑی سلسلے سے نکل کر جب وہ کوئی پانچ میل تک میدانی علاقے کے اندر داخل ہو گئے ان کے سامنے یہودیوں کا کوئی گشتی دستہ گزر رہا تھا۔ انہوں نے بے تحاشا

مشعلیں اُٹھا رکھی تھیں جس سے صمام نے یہ اندازہ لگا لیا کہ ان کی تعداد پانچ سو سے کسی حالت میں بھی کم نہ تھی۔ صمام بڑے غور سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا جو ان کے سامنے چند فرلانگ کے فاصلے پر بائیں جانب بڑھ رہے تھے۔ عمار جو اس کے قریب ہی تھا اس نے ہلکے سے پوچھا۔ "کیا ارادہ ہے ان مشعل برداروں کے بارے میں؟"

صمام نے غصّے میں لات کچکچائے۔

"پہلے ان سے نبٹنا چاہیے۔"

"ٹھیک" عمار نے گھوڑا بڑھانا چاہا۔

صمام نے فوراً روک دیا۔

"ٹھہرو عمار۔ ایسے نہیں۔ ساتھیوں کو تین حصّوں میں بانٹ دو۔ ایک حصّہ میرے پاس رہنے دو۔ میں سامنے سے حملہ کروں گا۔ دوسرا حصّہ تم خود سنبھالو اور دائیں سے آگے بڑھنا۔ تیسرا حصّہ اپنی مرضی کے مطابق جنگ کا تجربہ رکھنے والے کسی جوان کمانڈر کی زیرِ کمان دے دو اور وہ بائیں جانب سے حملہ آور ہو۔ اس طرح ان میں سے کسی کو بچ نکلنے کا موقع نہیں ملے گا۔"

پورا لشکر آناً فاناً تین حصّوں میں بٹ گیا۔ انہوں نے پہلے اپنے تیر اور کمان سنبھال لیے تھے۔ تین اطراف سے وہ طوفان کی مانند آگے بڑھے اور تیروں کی بوچھا کرتے ہوئے حملہ کر دیا تھا۔ یہودیوں کا حفاظتی گروہ اس اچانک حملے سے بوکھلا اٹھا صمام کے لشکر نے قریب جا کر تلواریں سونت لیں اور بڑی تیزی کے ساتھ ان کے سر کاٹنا شروع کر دیے۔ انہوں نے کچھ اس طرح ان کا گھیراؤ کر لیا تھا کہ کوئی بھی ان کے اس جہنم سے جان بچا کر نہ بھاگ سکتا تھا۔ عربوں نے چُن چُن کر سب کا صفایا کر

صمام نے اس رات یہودیوں کی چار بستیوں کو لُوٹ کر آگ لگا دی۔ بے مال ان کے ہاتھ لگا۔ کوئی سو کے قریب اُونٹ سامان سے لاد کر وہ لے گئے جن میں کا سامان، شراب، خشک میوے، کھجوریں، کشمش اور سوکھا گوشت تھا۔ اس کے دوسرے بے شمار جانور بھی وہ ہانک کر لے گئے۔ اس بار انہوں نے اونٹوں پر

تنے بھی بہتر ملے لاد لیے تھے۔

یہودیوں میں کُہرام مچ گیا تھا۔ ان کی بستیاں اُجاڑ سنسان ہونے لگی تھیں۔ لوگ اُٹھ اُٹھ کر دُور دُور کی بستیوں میں جا کر آباد ہونے لگے۔ یہودیوں نے لٹیروں اور غارت گروں کا کھوج لگانے کے لیے کئی گروہ مقرر کر دیئے جو شکاری کتوں کی طرح جبل حاران میں گھومنے لگے تھے۔

صمام بھی کچھ دن تک خاموش رہا تاہم اس نے بھی جواباً چند دستے مقرر کر دیئے انہوں نے جبل حاران میں داخل ہونے والے یہودیوں کو چُن چُن کر قتل کرنا شروع کر دیا۔ اس دوران وہ عمار کے ساتھ پھر مرج راہط گیا۔ عطار نے بڑی محنت اور جانفشانی سے کام کر کے لیے دو سو سے زیادہ جوان اکٹھے کر رکھے تھے۔ صمام اس بار دو دن مرج راہط میں رہا تیسرے روز نئے ساتھیوں کے ساتھ کیمپ میں آ گیا۔ ربطہ اور راہب سے وہ اس بھی نہیں ملا تھا۔

صمام اور عمار جب نئے ساتھیوں کے ساتھ کیمپ میں داخل ہوئے تو اندر چہل پہل ہوا تھا۔ کیمپ سے کچھ جوان بھاگتے ہوئے آئے اور نئے ساتھیوں کو اپنے ساتھ لا کر کھانا کھلانے لگے۔ کیمپ میں ایک طرف اسی طرح شور بلند ہو رہا تھا۔ صمام نے قریب کھڑے ایک ساتھی سے پوچھا۔

"اِدھر کیا ہو رہا ہے؟"

اس نے مُسکرا کر کہا۔

ہمارے گشتی دستے کچھ یہودیوں کو پکڑ کر لائے ہیں اور انہیں درختوں سے ... دیا ہے۔ ان کا ارادہ تھا کہ سردار کے آنے پر ان کا فیصلہ کریں گے۔"

صمام اور عمار اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے ان کے پاس جا کر رُکے۔ کوئی تیس ... مضبوط رسیوں کے ساتھ درختوں سے بندھے ہوئے تھے۔ نیچے ڈھلان سے لے ... کے اُوپر تک کے درختوں سے یہودی رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ نیچے کھڑے ہو کر ... جائے تو وہ ایک بہترین منظر تھا۔

صمام ایک ایک کو دیکھنے لگا - ایک کالے سے دیوہیکل یہودی کے پاس صمام کھڑا ہُوا تو بڑے غور سے اس کی طرف دیکھنے لگا - شاید وہ اسے پہچاننے کی کوشش تھا - اس نے بھی کچھ دیر غائر نگاہوں سے صمام کو دیکھا پھر حیرت سے پوچھا۔

"تم ! صمام بن ثعلب اور یہاں ؟"

صمام بھی شاید اسے پہچان گیا تھا -

"ہاں میں ، کیا حال ہے تمہاری بستیوں کا ؟" اس کی آواز میں بلا کا طنز اس نے غصّے میں پوچھا -

"کیا تم ہی ہماری بستیوں کو جلا رہے ہو ؟"

"اس میں کیا شک ہے - کیا میں اب اس میں حق بجانب نہیں - کیا ہم کی بستیوں میں بھی تمہارے بھائیوں نے قتل کا بازار گرم نہ کیا تھا - لات و عزیٰ کی میں یہودیوں کی سب بستیوں کو دریائے زیتم کی طرح ان کے خون سے سُرخ بنا دوں گا۔

اس نے غصیلی نگاہوں سے صمام کو گھورا -

"بے رحم بھیڑیے ہمارے بھائی ایک روز تم سے انتقام ضرور لیں گے"۔

عمار غصّے میں سُرخ ہو گیا - ایک سنسناتا ہُوا طمانچہ اس نے یہودی کے مُنہ پر رسید کیا۔

"یہودی کتّے ! یہ مت بھولو کہ تم ہمارے سردار سے مخاطب ہو"۔

"سردار !" اس نے حیرت سے دہرایا -

"ہاں"۔

صمام نے آگے بڑھ کر باقی یہودیوں کو بھی دیکھا - پھر اس نے اپنے ساتھ ساتھ ہوئے عمار سے بڑی سرگوشی کے انداز میں کچھ کہا - وہ نیچے میدان میں اُتر گیا اور کچھ دیر بعد، کا ایک دستہ اس کے ساتھ تھا - آتے ہی اس نے ان کو اشارہ کیا اور انہوں نے سب یہودیوں کو تیروں سے چھید کر رکھ دیا -

اس رات بھی صمام یہودی بستیوں پر حملہ آور ہُوا - اب اس کے ساتھ ایک ساتھی تھے جن کے ساتھ اس نے تباہی مچا دی تھی - اب اس کا ہر روز کا شیوہ ہو گیا

کہ وہ یہودیوں پر حملہ آور ہونے لگا تھا - اس کے ساتھیوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی تھی - اپنے کیمپ کی ساری ناریں اس نے سامان سے بھر رکھی تھیں - پہاڑ کے دامن میں جہاں شروع شروع میں صرف پچاس خیمے نصب ہوئے تھے - اب وہاں سینکڑوں خیمے اس میدان کے حُسن میں اضافہ کر رہے تھے -

صحرا کے سارے یہودی بھی بوکھلا اُٹھے تھے - تاہم انہوں نے نادیدہ قوت کو ختم کرنے کے لیے ایک مشترکہ لشکر تیار کرنا شروع کر دیا تھا تاکہ یہودیوں کو اور زیادہ تباہی سے بچایا جا سکے -

ایک تاریک اور سنسان رات جب ہر طرف تیز اور تند ہوائیں چل رہی تھیں۔ صمام اور عمار صحرا میں اپنے گھوڑے سرپٹ دوڑاتے جا رہے تھے۔ صحرا کی ریت وہ کہیں رُکے بغیر کافی دیر تک روندتے رہے۔

ابھی لوگ سوئے نہ تھے کہ وہ القطر میں داخل ہوئے۔ صمام نے پہلے ایک بار پوری بستی کا چکّر لگایا۔ کئی گھروں سے روشنی نکلتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ شاید جنگ کے وقت جو لوگ جان بچانے کی خاطر بھاگ گئے تھے وہ اب واپس آکر آباد ہونا شروع ہوگئے تھے۔ صمام بازار میں آیا۔ اس نے اپنا چہرہ اچھی طرح ڈھانپ رکھا تھا۔ بازار میں چھ سات دکانیں کھُلی ہوئی تھیں۔ صمام اپنی بستی والوں کو پہچان چکا تھا۔ تاہم وہ کسی سے ملا نہیں۔ بازار سے نکل کر وہ اپنے گھر کے پاس آیا۔ اندر داخل ہونے سے پہلے اس نے اپنے سامنے سردار کے گھر پر نگاہ ڈالی جو اندھیرے میں بڑا خوفناک دکھائی دے رہا تھا۔

وہ اپنے گھر داخل ہوا۔ اندر اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ عمار بھی اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ صمام اپنی بیوی کی قبر پر آیا اور مٹی درست کرنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے تھے۔ اس پر رقّت طاری ہوگئی تھی۔ عمار اس کے پاس کھڑا بڑی اداسی اور غم سے بے بس صمام کو قبر پر ہاتھ پھیرتے دیکھ رہا تھا۔

اپنی عبا سے آنسو پونچھتے ہوئے صمام کھڑا ہوگیا اور جذبات سے مغلوب ہو کر کہا "حبل و منات کی قسم میں اس وقت تک چین سے نہ بیٹھوں گا جب تک ان یہودی کتوں سے انتقام نہیں لے لیتا۔ میں اس صحرا کو ان سے پاک کر دوں گا۔ میں ان پر ثابت کر دوں گا کہ عرب اتنے بے غیرت نہیں کہ شکست کا داغ نہ دھو سکیں۔

اپنے گھر سے وہ باہر آیا اور ساتھ والے مکان پر دستک دی۔ تھوڑی دیر بعد اسی بڑھیا نے دروازہ کھولا۔ اس کے ایک ہاتھ میں لاٹھی اور دوسرے میں مشعل تھی۔ دروازہ کھول کر وہ ایک طرف کھڑی ہوگئی اور مشعل کی روشنی میں صمام کو دیکھتے ہوئے خوشی سے بولی۔

"بیٹا! تم کہاں ہو آج کل؟"

صمام وہیں کھڑا رہا۔

"یہاں سے بہت دُور ہوں خالہ!"

"باہر کیوں کھڑے ہو، اندر آجاؤ۔"

"نہیں میں جلدی میں ہوں، مجھے فوراً واپس جانا ہے"۔ اس نے نقدی کی ایک تھیلی نکالی اور اُسے تھما دی۔

"یہ رکھو اپنا خرچ چلاتی رہنا۔ میں عنقریب اس بستی کو پھر آباد کروں گا۔"

بڑھیا نے حیرانگی سے پوچھا۔

"وہ کیسے؟"

"تم نے سُنا آج کل یہودیوں پر کیا گزر رہی ہے"

"ہاں آج کل وہ بہت گھبرائے ہوئے ہیں۔ کوئی نادیدہ قوت بڑی تیزی سے ان بستیوں کو لُوٹ لوٹ کر آگ لگا رہی ہے۔"

"یہ میرا ہی کام ہے۔ میں عربوں کو اپنے گرد جمع کرنے میں کامیاب ہوگیا ہوں۔"

بڑھیا خوش ہوگئی۔

"میرا دل بھی یہی کہتا تھا بیٹا! پر تم اندر آکر بیٹھو تو جاؤ نا۔"

"مجھے فوراً واپس جانا ہے۔ میں عنقریب تم سے پھر ملوں گا۔"

صمام آگے بڑھ گیا اور بڑھیا نے دروازہ بند کر لیا تھا۔

صحرا کی وسطی سرائے کے پاس آکر وہ دونوں پھر رُک گئے۔ صمام نے اندھیرے کی آڑ میں کھڑے ہو کر اندر جھانکا۔ بہت کم لوگ اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہاں کوئی عرب

نظر نہ آرہا تھا۔ سب یہودی ہی تھے اور وہ بھی کچھ ادھیڑ عمر کے تھے۔

صمام گھوم کر سرائے کی پشت پر آیا۔ ایک چھوٹا سا پتھر اٹھایا اور سرائے کی
کی منزل میں لکڑی کی ایک کھڑکی پر دے مارا۔ تھوڑی دیر بعد کھڑکی کھلی اور کسی نے کھڑ
میں کھڑے ہو کر ہلکے سے پوچھا۔

"کون ہے"؟ صمام اسے پہچان گیا۔ وہ حبابہ تھی

اس نے آہستگی سے کہا۔

"میں صمام ہوں۔ تم ذرا باہر آسکو گی"۔

حبابہ بہت خوش دکھائی دے رہی تھی۔ تاہم اس نے تیکھی آواز میں کہا۔

"نہیں آج کل انہوں نے بہت پابندیاں لگا دی ہے کیونکہ کوئی ان پر عذاب
کر ٹوٹ رہا ہے

"تمہارے کمرے میں کوئی اور تو نہیں ہیں

"کوئی نہیں"۔

"میں اوپر آجاؤں

"بیشک آجاؤ مگر وہ لمبے چوڑھو گے"؟

"میں آجاؤں گا تم کم فکر نہ کرو"۔

گھوڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے صمام نے ایک کمند کھولی اور زور سے لہرا کر کھڑکی میں
سے اندر پھینک دی اور پھر حبابہ سے کہا۔

"اسے کسی چیز سے باندھ دو"۔

حبابہ نے کمند کھڑکی سے باندھ دی اور صمام اوپر چڑھ گیا۔

جونہی وہ اندر داخل ہوا حبابہ اسے سر سے پاؤں تک دیکھتی ہوئی حیرانگی سے بولی۔

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ تم زندہ ہو"۔

صمام مسکرا دیا اور اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے کہا۔

"مگر پھر بھی زندہ ہوں"۔

حبابہ نے اپنی مسہری کی طرف اشارہ کیا۔

"بیٹھو"!

صمام بیٹھ گیا۔

"قید سے بھاگ کر کہاں چلے گئے تھے"؟

"مرج راہط"۔

"کیا کر رہے ہو وہاں"۔

"وہی جو آج کل یہودیوں پر گزر رہی ہے"۔

حبابہ کھل اٹھی۔

"تو کیا تم ہی ان کی بستیوں کو لوٹ لوٹ کر آگ لگا رہے ہو"۔

"ہاں! میں اپنے خوفناک انتقام کی ابتدا کر چکا ہوں۔ تم بہت جلد اس کی انتہا
دیکھو گی"۔

"اور کون کون ہے تمہارے ساتھ"۔

"اپنی بستی کا تو کوئی بھی آدمی نہیں"۔

"تو پھر اور کون ہیں"؟

"میں نے وہیں سے کچھ عرب جوان اکٹھے کر لیے ہیں۔ مرج راہط میں پہلے ہی
جاننے والے کافی تھے"۔

"کتنے ساتھی ہوں گے تمہارے ساتھ"۔

"کوئی ایک ہزار"۔

حبابہ خوش ہو گئی۔

"اس کا مطلب ہے ہم ایک بار پھر یہودیوں کو مات کرنے میں کامیاب ہو
جائیں گے"۔

"ضرور اور بہت جلد"۔ یہودیوں کے متعلق کچھ بتاؤ۔

"وہ آج کل بہت گھبرائے ہوئے ہیں۔ جیل ہاران میں کوئی حماس نام کا لیڈر ہے نا"۔

"ہاں! کیا ہوا اُسے؟"

"یہودی تمہارا مقابلہ کرنے کے لیے اس سے ساز باز کر رہے ہیں۔"

"کرنے دو۔ اگر یہ بات ہے تو میں اسے بھی عنقریب ختم کر دوں گا تاکہ وہ کسی کے میرے راستے کی دیوار بن کر کھڑا نہ ہو۔"

اس کے علاوہ کچھ۔

بس یہودی دن رات تمہیں پکڑنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ ویسے ان کو پتہ نہیں ہے کہ تم ان کی بستیوں کو لوٹ کر تاراج لگا رہے ہو۔"

صلاح الدین کھڑا ہوا۔

"میں اب چلتا ہوں۔"

"میں اب سمجھتی ہوں یہیں اس صحرا میں زندہ رہنے کا حق ہے۔"

"ہفتے میں ایک بار ضرور آیا کروں گا۔ تم پھر خبریں جمع کرنے کا سلسلہ شروع کر دو۔"

صلاح الدین نے کمند پکڑی اور نیچے اُتر گیا۔ حبابہ نے کمند کی گانٹھ کھول دی۔ صلاح الدین نے اسے لپیٹا اور پھر گھوڑے کی زین سے باندھ کر وہ سوار ہوا اور دونوں جبل حارن کی سمت گھوڑے دوڑانے لگے تھے۔

دوسرے روز صلاح الدین اور عمار دونوں مرج راہط پہنچے۔ جونہی وہ ارمید کی سرائے میں داخل ہوئے ٹھٹک کر رہ گئے۔ ایک مسلح جوان نے بوڑھے عطار کا گریبان پکڑ رکھا تھا اور جھنجھوڑ کر کہہ رہا تھا۔

"میرے گھوڑے کو نعل لگاتے ہو یا نہیں؟"

عطار جس کا سانس بند ہو رہا تھا بڑی مشکل سے کہہ سکا۔

"میں نے یہ کام چھوڑ دیا ہے۔ اب میرے پاس سامان نہیں۔ میں کیسے نعل بندی کر سکتا ہوں۔"

وہ اور بپھر گیا۔

"مجھے پتہ نہیں جہاں سے مرضی پیدا کرو۔ تین اور مسلح جوان وہاں کھڑے تھے۔ وہ بھی اس کے ساتھی تھے۔ صلاح الدین نے دیکھا عطار کا رنگ سرخ ہو گیا تھا۔ ارمید اور عطار کا چھوٹا لڑکا بڑی بے بسی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

صلاح الدین تیزی سے آگے بڑھا اور اس جوان کی گردن پر زور سے ہاتھ مارا۔ جونہی اس نے غصے میں مڑ کر اس کی طرف دیکھا صلاح الدین نے پوری قوت سے اس کے جبڑے پر مکہ مارا اور اس کے دو دانت توڑ کر رکھ دیئے۔ اس کے منہ سے خون بہہ نکلا تھا۔

صلاح الدین نے دھاڑا

"ذلیل کتے! کس کا گریبان پکڑنے کی جرأت کی ہے تم نے۔"

اس کے ساتھیوں نے تلواریں سونت لیں۔

اس بار عمار ان کی طرف دیکھتے ہوئے گرجا۔

"تم میں سے کسی نے بھی اگر آگے بڑھ کر ہم سے ٹکرانے کی کوشش کی تو کوئی بھی جان بچا کر بھاگ نہ سکے گا۔ اگر تمہیں کوئی شک ہو تو آؤ میں تم تینوں کو ایک ساتھ لڑنے کی دعوت دیتا ہوں۔ ان تینوں نے کچھ دیر خاموشی سے صلاح الدین اور عمار کو دیکھا اور پھر ہو کر اپنی تلواریں نیام میں کر لیں۔

عمار مسکرایا۔

"عقلمند ثابت ہوئے ہو۔ اٹھاؤ اپنے ساتھی کو اور چلے جاؤ یہاں سے۔ ابھی اگر ادھر کا رُخ کیا تو کبھی واپس نہ جا سکو گے۔"

تینوں نے اپنے ساتھی کو اُٹھایا اور باہر نکل گئے۔

عطار اور زیادہ خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔ وہ صلاح الدین کے قریب آیا اور مغموم آواز میں

"یہ تو بہت بُرا ہوا صلاح الدین!"

"کیوں"؟ صلاح الدین نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ حماس کے آدمی تھے۔"

"پھر کیا ہوا ؟"

"وہ خود بھی یہیں ہے - وہ تم سے بدلہ لینے ضرور آئے گا۔"

"آنے دو - وہ اگر صحیح معنوں میں بہادر ہے تو میں اسے مقابلے کی دعوت دوں گا - مگر وہ یہاں کس غرض سے آیا ہوا ہے اور کہاں ہے ؟"

"کلیسا میں ہے۔"

صمام نے حیرت سے پوچھا -

"کلیسا میں"۔

"ہاں"

"وہ کیوں ؟"

"آج کچھ ایرانی غارت گر یہاں سے گزرے تھے انہوں نے راہب کو قتل کر دیا اور کلیسا کو آگ لگا دی تھی"

صمام کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا -

"ربطہ کدھر گئی"

"وہ چھپ گئی تھی اور بچ گئی ہے - حماص نے اسے اپنی بہن بنایا ہوا ہے اسے پتہ چل گیا تھا کہ کلیسا کو آگ دی گئی ہے - وہ راہب اور ربطہ کا پتہ کرنے آیا ہے"

صمام نے بات کا رخ بدلا -

عطار چچا! تم اب یہ نعل بندی کا کام بند کر دو اور ایک سرائے کھول لو ہمیشہ کے لیے آمدنی کا ایک ذریعہ بن جائے گی -

عطار نے لمبی سانس لے کر کہا -

"اس کے لیے بہت زیادہ سرمائے کی ضرورت ہے۔"

"کس قدر چاہیئے تمہیں ؟"

عطار نے پیار سے کہا -

"ابھی تم خود سنبھلے نہیں میرا بوجھ کیسے برداشت کرو گے ؟"

صمام مسکرا دیا -

"کبھی تمہیں اپنے ساتھ کیمپ لے کر چلوں گا - پھر دیکھنا میں نے اپنے حالات کس قدر تیزی سے تبدیل پیدا کر دی ہے۔"

"کیسی جا رہی ہے تمہاری مہم ؟"

"میں بس اتنا جانتا ہوں کہ یہودی اب بوکھلا اٹھے ہیں اور وہ دن اب کچھ زیادہ دور نہیں جب میں انہیں اس صحرا سے ہی ختم کر دوں گا۔"

"اپنی بستی میں کبھی گئے ہو ؟"

"آج رات ہی گیا تھا۔"

"پھر ؟ کیا وہ پہلے کی طرح اجڑی اور ویران ہے"؟ ——— صمام نے گہری سانس لے کر کہا - "جنگ کے دوران جو لوگ بھاگ گئے تھے وہ دوبارہ آہستہ آہستہ آباد ہونے لگے تھے لیکن اب ان سے تعرض نہیں کر رہے کیونکہ انہیں ادھر دھیان دینے کی میں نے فرصت ہی نہیں دے رکھی - اس کے ساتھ ہی صمام نے گھوڑے کی زین سے نقدی کی تین تھیلیاں نکالیں اور عطار کے قدموں میں ڈال دیں ——— "دیکھو چچا! سرائے کھولنے کے لیے یہ رقم کافی ہے یا اور چاہیئے۔"

عطار کی آنکھیں چمک اٹھیں -

"ہے تو کافی مگر تمہیں آج کل سرمائے کی بہت ضرورت ہے۔"

"فکر نہ کرو اب میرے پاس بہت کچھ ہے - بس اگلے ہفتے جب میں آؤں تو سرائے کا کاروبار شروع ہو چکا ہونا چاہیئے - اس کے لیے ارمد اور رباح سے بھی مشورہ کر لینا کہیں باہر ہی بنوانا جہاں قافلے آسانی سے اتر سکیں۔"

وہ آگے بڑھا اور صمام کا ہاتھ پکڑ لیا -

"آؤ اندر چل کر بیٹھیں - یہاں کیوں کھڑے ہو گئے ہو ؟"

وہ سرائے کے اندرونی حصے کی طرف بڑھنے لگے تھے -

صام - عمار - ارید - رباح اور عطار ابھی سرائے کے برآمدے میں ہی آئے تھے کہ باہر گھوڑوں کی ٹاپوں سے زمین گونج اُٹھی - وہ سب وہیں کھڑے ہوگئے - سرائے کے باہر کوئی چار سو سوار آکر رُکے اور پھر ایک سیاہ رنگ کا دیو نما انسان سیاہ گھوڑے پر سوار اندر داخل ہوا - اس کے چہرے پر کئی زخموں کے نشان تھے - اس کے ساتھ وہی نوجوان تھے جو ابھی ابھی سرائے سے نکل کر گئے تھے -

عطار نے صام کے قریب ہوتے ہوئے سرگوشی کی -

"حماس آگیا ہے" - عطار کی آواز میں دبے دبے خوف اور اندیشہ تھا -

"صام نے آہستگی سے پوچھا -

"یہ ہے حماس ؟"

"ہاں !"

"آنے دو - دیکھ لیتا ہوں آج اس کو بھی - کوئی ہم اس کے دیس میں اس سے خوفزدہ اور ہراساں ہوں - اگر اس نے بدنیتی کا مظاہرہ کیا - تو ہم اس سے کر خوفناک اور خونآشام بھیڑیے ثابت ہوں گے" ——— صام رُک گیا - کیونکہ گھوڑے پر سوار حماس نے ذرا آگے آکر ان میں سے ایک جوان سے کچھ پوچھا اور جواب اس نے صام کی طرف اشارہ کیا -

حماس اور آگے آیا - صام کے سامنے کھڑا ہوگیا اور کرخت آواز میں پوچھا

"تم نے میرے ساتھی پر ہاتھ اُٹھایا ہے ؟"

صام نے بڑی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا -

"ہاں ! اگر یہ تمہارے ساتھی ہیں تو میں نے ان میں سے ایک پر ہاتھ اُٹھایا ہے"

"کیوں ؟" حماس کی آواز میں تلخی اور وحشتناک جواب طلبی تھی صام نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا "وہ اس بوڑھے کو موت کے گھاٹ اتارنا چاہتا تھا" صام نے عطار کی طرف اشارہ کیا -

حماس غصّے میں ویرانے کے بھوکے گیدڑوں کی طرح چیخ پڑا -

"باہر آؤ - میں ارید کی سرائے میں تمہارا خون نہیں بہانا چاہتا"

صام نے اپنی تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھا اور آگے چل دیا -

"چلو - اگر تم اچھے مبارز ہو تو میرے مقابلے پر آؤ - میں تمہیں مقابلے کی دعوت دوں" عمار بھی اس کے ساتھ تھا - ارید، رباح اور عطار پریشان پریشان ان دونوں کے پیچھے چلنے لگے - صام نے جب باہر کر سب سواروں پر نگاہ ڈالی تو دنگ رہ گیا - رابطہ ایک گھوڑے پر سوار بجھی بجھی سی بیٹھی تھی اور صام نے یہ بھی دیکھا کہ عیاض بن وہب اس کے ساتھ یہودیوں کی قید سے بھاگا تھا وہ بھی ان سواروں میں شامل تھا - باہر آکر حماس نے تلوار بے نیام کر کے ہوا میں لہراتے ہوئے صام سے پوچھا

"تمہاری لاش میرے سب ساتھیوں کے گھوڑے روندیں گے"

صام نے بھی تلوار بے نیام کر لی اور حماس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

"کیا تم اکیلے مجھ سے مقابلہ کرنے کی جرأت کرتے ہو ؟"

حماس غصّے میں سُرخ ہوگیا - قبل اس کے کہ وہ کوئی جواب دیتا رابطہ اور عیاض وقت میں اس کے قریب آئے اور سرگوشی میں اس سے باتیں کرنے لگے -

تھوڑی دیر بعد حماس صام کے قریب آیا اور مسکرا کر کہا - میرے دو قابلِ اعتماد نے تمہاری سفارش کے علاوہ تمہاری شجاعت کی بھی تعریف کی ہے میں تمہیں نہیں روں گا - صرف یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم کتنے بہادر ہو اپنی تلوار نیام میں کر لو -

صام ہچکچایا اور اسی طرح اپنی تلوار تھامے رکھی - حماس نے اس بار نرم ہو

گھبراؤ نہیں میں تمہارے جسم پر خراش بھی نہ آنے دوں گا"

صمام نے تلوار نیام میں ڈال لی۔

حماس نے اس کی گردن کا نشانہ بنا کر تلوار لہرا کر پوری قوت سے گرائی اور اس کی گردن کے بالکل قریب لا کر ایک دم روک لی اور فوراً صمام کے چہرے کی طرف صمام نے آنکھ تک نہ جھپکی تھی۔

حماس مسکرا اُٹھا حماس چند لمحوں تک غور سے اسے دیکھتا رہا۔ دوبارہ وہ میں آیا اور اس نے تلوار گردن کے دوسری طرف گرائی۔ پھر ناک۔ آنکھ اور منہ پھر اپنی چمکتی ہوئی تلوار گرائی مگر صمام نے پھر بھی آنکھ نہ جھپکی۔

حماس خوش ہو گیا اور مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تم واقعی بہادر ہو۔ ایک وقت میں کتنے آدمیوں سے مقابلہ کر سکتے ہو"

صمام سنبھلا اور چھاتی تانتے ہوئے کہا۔ "میں ——— میں اپنی تلوا لگائے بغیر بارہ آدمیوں کو زیر کر سکتا ہوں اور ایسا ہر کوئی نہیں کر سکتا۔"

حماس نے مشکوک نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور غیر یقینی لہجے میں اس

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"آزما لو۔"

حماس نے اپنی تلوار نیام میں کر لی اور فکر مند سے لہجے میں اس نے کہا

"اگر تم مر گئے تو میں ذمہ دار نہ ہوں گا۔"

صمام نے کبھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"اگر تمہارے بارہ آدمی مر گئے تو میں بھی ذمہ دار نہ ہوں گا۔"

"مجھے منظور ہے۔" حماس نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"تو پھر نکالو ان بارہ آدمیوں کو جو تمہارے ان سواروں میں سب بہادر ہیں۔ مگر ایک شرط ہے۔"

"وہ کیا؟"

"ان میں یہ عیاض نہیں ہوگا۔ یہ میرا دوست ہے اور مجھے اس سے

حماس نے آگے بڑھ کر بارہ جوان چن کر باہر نکالے اور انہیں صمام کے سامنے کھڑا کرتے ہوئے کہا۔ "یہ تم سے مقابلہ کریں گے۔"

"آنے دو۔" اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے گھوڑے کو پکڑا اور اس پر سوار ہو گیا اور سامنے والے میدان میں اسے تیزی سے بھگاتے ہوئے اس نے ان بارہ جوانوں کی طرف اشارہ کیا۔

"آجاؤ۔ میں تم سب کو مبارزت کی دعوت دیتا ہوں۔"

وہ سب ایک ساتھ بڑی تیزی سے اس کے تعاقب میں بڑھے۔ صمام فوراً گھوڑے پر اُٹھا ہو کر بیٹھ گیا اور زین سے خنجر نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیے۔ گھوڑا اسی طرح گول چکر میں سرپٹ دوڑ رہا تھا۔ تاک کر اس نے لگاتار بڑی تیزی کے ساتھ خنجر مارے اور چھ آدمی دھڑ ہو کر ریت پر لوٹنے لگے۔

باقی چھ بڑی تیزی سے اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ صمام نے دونوں ہاتھ ہوا میں بجاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"گھبراؤ مت اب میرے پاس خنجر نہیں ہیں۔ خالی ہاتھ ہوں۔ آگے بڑھ کر حملہ کرو۔"

وہ اور تیزی سے آگے بڑھے۔ اس خیال سے کہ صمام نہتا ہے اور آگے بڑھ کر اس شرط کو باطل کر کے رکھ دیں لیکن یہ ان کی بھول تھی۔ صمام کی حالت اس بھوکے چیتے جیسی ہوا جو اپنے شکار کو دبوچنے کے لیے کسی مناسب جگہ گھات لگانے کی کامیاب کوشش کر

صمام پھر سنبھلا۔ کسی خود کار مشین کی طرح لگاتار اس نے ان پر کمندیں پھینکیں تی چھ کی گردنیں ان میں جکڑ گئیں۔ وہ اپنے گھوڑے سے گرے اور صمام کا گھوڑا نے رحمی سے انہیں گھسیٹ رہا تھا۔

صمام کو جب یقین ہو گیا کہ وہ مر چکے ہیں تو اس نے اپنے گھوڑے کو روکا اپنی در خنجر نکال کر پھر اسی طرح گھوڑے کی زین سے باندھنے کے بعد وہ دوبارہ حماس

کے پاس آیا۔

"کیا خیال ہے؟"

حماس سے سنجیدگی سے کہا۔

"واقعی تم خطرناک حد تک چالاک، عیار اور بہادر ہو۔ میں تمہارے طریقۂ جنگ سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔ میں تمہیں اپنے گروہ میں شامل ہونے کی دیتا ہوں۔ بشرطیکہ تم خوشی سے اسے منظور کرلو۔"

صام نے فوراً کہہ دیا۔

"مجھے منظور ہے۔"

عمار نے عجیب طرح سے اس کی طرف دیکھا۔ مگر صام نے آنکھ مار کر اسے کر دیا تھا۔

○

صام اور عمار دونوں حماس کے ساتھ جبل ہاران میں اس کے ٹھکانے میں پہاڑ کی ایک اونچی چوٹی پر یہ ایک قلعہ نما رہائش گاہ تھی۔ پتھروں کے بے شمار مکان ہوئے تھے۔ جن کے وسط میں ایک چھوٹا سا میدان تھا اور اس میدان کے دائیں طرف کی ذاتی رہائش گاہ تھی۔ میدان کے چاروں طرف اَن گنت چھوٹے چھوٹے کمرے تھے میں صرف غیر شادی شدہ مرد رہتے تھے۔ بیوی بچوں والے ساتھیوں کے لیے پہاڑ کی میں نیچے تک مکان بنے ہوئے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کسی نے وہاں پورا شہر آباد کر

حماس کے ساتھ جب وہ اس میدان میں داخل ہوئے تو صام نے دیکھا جوان زمین میں گڑے ہوئے لکڑی کے شہتیروں سے بندھے ہوئے تھے اور کچھ آدمی بے رحمی سے اُن پر کوڑے برسا رہے تھے۔ صام نے فوراً حماس سے پوچھ لیا۔

"یہ کون لوگ ہیں، جنہیں یوں باندھ کر مارا جا رہا ہے۔"

حماس نے طنزاً کہا۔

"عرب ہیں، کوئی اچانک یہودیوں کی بستیوں کو لوٹ لوٹ کر آگ

علاقے کے سارے یہودی میرے پاس شکایت لے کر آئے تھے کہ تمہارے گروہ میں جو ہیں وہ ہماری بستیوں پر ظلم کرنے لگے ہیں کیونکہ ہم نے ان کے عرب بھائیوں کو شکست کر قتل کر دیا ہے۔ میرے پاس جتنے عرب ہیں یہ دس ان کے سرکردہ ہیں۔ میں ان سے دن ہو گئے پوچھ رہا ہوں کہ بتاؤ کون یہودیوں کی بستیوں کو لوٹ رہا ہے مگر یہ بتاتے ہیں۔ میں اب اس وقت تک انہیں نہیں چھوڑوں گا جب تک یہ اس راز سے پردہ ہیں ہٹاتے۔

صام کے چہرے پر درندگی پھیل گئی تھی اور اُس نے اپنی آنکھیں بند کر کے جانے کیا سوچنا شروع کر دیا تھا۔ اچانک وہ چونک پڑا۔ سامنے والے مکان سے ایک ابصورت عورت نکلی اور حماس کے قریب آکر کھڑی ہو گئی۔ صام نے ان دونوں کی باتوں سے اندازہ لگایا کہ وہ حماس کی بیوی ہے۔ ربطہ بھی ان کے قریب ہی کھڑی تھی۔

حماس نے ربطہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی بیوی سے کہا۔

"یہ میری بہن ہے۔"

اس کی بیوی ربطہ کو پکڑ کر اندر لے گئی۔

حماس پھر صام کی طرف متوجہ ہوا اور ایک خالی کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے "یہ تمہارا کمرہ ہے۔ آرام کرو۔ جب مجھے تمہاری ضرورت ہو گی بلا لوں گا۔" حماس اپنے ے میں چلا گیا اور صام اس کمرے کی طرف بڑھنے لگا تھا جس کی طرف حماس نے اشارہ کیا عمار اور عیاض اس کے پیچھے پیچھے تھے۔

○

سردی کافی بڑھ گئی تھی۔ عیاض نے صام اور عمار دونوں کے لیے بستر اور گرم کپڑوں انتظام کر دیا تھا۔ اپنے کمرے میں جانے کے بجائے صام ایک بھاری کمبل اوڑھ کر اپنے ے کے باہر ایک پتھر پر بیٹھ کر رسیوں سے بندھے ہوئے عربوں کی طرف دیکھنے لگا جن ہونٹ پیاس سے خشک ہو رہے تھے۔ عمار بھی اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ جلد ہی عیاض ان کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ صام نے بڑی آہستگی سے پوچھا۔

"عیاض! تم اس گروہ میں کب شامل ہوئے؟"

وہ کچھ غم گین ہو گیا اور اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے رازداری سے کہنے لگا۔

"یہودیوں کی قید سے نکلتے ہی میں اس گروہ میں شامل ہو گیا تھا۔ میرا ارادہ میں حماس کی حمایت حاصل کر کے ایک روز ضرور یہودیوں سے انتقام لوں گا۔ مگر ناکام رہا اور اُلٹا یہاں آ کر پھنس گیا۔"

"وہ کیوں۔ کیا حماس نے تمہارے کہیں جانے پر ——" عیاض اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "یہ حماس یہودی ہے اور عربوں کے سخت خلاف ہے یہاں سے کوئی بھاگ بھی نہیں سکتا۔ جب بھی کوئی باہر جاتے حماس کے خاص آدمی اس کے پیچھے لگ جاتے ہیں تاکہ وہ کوئی سازش نہ کر پائے۔ اب پتہ نہیں یہودی بستیوں کو کون لوٹ رہا ہے اور حماس ان بیچارے عربوں کو سزا دے رہا ہے۔ پورا دن یہ بھوکا پیاسے یہاں بندھے رہتے ہیں اور ان پر کوڑے بھی برسائے جاتے ہیں۔ رات کو انہیں کھول کر یہیں ان کے اُوپر کمبل ڈال دیئے جاتے ہیں اور چاروں طرف سخت پہرہ رہتا ہے۔"

صمام نے اس کے کان سے مُنہ لگا کر پوچھا۔

"حماس کے گروہ میں کتنے عرب ہوں گے"

"تنو کے قریب ہوں گے۔"

"اور اس کے کل ساتھیوں کی تعداد کیا ہے"

"کوئی سات سو کے قریب ہیں۔"

"باقی سب کیا یہودی ہیں؟"

"ہاں۔"

اتنے میں سامنے والے کمرے سے ایک دراز قد اور خوب کسے ہوئے اور فربہ جسم کا ایک جوان نکلا اور بڑے غور سے صمام اور عمار کی طرف دیکھنے لگا۔ صمام نے عیاض سے پوچھا۔

"یہ کون ہے؟"

"یہ نائب سردار ہے۔ بڑا خونخوار انسان ہے۔ یہ صحرائے حماد کے اندر صحرا میں

رہنے والا ہے۔ اس ٹھکانے کا زیادہ تر کرتا دھرتا یہی ہے۔"

"اس کا نام کیا ہے؟"

"مقنا"

وہ جوان ان کے پاس سے گزرتا ہوا آگے نکل گیا۔ اس کی چال میں فخر و تکبر تھا۔ صمام نے پھر پوچھا۔ "ایک بات اور بتاؤ عیاض؟"

وہ متوجہ ہو گیا اور اپنا کان صمام کے قریب لے جاتے ہوئے اس نے سرگوشی کی۔

"میں تمہارے ہر سوال کا جواب تسلّی بخش دوں گا۔" صمام نے گہری رازداری سے کہا۔ "کو اگر متحد کیا جائے تو کیا وہ ایسا کرنے پر راضی ہو جائیں گے؟"

"راضی تو ضرور ہو جائیں گے مگر تعداد میں بہت کم ہیں اور فعلاً حماس کے خلاف سکیں گے۔"

"اس بات کو تم چھوڑو۔ یہ میں سب ٹھیک کر لوں گا۔ صرف انہیں متحد کرنے کے متعلق

"وہ تو ایسے شخص کے منتظر ہیں جو اُن کی قیادت کرے اور حماس جیسے بھیڑیے نجات دلا سکے" —— "بس تو پھر تم انہیں آہستہ آہستہ اس بات کا احساس کرو کہ عنقریب وہ حماس کی قید سے آزاد ہونے والے ہیں۔ میں حماس کے گروہ میں لیے ہُوا ہوں کہ اسے ختم کر دیا جائے کیونکہ یہ آگے چل کر میرے راستے میں کسی رکاوٹ بن سکتا ہے اور میں راستے کی اس دشواری کو فوراً ہٹا دینا چاہتا ہوں۔" عیاض نے اطمینان سے کہا۔

"میں آج رات ہی اس کام میں لگ جاؤں گا۔" پھر وہ کھڑا ہو گیا اور ذرا بلند "باہر سردی ہے چلو اندر چل کر بیٹھیں۔"

صمام بھی اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "چلو۔"

تینوں کمرے میں آئے اور پھر بڑی رازداری سے باتیں کرنے لگے تھے۔

اس رات بے حد سردی ہو گئی تھی۔ رات کے پچھلے حصّے میں کچھ برف گر گئی تھی۔ جس سے سردی میں خاطر خواہ اضافہ ہو گیا تھا۔ صمام اور عمار دوسری صبح دھوپ چڑھ آئی تو وہ اپنے غار نما کمرے سے نکل کر باہر دھوپ میں آ کر اسی پتھر

درختوں کے پتّوں سے بنے ہوئے چھپر تلے وہ دس عرب ابھی تک کمبلوں اپنے جسم دہرے کیے ہوئے پڑے تھے۔ صمام انہیں ٹکٹکی باندھے دیکھے جا رہا تھا چہرے پر غم اور فکر کی لکیریں بڑی آسانی سے دیکھی جا سکتی تھیں۔

اتنے میں کچھ آدمی اندر سے نکلے اور ان عربوں کو جگا جگا کر کھڑا کر کے کی بلّیوں سے جکڑنے لگے۔ ایک عرب نوجوان کو انہوں نے پاؤں کی ٹھوکریں کافی دیر تک جگانے کی کوشش کی مگر وہ نہ اُٹھا۔ صمام سب کچھ دیکھ رہا تھا کافی لوگ جمع ہو گئے تھے اور اس عرب کو گھیر لیا تھا۔

صمام ابھی تک وہیں بیٹھا تھا۔ اسی جھنگٹے میں سے عیاض نکلا اور صمام آ کر بڑے اداس لہجے میں اس نے اپنی گردن جھکاتے ہوئے کہا "ایک عرب اس کا جسم سردی میں لکڑی کی طرح اکڑ گیا ہے" ——— صمام فوراً اُٹھ اور اس عرب کو جا کر دیکھا وہ بیچارا شاید رات سردی میں ہی اکڑ گیا تھا۔ اس کا لکڑی کی طرح سخت ہو گیا تھا۔ صمام پر رقّت طاری ہو گئی۔ کچھ دیر تک اس آنکھیں بند کیے رکھیں۔ پھر دوبارہ دھوپ میں اسی پتھر پر آ کر بیٹھ گیا۔ دو آدمی کی لاش پہاڑ کے دامن میں دبانے کے لیے نیچے اُتر گئے تھے۔

اِتنے میں حماس باہر نکلا اس کے پیچھے پیچھے اس کی بیوی اور ربطہ بھی تھیں۔ اس نے ہی کوڑا اٹھا کر بندھے ہوئے عربوں پر برسانا شروع کر دیا اور دھمکی دے کر پوچھنے تاؤ کون یہودی بستیوں کو لُوٹ کر آگ لگاتا ہے۔ صمام کے سامنے والے کمرے سے نوکھوار اور دیونما مقنا جو نائب سردار تھا نکل کر حماس کے پاس جا کھڑا ہوا اور وہ بھی ھے ہوئے عربوں پر ظلم کرنے لگا۔

اچانک مقنا کی نگاہ ربطہ پر پڑی وہ تھوڑی دیر تک اسے بڑی میٹھی میٹھی نگاہوں یقتا رہا پھر آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔ ربطہ زور زور سے چلّانے لگی "چھوڑ دو وحشی، بھیڑیے، تم کمینے، خبیث اور ابلیس ہو۔ چھوڑ دو میرا ہاتھ"۔

حماس بھی اُدھر متوجہ ہو گیا۔ کوئی اثر لینے کی بجائے وہ مسکرا رہا تھا۔

صمام اطمینان سے بیٹھا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

عیاض پھر بول پڑا

"صمام! یہ لڑکی عرب ہے نا؟"

صمام نے ربطہ اور مقنا کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں! وہ عرب ہے اور اس کا نام ربطہ ہے۔ مَیں اسے عرصے سے جانتا

"تو آج یہ بھی گئی۔ آج مصیبت زدہ عربوں میں ایک اور کا اضافہ ہو گا"۔ نے سخت لہجے میں پوچھا۔ "اس مقنا نے اس کا بازو کیوں پکڑا ہے؟"

عیاض نے غصّے میں کہا۔

"یہ وحشی لوگ ہیں اور ان کے رسم و رواج بھی وحشیوں جیسے ہیں۔ ان کا قانون جس مرد کو کوئی لڑکی پسند آ جاتی ہے وہ اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔ پھر وہ سامنے والا ہے نا وہ پیٹا جاتا ہے اور سب لوگ اس میدان میں جمع ہو جاتے ہیں۔ جس کسی کو اس پر اعتراض ہو وہ اس مرد سے مقابلہ کرتا ہے اور لڑکی جیتنے والے کے حوالے کر جاتی ہے"۔

عیاض خاموش ہو گیا کیونکہ ایک آدمی آگے بڑھ کر زور زور سے اس طبل لگا تھا۔ سب لوگ بھاگ بھاگ کر اس میدان میں جمع ہونے لگے تھے۔

تھوڑی دیر تک وہاں مردوں اور عورتوں کا ایک جمِ غفیر جمع ہو گیا۔ کچھ مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئے تھے۔ مقنا ربطہ کا ہاتھ پکڑے میدان کے وسط میں ہوا اور تلوار بے نیام کر کے ہوا میں لہرانے لگا۔

ہر طرف سکوت چھا گیا تھا۔ اتنے میں ایک بدہیبت سا جوان لوگوں کے میں سے نکلا اور تلوار ننگی کر کے میدان میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ مقنا نے ربطہ کا ہاتھ دیا اور تلوار لہراتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔ دونوں خونخوار بھیڑوں کی طرح ایک پر ٹوٹ پڑے۔ ربطہ ڈری اور خوفزدہ ہرنی کی طرح صمام کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی وہ اسے ایسی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی جس میں محبت بھی تھی اور التجا بھی۔ مگر کی طرف دھیان دینے کے بجائے لڑائی کا منظر دیکھ رہا تھا۔ ربطہ کی طرف سے بے اعتنائی اور بے حسی کا مظاہرہ کر رہا تھا جیسے وہ حسین رامبہ اس کے لیے اجنبی ہو کی طرف دیکھے بغیر وہ بڑی محویت اور غور سے جنگ کا منظر دیکھ رہا تھا۔

مقنا بے حد خوفناک انسان تھا اس نے چند ہی لمحوں تک اس نئے آنے نوجوان کا جسم کاٹ کر دو حصے کر دیا اور سرخ سرخ خون زمین پر پڑی ہوئی برف کر رہ گیا۔

مقنا پھر آگے بڑھا اور ربطہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کمرے کی طرف لے جانے ربطہ نے التجائی نگاہوں سے صمام کی طرف دیکھا۔ مگر اس نے کوئی اثر نہ لیا، نہیں کن سوچوں میں الجھا ہوا تھا۔ لوگ اب وہاں سے آہستہ آہستہ چھٹنے لگے تھے اور پہلے کی طرح ویران ہونے لگا تھا۔

عیاض فوراً صمام کے قریب اور اس کے کان میں رازداری سے کہا۔

"کیا تم پسند کرو گے کہ ایک وحشی یوں سرِ عام ایک عرب لڑکی پر قبضہ جب کہ تمہیں اس لڑکی سے محبت بھی ہو۔ تمہارا چہرہ بتاتا ہے تم ربطہ کو پسند کر

اس سے خفا ہو۔"

صمام خاموش رہا اور انجان سا بنا وہ خلاؤں میں گھورتا رہا۔ عیاض نے اپنی تلخ آواز میں پھر اُسے جھنجھوڑا۔

"ابھی وقت ہے تم اسے بچا سکتے ہو۔ وہ وحشی اسے اپنے کمرے میں لے جا رہا ہے۔ تھوڑی دیر تک وہ اس کی عصمت لوٹ چکا ہو گا۔" عیاض جوش میں آ گیا اور سنسناہٹ بھری ہوئی آواز میں کہا۔ "تمہیں اُٹھ کر اسے روکنا ہو گا۔ یہ ایک قومی فریضہ ہے۔ جس سے تم چشم پوشی نہیں کر سکتے۔ تمہیں ضرور اس کی عزت بچانا ہو گی۔ اس لیے کہ وہ عرب کے صحراؤں کی حرمت و عزت ہے۔"

صمام کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ اس وحشی کی طرح جو کسی کا خون پینے کا عزم کر چکا ہو۔

عیاض کہتا رہا۔ اسی تلخی اور اسی لہجے میں ——————

"تم ضرور اُٹھو گے۔ میں جانتا ہوں تم ایک عرب لڑکی کو یوں لٹتے ہوئے دیکھ سکو گے۔ یہ ظلم ہے، یہ بربریت ہے۔ تمہیں اس کے خلاف آواز اٹھانا ہو گی۔ اور اسے مقابلے کی دعوت دو۔ تم بڑی آسانی سے اس مقنا پر غالب آ سکتے ہو اٹھو میں کہتا ہوں اُٹھ جاؤ۔ وقت بہت کم ہے اور تمہیں ایک طویل عمل کی ابتدا کرنی ہے۔ اٹھو اُٹھ کر نعرہ مارو —————— ایسا نعرہ جو اس کو ہتاتی رسلسلے کو کسی آتش دہن کی طرح زیر کر دے۔ عرب کے ریگزاروں کے ناقابلِ تسخیر صحرانشین بن کر اُٹھو اور اس مقنا پر ثابت کر دو۔ عرب جاگ رہے ہیں۔ وہ دیکھو مقنا اسے لے کر اپنے کمرے میں داخل نے والا ہے۔ اگر وہ ربطہ کے ساتھ اندر چلا گیا تو وہ ہمیشہ کے لیے اس کی لونڈی داشتہ بن کر رہ جائے گی۔ ابھی اس بھیڑیے کے قدم میدان میں ہی ہیں"

عیاض شیلینی انداز میں کہتا جا رہا تھا۔ "مجھے اُمید ہے تم ضرور اُٹھو گے اور میدان انا پلٹ جائے گا۔ میں جانتا ہوں تم مجھے مایوس نہیں کرو گے۔ دیکھو وہ دیکھو ربطہ چارگی سے مڑ مڑ کر تمہاری طرف دیکھ رہی ہے۔ اس کی نگاہوں میں فریاد ہے۔ ان ہی آنکھوں میں تمہیں بہت کچھ کہہ رہی ہے۔ سوچ میں نہ پڑو، اُٹھ کر ایک

بار دھاڑو اور اس بھیڑیئے کے قدم روک دو۔ میں خود آگے بڑھتا۔ مگر وہ مجھ سے ہے۔ تم صحیح معنوں میں اس کا جواب ہو۔ اپنے بدن کو سمیٹو اور کھڑے ہو جاؤ۔ یاد رکھو وقت انسانی زندگی میں بار بار نہیں آتا

دروازے کے قریب جا کر ربطہ زور سے چلّائی۔

"صمام! صمام! مجھے بچالو! تمہیں ابراہیمؑ کے کعبہ اور جبل ومنات کی قسم مجھے بچالو"۔

صمام چیتے کی طرح اُٹھا اور زور سے دھاڑا۔ ایسی آواز میں جیسے وہ حشر برپا دے گا۔ "ٹھہرو!" اس نے دانت پیس کر پھر پوری آواز سے کہا۔ "رُک جاؤ بھیڑیے!"

مقنا رُک گیا اور واپس مڑتے ہوئے کسی خونناک درندے کی طرح صمام کی طرف دیکھنے لگا تھا ——— اپنے گھر کی طرف جاتے ہوئے حماس اور اس کی بیوی کے قدم وہیں جم کر رہ گئے تھے۔ ایک آدمی پھر آگے بڑھا اور زور زور سے طبل پیٹنے لگا۔ مقنا ربطہ کا ہاتھ چھوڑ دیا اور وہ بھاگ کر اس پتھر کے پاس آکھڑی ہوئی جہاں صمام بیٹھا ہوا تھا سارے لوگ پھر واپس آکر اپنی اپنی جگہیں سنبھالنے لگے تھے۔

مقنا اور صمام دونوں میدان کے وسط میں آگئے اور پھر سے ہوئے درندوں کی طرح ایک دوسرے پر جھپٹ پڑے۔ تلواریں اور ڈھالیں آپس میں لگاتار ٹکرانے لگی تھیں۔ دونوں جم کر لڑ رہے تھے۔ اردگرد بیٹھے سب لوگ بڑے محظوظ ہو کر دیکھ رہے تھے۔ حماس نے اس موقع پر مسکرا کر اپنی بیوی سے کہا۔

"یہ مقابلہ ٹھیک ہے۔ دونوں ہی ہار ماننے والے نہیں ہیں۔ دیکھیے کا جسم کٹتا ہے"۔

جوں جوں مقابلہ طول پکڑتا جا رہا تھا مقنا کو غصہ آرہا تھا۔ کوئی جوان بھی کے آگے اتنی دیر تک نہ ٹھہر سکتا تھا اور جب صمام نے ایک زوردار جھٹکے کے سا اسے برف پر گرا دیا تو لوگوں نے شور کرنا شروع کر دیا۔ مقنا کا چہرہ غصے میں ا

پکا تھا اور وہ اسی قدر گھبرا بھی گیا ہوا تھا۔ اس لیے کہ ایسی حالت اس کی پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔

مقنا جوں ہی اُٹھنے لگا صمام کے اس کے گھٹنے پر پاؤں کی ایک سخت ضرب تے ہوئے پھر اسے گرا دیا اور ساتھ ہی ایک خوفناک وار اس پر کیا جسے مقنا بڑی صورتی سے روک گیا۔ صمام نے پھر اس کی پسلیوں پر پاؤں کی ایک ضرب لگائی۔ مقنا کراہا اور ایک جست مار کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اسی لمحہ صمام نے اپنی ڈھال اس کے سر ماری۔ مقنا توازن کھو بیٹھا اور ڈگمگانے لگا۔ صمام نے تلوار گرائی اور پیٹ سے مقنا کو لکڑی کی طرح دو حصّوں میں کاٹ دیا۔ مقنا کی لاش برف پر گر گئی اور خون اس کے جسم سے نکل نکل کر برف پر جمنے لگا تھا۔

ربطہ بے حد پُرسکون دکھائی دے رہی تھی۔ اب اس کے ہونٹوں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ بھی تھی۔ عمار اور عیاض بھی بے حد خوش دکھائی دے رہے تھے۔ صمام مقنا کی لاش کے قریب یوں کھڑا تھا جیسے کوئی درندہ اپنے شکار کو نوچنے کا ارادہ کر رہا ہو۔

حماس آگے بڑھا اور صمام کا کندھا پکڑ کر ہلایا۔

"میں تمہیں فتح کی مبارک باد دیتا ہوں جس شخص کو تم نے ختم کیا ہے۔ یہ ایک قلعہ تصوّر کیا جاتا تھا اور میرے مسکن میں آج تک کوئی بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکا"۔

حماس جب واپس جانے لگا تو صمام نے کچھ سوچ کر اُسے پکارا۔

"سردار!"

حماس نے مڑ کر دیکھا اور بڑی ہمدردی سے پوچھا۔

"کوئی کام ہے کیا؟"

صمام نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ہاں"۔

"کہو، کیا کہنا چاہتے ہو؟"

صمام نے ملتجی ہو کر کہا۔ "اگر تمہاری اجازت ہو تو میں اپنے ساتھی کو ... راہبط بھیج دوں۔ کل صبح تک واپس آجائے گا"۔

حماس نے گہری نظروں سے اُسے دیکھا۔

"کس غرض سے بھجوانا چاہتے ہو؟"

"میرے اور اپنے گرم کپڑے لے آئے گا۔ یہاں سردی بہت زیادہ ہے۔"

صمام نے شاید پہلے ہی سے یہ بہانہ سوچ رکھا تھا۔

حماس نے اسے شکوک نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بھیج دو، میری طرف سے اجازت ہے۔"

حماس اپنی بیوی کے ساتھ اندر چلا گیا۔ مقنا کی لاش اُٹھا کر لوگ نیچے جا چکے تھے۔ میدان خالی ہو گیا تھا۔ صمام آہستہ آہستہ چلتا ہوا ربطہ کے پاس آیا اور ہلکے سے کہا۔ "جاؤ ربطہ چلی جاؤ۔ تم نے مجھے مدد کے لیے پکارا تھا اور مَیں اپنا فرض ادا کر چکا ہوں۔"

ربطہ نے پریشانی سے پوچھا۔

"کہاں چلی جاؤں؟"

"حماس کے گھر۔"

ربطہ نے دُکھ سے کہا۔

"تقدیر مجھے تمہارے حوالے کر چکی ہے۔ اب مَیں کہیں نہیں جاؤں گی۔"

ربطہ رو پڑی تھی۔

صمام نے سر جُھکا لیا۔

"مگر مَیں تمہاری ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ جاؤ حماس کے گھر چلی جاؤ۔ تم مقدّس مریمؑ کے کلیسا کی راہبہ ہو اور مَیں صحرا کا ایک بدّو۔ میرا تمہارا بھلا کیا ساتھ ہو سکتا ہے۔"

ربطہ اپنے آنسو پونچھنے لگی اور سسکیوں و ہچکیوں میں اس نے کہا۔

"مَیں اب کہیں نہیں جاؤں گی۔ اپنے ہاتھ سے قتل کر دو یا دھکے دے کر نکال دو تو اور بات ہے۔ اگر ایسا ہی سلوک کرنا تھا تو کیوں مجھے اس بھیڑیے کے ہاتھوں بچایا تھا۔ ربطہ روتی ہوئی صمام کے کمرے میں چلی گئی اور بے سُدھ سی ہو کر اس کے بستر

پر لیٹ گئی تھی۔

عیاض کہیں چلا گیا تھا۔ صمام عمار کے ساتھ اندر آیا اور بڑی رازداری کے ساتھ اُس سے کہنے لگا۔

"عمار! تم اسی وقت روانہ ہو جاؤ۔ سیدھے کیمپ میں جاؤ اور ایک ہزار ساتھیوں کو ساتھ لے کر آ جاؤ۔ بہتر ہے تم آنے والی صبح تک اس قلعے کا محاصرہ کر کے میرے پاس آ جاؤ۔ سخت رازداری سے کام لینا ورنہ سارا کھیل بگڑ کر ہمارے خلاف ہو جائے گا۔"

عمار نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم نے حماس سے اس کی اجازت لے لی ہے؟"

"ہاں مَیں اس سے بات کر چکا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، مَیں ابھی جاتا ہوں اور اگلی صبح تک مَیں حماس اور اس کے ساتھیوں کا محاصرہ کر چکا ہوں گا اور آنے والی صبح حماس کی زندگی کی بدترین صبح ہو گی۔"

"اچھا اب تم جاؤ۔ مَیں بڑی بے چینی سے تمہارا انتظار کروں گا۔"

عمار جب باہر نکلنے لگا تو عیاض اندر داخل ہوا اور دُکھ سے کہا۔

"ایک اور عرب مر گیا۔"

صمام اور عمار اس کے ساتھ باہر آئے واقعی ایک اور عرب نوجوان مر چکا تھا اور دو آدمی اس کی لاش اُٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔

صمام کا سر جُھک گیا۔ وہ یوں غمزدہ ہو کر رہ گیا تھا جیسے مجتمع ہوتے ہوتے اس کی ذات دہشت کو کسی نے خشک پتّوں کی مانند بکھیر کر رکھ دیا ہو۔

عیاض نے دُکھ سے پوچھا۔

"کیا تم کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ بھیڑیا کب تک ان بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتارتا رہے گا۔ یہ ہم عربوں پر ظلم ہے۔ کیا تم اسے روک نہیں سکتے ہو؟"

صمام کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ عمار نے پھر اسے چونکا دیا۔

"میں جاؤں یا میرے لیے کوئی اور حکم بھی ہے؟"

صمام نے گردن اُٹھائے بغیر ہی الم زدہ آواز میں کہا۔

"جلدی جاؤ اور ہر حال میں کل صبح یہاں پہنچنے کی کوشش کرنا۔"

عیاض نے فوراً پوچھ لیا۔

"کہاں جارہا ہے؟"

"مرج راہط۔"

"کیوں؟"

"میرے اور اپنے گرم کپڑے لائے گا"

عیاض نے تنبیہ کی۔

"دھیان سے جانا۔ تمہارے پیچھے حماس کے آدمی بھی لگے ہوں گے"

صمام نے پریشانی سے پوچھا۔

"کیوں؟"

"جو کوئی یہاں سے باہر کسی کام سے جاتا ہے حماس اس کے پیچھے آدمی دیتا ہے تاکہ کوئی سازش نہ کرپائے۔"

عمار نے اطمینان سے کہا۔

"دیکھا جائے گا۔" اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر پہاڑی سے نیچے اُترنے

صمام اور عیاض کمرے میں جاکر باتیں کرنے لگے تھے۔

○

وہ رات ربطہ نے صمام کے بستر میں گزاری اور صمام بچارہ عمار کے بستر میں سو گیا تھا۔ ساری رات وہ پریشانی میں کروٹیں بدلتا رہا تھا۔ اسے مرنے والے عربوں کا غم تھا۔ عمار کے کامیاب لوٹ آنے کی فکر تھی۔ ساری رات وہ گہری سوچوں میں کھویا رہا تھا۔ اور اس پر کرب کی سی کیفیت طاری رہی۔ ربطہ اس کی حالت دیکھتی رہی تھی اس نے کئی بار اس کی پریشانی کی وجہ پوچھنا بھی چاہی مگر ہمت نہ پڑتی تھی۔ وہ بچاری بھی اپنے بستر میں پریشانی سے کروٹیں لیتی رہی۔ صبح ابھی سورج طلوع بھی نہ ہوا تھا کہ عمار کمرے میں داخل ہوا۔ صمام اس وقت بستر میں بیٹھا ہوا تھا۔

ہلکے سے اس نے عمار سے پوچھا۔

"ٹھیک پہنچ گئے ہو؟"

"عمار اس کے پاس ہی بستر میں گھس گیا"

"سب ٹھیک کر آیا ہوں۔"

"کتنے ساتھی لائے ہو؟"

"ایک ہزار۔"

"کدھر کدھر لگا کر آئے"

"تین سو تو پہاڑی کے چاروں طرف دامن میں لگا آیا ہوں اور باقی سات سو اس میدان کے گرد اور رہائشی مکانوں کے چاروں طرف پھیلا دیئے ہیں۔"

صمام نے عمار کا کندھا تھپتھپایا

"شاباش! اب میں اس یہودی سے بات کرتا ہوں کہ کس طرح ہماری

موجودگی میں وہ ہمارے عرب بھائیوں پر ظلم کرتا ہے۔ میں اس کی ہڈیاں توڑ کر رکھ دوں گا۔

اُتنے میں عیاض بھاگتا ہُوا اندر آیا اور بے بسی سے کہا۔

"ایک اور عرب مر گیا ہے۔"

صمام نے بستر ایک طرف پھینک دیا اور کھڑا ہو گیا۔ کمبل اوڑھ کر وہ باہر آیا تو ایک عرب کی لاش اٹھائی جا رہی تھی۔ وہ بھی شاید سردی میں لکڑی کی طرح اکڑ گیا تھا۔ صمام نے عیاض کی طرف گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا تم عربوں کے تیار رہنے کا بندوبست کر سکتے ہو تاکہ وہ میرے ساتھیوں کا شکار نہ ہو جائیں۔"

عیاض نے چھاتی پر ہاتھ مارا۔

"ابھی اور اسی وقت کر سکتا ہوں۔"

"تو پھر جاؤ انہیں کہو ان یہودیوں سے انتقام لینے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں۔"

عیاض نے شاید اطمینان کرنا چاہا۔

"کیا ہم ان پر قابو پا لیں گے؟"

"تم جاؤ میں کوئی کچی بات نہیں کرتا۔ عمار کو میں نے یونہی باہر نہیں بھیجا تھا۔ میں ان کو ختم کرنے کا پورا انتظام کر چکا ہوں۔"

ربطہ بھی اُٹھ کر اُن کے پاس باہر آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

عیاض بھاگتا ہُوا ایک طرف چلا گیا تھا۔

اتنے میں ایک آدمی لکڑی کا ایک بڑا سا برتن دُودھ سے بھرا ہُوا لے آیا۔ وہ شاید صمام کو دُودھ دینے آیا تھا۔ صمام نے اس سے دُودھ کا برتن لے کر رکھ لیا اور سختی سے کہا۔

"جاؤ۔ واپس چلے جاؤ۔ دُودھ کا یہ برتن میرے پاس ہی رہے۔"

دُودھ لانے والا خوفزدہ ہو کر بولا۔

اِس میں اوروں کا بھی دُودھ ہے۔ تم صرف اپنا، اپنی بیوی اور اپنے ساتھی لیے رکھ لو۔ باقی ماندہ مجھے دے دو میں دوسروں میں بانٹ آؤں۔

صمام نے اسے ڈانٹ دیا۔

"میں کہتا ہوں بھاگ جاؤ یہاں سے۔"

وہ کانپتا ہُوا ایک طرف کھسک گیا۔ جب سے صمام نے مقنا کو قتل کیا تھا۔ لوگ اس سے خوف کھانے لگے تھے۔

عیاض پھر بھاگتا ہُوا واپس آیا۔ صمام نے تیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا کہ آئے ہو؟

اس نے ہانپتے ہوئے جواب دیا۔

"تمام عرب اس میدان سے باہر اپنے ہتھیار سنبھالے جمع ہو چکے ہیں جب سے میدان میں کُود پڑیں گے۔"

صمام کچھ سوچنے لگا۔ عیاض نے اس بار عمار سے پوچھا۔

"جب تم یہاں سے گئے تھے تمہارا کسی نے تعاقب کیا تھا؟"

عمار مسکرا دیا۔

"ہاں۔"

"کتنے تھے؟"

"دو۔"

"پھر"

"میں نے دونوں کو ایک تنگ گھاٹی میں گھیر کر قتل کر دیا تھا۔"

ربطہ ان کی باتیں سُن رہی تھی مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا کہ وہ کیا کرنے لگے۔ اچانک صمام جب آگے بڑھا تو عمار اور عیاض بھی خاموش ہو گئے اور اس کے پیچھے چلے۔ صمام نے ایک ہاتھ میں دودھ کا برتن بھی اٹھا رکھا تھا۔ رسیوں سے بندھے ہوئے اُن کے پاس جا کر صمام رکا۔ عمار، عیاض اور ربطہ بھی وہیں آ کھڑے ہوئے تھے۔

صمام نے قریب ہی پتھروں سے بنے ہوئے ایک حوض سے مٹی کا ایک برتن بھر بھر کر ان عربوں کو پانی پلایا۔ وہ سب حیرانگی سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان میں سے تنومند جوان نے صمام کی طرف تشکر آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم عرب ہو؟"

صمام نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

اس عرب نے بڑی ہمدردی سے کہا۔

"ہماری خاطر کیوں اتنا بڑا خطرہ مول لیتے ہو۔ حماس تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ ہماری موت تو یقینی ہو چکی ہے تم کیوں اندھیرے میں کودتے ہو۔ ہم سے دور چلے جاؤ ورنہ کوئی دیکھ لے گا اور حماس تمہارے خلاف طوفان کھڑا کر دے گا۔"

صمام نے اس کی ڈھارس بندھائی۔

"میری موجودگی میں اب کوئی تم پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔"

وہ پھر آگے بڑھا اور ان سب کی رسیاں اپنی تلوار سے کاٹ دیں اور اپنے سے اُن کو دودھ پلانے لگا۔ وہ سب پریشان بھی تھے اور گھبراہٹ میں ادھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں پہریدار آگئے جو مرنے والے عرب کی لاش نیچے لے کر تھے۔ انہوں نے جو یہ منظر دیکھا تو زور زور سے طبل پیٹنے لگے۔ اسی لمحے باہر کھڑے سو عرب بھاگتے ہوئے آئے اور میدان میں آکر چاروں طرف پھیل گئے۔

طبل کی آواز سُن کر حماس کے آدمی اپنے اپنے گھروں اور کمروں سے نکل میدان میں جمع ہونے کے لیے آنے لگے تو باہر کھڑے صمام کے ساتھیوں نے انہیں ہاتھ لیا اور تیزی سے قتل کرنا شروع کر دیا۔ جنہوں نے پہاڑی سے نیچے اُتر کر بھاگنے کوشش کی۔ انہیں نیچے کھڑے ہوئے تین سو جوانوں نے تیروں اور تلواروں سے کر دیا تھا۔

حماس بھاگتا ہوا باہر میدان میں آیا۔ اس کی بیوی بھی اس کے پیچھے باہر آکر اس نے جو عربوں کو دودھ پیتے ہوئے دیکھا تو منہ سے جھاگ چھوڑتا ہوا گرجا،

"کس نے ان کی رسیاں کاٹی ہیں؟" اس کی آواز میں بے پناہ غضب اور غصہ تھا

صمام اپنی تلوار سونت کر اس کی طرف بڑھا۔

"میں نے ان عربوں کی رسیاں کاٹ کر انہیں آزاد کیا ہے۔ کہو کیا کہتے ہو؟"

وہ غصے میں پاگل ہو رہا تھا۔

"کیسے جرأت کی تم نے۔ میں تمہارے کھڑے کھڑے کا خون پی جاؤں گا۔" وہ تلوار لہراتا ہوا آگے بڑھا۔ اس نیت سے کہ صمام پر حملہ کر دے۔ صمام اپنی جگہ محتاط تھا۔ زور سے للکارتے ہوئے اس نے کہا۔

"وہیں کھڑے ہو کر اپنی بے بسی کا تماشہ دیکھتے رہو۔ آگے بڑھے تو اسی تلوار سے ذبح کر دوں گا۔" اس نے اپنی تلوار لہرائی جس کی چمک نگاہوں کو خیرہ کر رہی تھی۔

حماس نے طنز و تضحیک اڑاتے ہوئے کہا۔

"تو تم ان سو عربوں کے بل بوتے پر مجھ سے بغاوت کر رہے ہو۔ یاد رکھو تمہارا اور سب کا انجام بہت بھیانک ہوگا۔ ذرا میرے آدمیوں کو میدان میں اُترنے دو۔ پھر دیکھو عربوں کی رسیاں کاٹ دینے کا انجام کس قدر خوفناک ہوتا ہے۔"

صمام دو قدم اس کی طرف بڑھا اور غراتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ تمہارا کوئی ساتھی زندہ ہے۔ ان سو عربوں کو صرف ان حفاظت کے لیے میں نے یہاں بلا لیا ہے۔ ورنہ میرے اپنے ساتھی تمہارے سب آدمیوں کو ایک قتل کر چکے ہوں گے۔ یاد رکھو میرا نام صمام ہے اور میرا ہر کام پختہ ہوتا ہے۔ پھر عمار سے کہا۔

عمار اسے ذرا میدان سے باہر لے جا کر سارا منظر دکھاؤ۔"

عمار اور عیاض دونوں آگے بڑھے اور حماس کو لے کر میدان سے باہر آئے۔ دیکھا عرب اس کے بچے کھچے ساتھیوں کو پکڑ پکڑ کر قتل کر رہے تھے۔ عمار اور واپس لے آئے اور دوبارہ صمام کے پاس آکر کھڑے ہو گئے۔

صمام نے پھر پوچھا۔

"اب بتاؤ کیا خیال ہے"؟

حماس نے خشمگیں نگاہوں سے صمام کو گھورا۔

"مجھے خبر نہ تھی کہ تم سانپ کی طرح زہریلے اور لومڑی کی طرح عیار ثابت ہو گے ورنہ میں وہیں اربد کی سرائے میں ہی تمہارا کام تمام کر چکا ہوتا"۔ اس کے ساتھ ہی وہ بیوی کی طرف بڑھا اور تلوار اس کے سینے میں گھونپ دی۔

صمام جب اپنی تلوار لہراتا ہوا اس کی طرف بڑھا تو اس نے اپنے لباس سے خنجر نکال کر اپنے سینے میں پیوست کر لیا اور زمین پر گر کر بڑی بے بسی سے بڑبڑانے لگی۔

"میں تمہارے ہاتھوں بے بسی کی موت نہیں مرنا چاہتا تھا۔ کاش مجھے خبر ہوتی کہ جبل حارثان میں ایک اور طاقت جنم لے چکی ہے تو میں شروع ہی میں اسے کاٹ دیتا"۔ کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی اور وہ زندگی کی مصاف ہار گیا تھا۔

صمام نے عمار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہاں جو بھی کام کا سامان ہے انہیں کے گھوڑوں اور اونٹوں پر لاد کر کوچ کی تیاری کرو۔ جانے سے پہلے ان کے سب مکانوں کو آگ بھی لگا دو۔ تاکہ پھر کوئی دوسرا حماس جنم نہ لینے پائے۔ عمار اور عیاض جب باہر نکل گئے تو صمام نے ربطہ سے "تم اب کہاں جانا چاہو گی"؟ صمام کے لہجے میں بے تعلقی اور بے اعتنائی

ربطہ نے الٹا اس سے سوال کر ڈالا۔

"تم کہاں جاؤ گے"؟

"میں تو اپنے کیمپ میں جاؤں گا"۔

"کہاں ہے تمہارا کیمپ"؟

"یہ تو میں نہیں بتا سکتا"۔

ربطہ اُداس ہو گئی۔

"میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی"۔

"اگر میں نہ لے جانا چاہوں پھر"؟

ربطہ رو پڑنے والی تھی۔ اس نے اپنا سر جھکا لیا۔

"تمہاری مرضی ہے۔ کوئی تمہیں مجبور بھی تو نہیں کر سکتا"۔

"ایسی صورت میں تم کہاں رہنا پسند کرو گی۔ اگر تم چاہو تو میں مرج راہط میں تمہارے رہنے کا بندوبست کر سکتا ہوں"۔

"ربطہ نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"میں تم پر زیادہ بوجھ بننا نہیں چاہتی تم مجھے میرے چچا کے گھر پہنچا دو"۔

"کہاں رہتا ہے تمہارا چچا"؟

"دمشق سے اس طرف کندہ نام کا ایک گاؤں ہے وہاں رہتا ہے وہ"۔

صمام نے بڑی بے رُخی سے کہا۔

"میں تمہارے ساتھ اپنا ایک آدمی بھیج دوں گا وہ تمہیں تمہارے چچا کے گھر چھوڑ

ربطہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

صمام خاموش کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

ربطہ پھر سسکیوں میں بولی۔

"اگر تم خود ساتھ چلتے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ میں اکیلی ہی چلی جاؤں گی"۔

ربطہ بیچاری منہ دوسری طرف کر کے زور زور سے رونے لگی تھی۔

صمام پتھر ہو گیا تھا۔ بالکل رُکھائی سے پھر اس نے کہا۔

"اچھا میں خود ہی تمہیں چھوڑ آؤں گا"۔

ربطہ وہاں سے ہٹ کر اس کے کمرے میں آئی اور بستر پر گرتے ہوئے کھل کر رونے لگی۔

صمام میدان سے باہر آیا۔ اس نے دیکھا اونٹوں اور گھوڑوں کی ایک لمبی قطار میدان میں کھڑی تھی اور اس کے ساتھی بڑی تیزی کے ساتھ سامان اُن پر لاد رہے تھے۔ عرب رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے اور سو دوسرے سب ان کے ساتھ کام میں مصروف تھے۔

عمار پھر بھاگتا ہوا اُوپر آیا اور صمام سے پوچھا۔

"چلیں اب؟"

"تیار ہو؟"

"ہاں، مَیں نے سارا سامان جانوروں پر لدوا دیا ہے۔"

"اور اِن مکانوں کا کیا کرو گے؟"

"جب کوچ کریں گے آگ دکھاتے جائیں گے۔"

"چلو پھر چلیں۔"

"ربطہ کو ساتھ نہیں لو گے؟"

"ہاں، مَیں اسے بُلاتا ہوں۔"

"وہ ہمارے ساتھ کیمپ میں چلے گی نا؟"

"نہیں وہ اپنے چچا کے گھر جائے گی۔ تم سارے ساتھیوں کو لے کر کیمپ چلے مَیں سیدھا اسے اس کے چچا کے گھر چھوڑ کر واپس آ جاؤں گا۔ تم فکر نہ کرنا مَیں دیر نہیں کروں گا۔"

صمام اپنے کمرے کے دروازے پر آیا اور مدھم آواز میں کہا۔

"ربطہ! ربطہ! چلو چلیں۔"

ربطہ چُپ چاپ اُٹھ کر باہر آئی۔ صمام نے اسے عمار کے گھوڑے پر بٹھا اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ پہاڑ کے دامن میں کھڑا ہُوا قافلہ جب کوچ کرنے لگا تو کچھ ساتھیوں نے مکانوں کو آگ لگا دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے شعلے بلند سے بلند تر ہونے اور سب مکانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

کارواں پہاڑ کے دامن کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگا تھا۔ اس کا رُخ مغرب کی طرف تھا۔

ربطہ کے ساتھ صمام ایک روز کندہ نام کے ایک گاؤں میں داخل ہو رہا تھا۔ درمیانے سے مکان کے پاس جس کا صحن بہت کھلا تھا ربطہ رُک گئی۔ صمام نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور مدھم آواز میں پوچھا۔ "یہ ہے تمہارے چچا کا گھر؟"

ربطہ اندر داخل ہونے لگی۔

"ہاں!"

"پہلے اطمینان کر لو۔ یہی ہے نا۔ کسی اور کے گھر نہ گھس جانا۔" ربطہ نے روتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم بھی تو آؤ نا؟"

"مَیں اب واپس جاؤں گا۔"

ربطہ بچاری پیلی پڑ گئی۔

"اگر تمہیں اس قدر ہی نفرت ہے تو مَیں تمہیں یہاں زیادہ دیر نہ روکوں گی۔" الفاظ بڑے دُکھ اور مغموم لہجے میں کہے تھے۔

صمام اس کے ساتھ مکان میں داخل ہُوا۔ اندر ایک بوڑھا جس کی عمر کوئی ستر قریب ہو گی۔ صحن میں اِدھر اُدھر بھاگتی ہوئی بکریوں کو پکڑ پکڑ باندھ رہا تھا۔

ربطہ نے اسے آواز دی۔ "چچا!"

اس بوڑھے نے مُڑ کر دیکھا۔ کچھ دیر تک غور سے ربطہ کو گھورتا رہا۔ پھر تیز سے آگے بڑھا اور ربطہ کو گلے لگا لیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔

ربطہ نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"چچی کہاں ہے؟"

بوڑھے کا سر جھک گیا اور آنسو چھلک پڑے پھر مُردہ سی آواز میں اس نے کہا
"مر گئی ہے"۔
ربطہ بدحواس سی ہو گئی۔ "کب؟"
"ایک سال ہو چکا ہے"۔ پھر اس بوڑھے نے سنبھلتے ہوئے پوچھا۔
"سلیط کہاں ہے اور تمہارے ساتھ یہ جوان کون ہے"۔ اس نے پھر ربطہ کو گہری نگاہوں سے دیکھا۔
"کیا تم نے شادی کر لی ہے"؟
ربطہ نے سر جھکا لیا ——— "ہاں"۔
"کیا یہ تمہارا شوہر ہے"؟
"جی ———!"
ربطہ خبر نہیں کن خیالوں میں اُلجھی ہوئی یہ جواب دے رہی تھی۔
بوڑھا آگے بڑھ کر دونوں کے گھوڑوں کی باگیں پکڑتے ہوئے بولا۔
"تم اسے لے کر اندر چلو میں تمہارے گھوڑے باندھتا ہوں"۔
ربطہ نے منع کر دیا۔
"یہ کیسے ہو سکتا ہے"۔ خود وہ آگے بڑھی اور دونوں گھوڑے ایک طرف باندھ آئی۔ بوڑھا ابھی تک اسے پریشانی سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے پوچھا "تم تو مقدس خدا کے گھر کی راہبہ تھی تم نے کیسے شادی کر لی"۔
ربطہ رو پڑی۔
بوڑھا غمگین ہو گیا اور بھری بھری سی آواز میں اس نے پوچھا۔
"سلیط کہاں ہے"؟
"چند ایرانی لٹیروں نے اُسے قتل کر دیا اور کلیسا کو آگ لگا دی تھی"۔
بوڑھا غم سے کراہ اُٹھا۔
"آہ سلیط! میرا بھائی! بوڑھے کا سر غم سے جھک گیا اور دونوں کے اٹھ

پلٹ کر وہ مکان کے اندر لے گیا تھا۔

○

ربطہ کے مجبور کرنے پر صمام ایک دن اس کے چچا کے ہاں رہا تھا اور پھر واپس اپنے کیمپ میں آ گیا تھا۔ اب وہ یہودیوں سے فیصلہ کن انداز میں نپٹنا چاہتا تھا۔ وہ انہیں ایسا ہی زخم دینا چاہتا تھا جیسا یہودی اسے دے چکے تھے۔
ایک رات وہ اپنے گیارہ سو چیدہ چیدہ ساتھیوں کے ساتھ جبل حارلان سے وادیں داخل ہوا۔ دو تین چھوٹی چھوٹی بستیاں لوٹتا ہوا وہ آگے بڑھا اور جرش سے ذرا ادھر پڑاؤ کیا۔ پھر اس نے عمار کو ساتھ لیا اور صحرا کی وسطی سرائے کے پاس آ کر رکا۔
کھڑکی پر اس نے پتھر مارا اور وہ کھل گئی۔ حبابہ سامنے کھڑی تھی۔ عمار کو نیچے موڑ کر وہ اُوپر چڑھ گیا۔ حبابہ نے اسے بستر پر بٹھایا اور خود بھی اس کے سامنے بیٹھتی ہوئی
ل ——— "بہت دنوں بعد آئے ہو"۔
اپنے گرد و آلود کپڑے جھاڑتے ہوئے صمام نے کہا۔ "حماس سے اُلجھ گیا تھا"۔
حبابہ نے جستجو سے پوچھا۔
"اس الجھاؤ کا نتیجہ کیا نکلا ہے"۔
"میں نے اُسے ختم کر دیا ہے"۔
"اس کا مطلب ہے کہ تمہاری طاقت اب اچھی ہو گئی ہے"۔
"ہاں! اسی لیے تو آج میں جرش والوں سے ٹکرانے آیا ہوں۔ آج میں ان پر ا اور ہوں گا"۔
حبابہ فکر مند ہو گئی اور بڑی ہمدردی سے اس نے کہا۔
"مگر تم یہ قدم قبل از وقت اُٹھا رہے ہو"۔
"وہ کیسے"؟
"یہودیوں نے تمہارے خوف سے جرش اور چند ساتھ والی بستیوں میں سات ارغسانی جمع کر لیے ہیں"۔

"تمہارا مطلب ہے مجھے آج حملہ آور نہیں ہونا چاہیے۔"

"نہیں۔"

"کیا میں شب خون مار کر بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔"

"نہیں، ان کے ہزاروں ساتھی رات رات بھر جاگتے رہتے ہیں۔"

"تو اس کا مطلب ہے اِن سے نمٹنے کے لیے مجھے اپنے ساتھیوں کی تعداد بڑھانا ہو گی۔"

"اگر ایسا کر سکو تو بہتر ہے ورنہ کوئی خاص ضرورت نہیں۔"

"کیوں؟"

"غسانی عنقریب سب یہاں سے چلے جائیں گے۔"

"کیا ان کا یہودیوں سے جھگڑا ہو گیا ہے؟"

"یہ بات نہیں، مسلمانوں کے ایک سپہ سالار اسامہؓ بن زید نے شام پر چڑھائی کر دی ہے۔ سب غسانی اس کا مقابلہ کرنے کے لیے یہاں سے کوچ کر رہے ہیں۔ کچھ دن صبر کرو پھر دیکھنا یہودی اکیلے ہی رہ جائیں گے۔ پھر تم بڑی آسانی کے ساتھ ان سے انتقام لے سکو گے۔"

صمام کھڑا ہو گیا۔

"تم نے ٹھیک کہا ہے۔ میں اب چلتا ہوں۔"

حبابہ نے پھر اُسے روکا۔

"اگر تم اپنے ساتھیوں کو مصروف رکھنا چاہتے ہو تو ایک کام اور کرو۔"

"وہ کیا؟"

"یہودیوں کا ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ چند دن ہوئے دمشق کی طرف گیا ہے وہ وہاں سے لاکھوں دینار کا کاروبار کر کے لوٹے گا۔ اگر تم کوشش کرو تو اُسے لوٹ سکتے ہو۔ اس طرح یہودی معاشی طور پر بھی مفلوج ہو جائیں گے اور دولت کے لالچ زیادہ عرصہ تک غسانیوں کو اپنے ہاں نہ روک سکیں گے۔"

صمام کھڑکی کی طرف بڑھا۔

"میں تمہارا شکر گزار ہوں۔"

حبابہ نے احتجاج کیا۔

"مجھے شرمندہ نہ کرو سردار! یہ میرا فرض ہے جس کام کا تم نے ذمہ اُٹھایا ہے اس اگر میری جان بھی چلی گئی تو میں خوش نصیب ہوں گی۔ یہ ایک قومی فریضہ ہے۔"

صمام نیچے اُتر گیا اور حبابہ نے کمند کھول کر کھڑکی بند کر لی۔

صمام جب گھوڑے پر سوار ہوا تو عمار نے پوچھا۔

"کیا کہتی ہے؟"

"اس نے بہت اچھی اطلاعات دی ہیں۔"

"جرش پر حملہ ہو گا۔"

"نہیں۔ وہاں ابھی غسانیوں کی ایک بھاری جمعیت موجود ہے۔"

"پھر؟"

"دوسری طرف کی بستیوں کو لوٹ کر واپس چلے جاتے ہیں۔"

دونوں مستقر میں واپس آئے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ دائیں طرف چلنے لگے اور جرش سے کافی دُور ہٹ کر وہ یہودیوں کی دو بڑی بستیوں کو لُوٹ کر آناً فاناً جنگل میں روپوش ہو گئے۔

یہودی اپنے اس دشمن کو پہچان نہ سکے تھے جو اُن پر آگ اُگلنے والے اژدہے کی طرح حملہ آور ہوتا تھا۔ اور دوپہر کی باد اور بادِ سموم کی طرح وہ سراب بن کر معدوم ہو جاتا تھا۔ صحرائے حماد میں یہودیوں کو اب اس نادیدہ و مستور قوت کی تلاش تھی۔ جو روز ان کی بستیوں کو ویران کر کے ان کی تعداد کو کم کرتی جا رہی تھی۔ ان کے حملے دن بدن پست ہو رہے تھے اس لیے کہ نوغسان کے وہ جوان جو انہوں نے رومیوں کے خلاف جنگ کرنے کے لیے کرائے پر حاصل کیے تھے۔ اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ رہے تھے کیونکہ ان کے اپنے علاقوں پر ایک مسلمان سالار اسامہؓ بن

زید حملہ آور ہو رہا تھا اور وہ اب یہودیوں کی نسبت اپنے لیے زیادہ خطرات محسوس کر رہے تھے ۔ صمام کے لیے اب وِن بدن میدان صاف ہو رہا تھا اور تضاد قدر کے کارکن بڑی تیزی سے اس کے حق میں کام کر رہے تھے ۔ یوں صحرائے حماد میں ایک بار پھر خون کی بُو آنے لگی تھی اور اب یہ بُو عربوں کے بجائے یہودیوں کے خون کی تھی ۔ جس سے تپتے صحرا کی برسوں کی پیاس بجھنا شروع ہو گئی تھی ۔ حالات بڑی تیزی سے اپنا رُخ بدل رہے تھے ۔ اس لیے کہ طَلَعَ الْبَدْرُ کی جو صدائیں صحرائے عرب سے اٹھی تھیں وہ اب ارضِ شام میں گونجنے لگی تھیں ۔

رات چار گھڑی گزر چکی تھی ۔ صمام اور عمار اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے دمشق شہر پناہ کے دروازے بند ہو چکے تھے ۔ انہوں نے پہریداروں کی بہت منت ہت کی مگر انہوں نے دروازہ نہ کھولا ۔ ناچار انہوں نے اپنے گھوڑوں کے ساتھ ھے ہوئے بوسیدہ، بھدّے اور موٹے موٹے کمبل کھولے اور شہر پناہ کے ساتھ ان میں ب کر رات گزارنے کی کوشش کرنے لگے تھے ۔

سردی بے حد زیادہ تھی ۔ انہوں نے ایک ایک کمبل گھوڑوں پر بھی ڈال دیا باقی کمبل دمشق کی سردی میں ناکافی ثابت ہوئے ۔ سردی کے باعث انہیں نیند نہ آ تھی ۔ دونوں اکٹھے بیٹھ گئے اور ایک دوسرے کو اپنے گزرے ہوئے زمانے کے سُنا سُنا کر وقت گزارنے کی کوشش کرنے لگے تھے ۔

صبح سویرے جب شہر پناہ کے دروازے کھلے تو وہ اُٹھے ۔ کمبل کر کے پھر گھوڑوں کی زینوں سے باندھ دیے اور سوار ہو کر شہر میں داخل ئے ۔ جب وہ بازار میں آئے تو سنبھل گئے ۔ انہوں نے دیکھا بازار میں ہر جگہ اور دو تین دیگر یہودی بستیوں کے یہودی خرید و فروخت کر رہے تھے اور وہ سے مسلّح تھے ۔ کچھ ایسے انداز میں گویا وہ کسی معرکے اور جنگ میں حصّہ لینے کو ہوں ۔

وہ واپس مڑے اور اس بازار میں آئے جہاں غلاموں کی خرید و فروخت ہوتی ۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ عرش کے دو یہودی گھوڑوں پر سوار ایک طرف جا رہے وہ دونوں بڑی رازداری سے ان کا تعاقب کرنے لگے تھے ۔ دونوں یہودی ٹھٹھیروں

کے بازار میں سے ہوتے ہوئے ایک کھلے بازار میں آئے اور ایک سرائے میں داخل ہوئے۔ انہوں نے دیکھا اس سرائے کے باہر ایک کھلے میدان میں یہودیوں کے بے شمار اونٹ اور گھوڑے بھی بندھے ہوئے تھے

صمام نے عمار کو ہٹو کا لگاتے ہوئے خوشی ملے جُلے جذبات میں سرگوشی کی۔ اسی سرائے میں سب یہودی ٹھہرے ہوئے ہیں۔

عمار نے اُسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"پھر اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔"

صمام نے ایک سامنے والی سرائے کی طرف اشارہ کیا۔

"ہم اس سرائے میں ٹھہر جاتے ہیں اور ہر وقت ان پر نگاہ رکھیں گے جب یہ اپنے کاروبار سے فارغ ہو کر شہر سے نکلیں گے ہم بھی پیچھے ہو لیں گے۔"

عمار نے خدشہ ظاہر کیا۔

"پھر ہمیں فی الفور سرائے میں چلے جانا چاہیے۔ ایسا نہ ہو ان میں سے کسی کی ہم پر نگاہ پڑ جائے اور بنا بنایا سارا انتظام خراب ہو جائے۔"

صمام نے اس کی تائید کی اور دونوں سامنے والی سرائے میں داخل ہوئے۔ گھوڑے ایک طرف باندھنے کے بعد وہ سرائے کے مالک سے بات کرنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد وہ اس سے اوپر کی منزل میں ایک کمرہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔

دونوں اپنے کمرے میں آئے۔ صمام نے کھڑکی میں جھانکتے ہوئے سامنے والی سرائے کی طرف دیکھا اور خوش ہوتے ہوئے عمار سے کہنے لگا۔

"عمار! ہم یہاں سے انہیں اچھی طرح دیکھ سکتے ہیں۔ رات کو ہم باری باری سوئیں گے اور ان پر نگاہ بھی رکھیں گے۔ ایسا نہ ہو ہم سوتے ہی رہیں اور وہ رات کو کوچ کر جائیں۔ دونوں پھر پیچھے آئے پہلے گھوڑوں کے لیے گھاس کا بندوبست کیا۔ پھر خود کھانا کھایا اور اپنے کمرے میں آ کر بیٹھ گئے تھے۔

○

لگاتار سولہ دن تک دونوں کو یہودیوں کے انتظار میں اس سرائے میں ٹھہرنا پڑا۔ سولہویں روز یہودیوں کے کاروان نے کوچ کیا۔ عمار ان کے کوچ کرنے سے قبل ہی شہر سے نکل گیا تھا۔ شاید پہلے جا کر وہ اپنے ساتھیوں کو مستعد رکھنا چاہتا تھا۔ اب صمام ان کے پیچھے پیچھے تھا۔ وہ ان کے کاروان کے تقریباً دو میل پیچھے تعاقب کر رہا تھا۔ کاروان اس قدر بڑا تھا کہ دُور سے بہت بڑا لشکر دکھائی دیتا تھا۔ گرد اس قدر اڑ رہی تھی کہ دو میل تک پیچھے ہونے کے باوجود صمام کے کپڑے اس کا چہرہ اس کے اس کا گھوڑا اور گھوڑے سے بندھے ہوئے کمبل ہر چیز گرد ہی گرد ہو کر رہ گئی تاہم وہ گھبرانے والا نہ تھا۔ بڑی تندہی کے ساتھ پیچھا کر رہا تھا۔ غبار کا یہ بادل اس کے لیے نعمت ثابت ہو رہا تھا۔ کیونکہ کوئی یہودی بھی اسے دیکھ نہ سکتا تھا۔

اسی کندہ نام کے گاؤں کے باہر جہاں وہ ربطہ کو چھوڑ گیا تھا صمام ایک پہاڑی پر اوپر رُک گیا۔ اس کے سامنے کوئی سو گز کے فاصلے پر ایک لڑکی اپنی بکریوں کو چرا رہی تھی۔ وہاں شاید پانی کا کوئی چشمہ تھا۔ وہاں سے ہٹ کر دائیں طرف کچھ لڑکیاں بھی اپنی اپنی بکریاں چرا رہی تھیں اور بائیں طرف برف سے ڈھکے ہوئے پہاڑوں کا ایک طویل سلسلہ دُور تک جاتا ہوا آفاق کے کناروں میں نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

صمام جب چشمے کے پاس پہنچا تو رک گیا۔ اس کے سامنے ربطہ اداس کھڑی بکریوں کو چرا رہی تھی۔ اس نے ایک بار غور سے صمام کی طرف دیکھا۔ مگر فی الفور اسے پہچان نہ سکی۔ ایک تو اس کے چہرے پر نقاب تھا۔ دوسرے وہ گرد سے کچھ اس طرح اٹا پڑا تھا کہ شکل نہ تھا۔ اس کی حالت ایسی تھی گویا وہ صدیوں تک گرد کے طوفان میں سفر کرتا

ربطہ ٹکر ٹکر اسے دیکھے جا رہی تھی۔ آخر وہ اسے پہچان ہی گئی۔ سب سے پہلے اس نے صمام کے گھوڑے کو پہچانا تھا۔ صمام اس کے قریب آ کر گھوڑے سے اترا اور چہرے سے نقاب ہٹاتے ہوئے اس سے ملاطفت اور امیال کے ساتھ پوچھا "تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

ربطہ اس کی حالت دیکھ کر رو پڑی تھی۔ بڑی مشکل سے ضبط کرتے ہوئے اس نے کانپتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"بکریاں چرا رہی ہوں۔"

صمام نے دیکھا ربطہ کی ویران آنکھوں سے آنسو نکل کر اس کے پھٹے پرانے جوتوں میں جذب ہو گئے تھے۔ صمام نے پھر ہمدردی سے کہا۔

"یہ بکریاں کس کی ہیں؟"

ربطہ نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا "میرے چچا کی ہیں"۔

صمام پہلی بار اس کی یہ حالت دیکھ کر کچھ ایسا مغموم ہوا کہ کچھ دیر تک وہ بول نہ سکا۔ ربطہ نے اپنے بہتے ہوئے آنسو پونچھے اور قدرے سنبھل کر بولی۔

"تم نے یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔ کدھر سے آئے ہو اور کہاں جاؤ گے"۔

مدھم سی آواز میں صمام نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

"کیا کروں زندگی ہی کچھ ایسے دور میں داخل ہو گئی ہے جہاں سکون کا نشان تک نہیں ہے۔ میں دمشق سے آیا ہوں اور اب صحرائے حماد کی طرف جا رہا ہوں"۔

ربطہ کے دل پر ہزاروں نشتر چل گئے وہ اور زیادہ رونے لگی "کہاں گئے تھے؟" روتے ہوئے اس نے پوچھا۔

صمام نے مسکراتے ہوئے کہا ——— "بتا تو چکا ہوں دمشق سے آ رہا ہوں"

"تمہارے آگے ایک بہت بڑا قافلہ بھی گزرا ہے کیا وہ تمہارا تھا"

"نہیں، وہ یہودیوں کا ہے۔ میں اسی کے تعاقب میں لگا ہوا ہوں"

"تو تم اکیلے ان کا کیا کرو گے؟"

"میرا ساتھی اپنے دوسرے ساتھیوں کو اطلاع دینے جا چکا ہے۔ وہ جبل حارا ان کی حدود میں داخل ہوں گے تو میں ان میں سے ہر ایک کو کتے کی طرح ذبح کروں گا۔ میں ان کے پیچھے اس لیے لگا ہوا ہوں کہ یہ اگر کوئی اور راستہ اختیار کریں میں بھی اپنے ساتھیوں کو ساتھ لے کر ان کے پیچھے لگ جاؤں"۔

ربطہ نے دکھ سے پوچھا۔

"کب تک ایسی ہی زندگی بسر کرتے رہو گے۔ کیا تم زندگی کے اس رخ سے اکتاتے نہیں ہو؟"

"جب تک یہودیوں سے انتقام نہیں لے لیتا میری یہ سعی جاری رہے گی"۔

"کیا تمہیں امید ہے کہ تم اس میں کامیاب ہو سکو گے؟"

"ہاں میں نے ان کے چار حصوں میں سے تین حصہ بستیاں بالکل لوٹ کر آگ کی نظر کر دی ہیں۔ اب صرف وہی یہودی بچے ہوئے ہیں جن سے اصل میں مجھے انتقام لینا ہے مگر ابھی تک وہ غسانی سپاہیوں کی پناہ میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ میں اب ان کے تجارتی قافلے کو لوٹ کر ان کو اقتصادی طور پر مفلوج کروں گا اور یہ ان پر ایک بہت بڑی ضرب ہو گی"۔

ربطہ نے دکھ اور تکلیف سے کہا۔

"تمہیں شاید کچھ سکون زندگی سے نفرت ہے"

صمام نے غور سے ربطہ کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارا چہرہ بتاتا ہے کہ تم یہاں خوش نہیں ہو"۔ بات کا رخ وہ بدل ہی گیا ——— ربطہ نے منہ سے کوئی جواب نہ دیا تاہم اس نے سر ہلا کر اس کے سوال کی تائید کر دی تھی اور اس موقع پر پھر اس کی آنکھوں سے آنسو گر پڑے تھے۔

"کب سے کب تک بکریاں چراتی ہو"؛ صمام نے نیا سوال پوچھ لیا۔

وہ سسکنے لگی ——— "صبح سے شام تک"

"تمہارے چچا کیسے ہیں؟"

"بیمار ہیں اور اس قابل بھی نہیں رہے کہ چل پھر سکیں ورنہ وہ مجھے کبھی بھی اس جنگل میں بکریاں چرانے نہ بھیجتے۔ یہ ایک مجبوری ہے اور اپنے غم کی اس مجبوری میں مجھے ضرور اس کا ساتھ دینا چاہیے۔ اس لیے کہ میرے علاوہ کوئی اسے سنبھالنے والا نہیں ہے" ——— ربطہ کہتے کہتے رک گئی کیوں کہ اس کی آواز ڈوب گئی تھی۔

صام پھر اداس ہو گیا اور اپنا سر جھکا لیا۔

ربطہ نے اپنی بھیگی بھیگی پلکیں اُٹھائیں اور ملتجی نگاہوں سے صام کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا اب بھی تمہاری نفرت میں کمی نہیں ہوئی"۔ وہ بے سُدھ سی ہو کر اس کے قدموں میں گر گئی اور روتے اور سسکیاں لیتے ہوئے اس نے کہا۔

"مَیں تم سے التجا کرتی ہوں مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ مَیں یہاں بہت تنگ ہوں۔ اس گاؤں کے سب جوان مجھے بھوکے بھیڑیوں کی طرح گھورتے ہیں۔ میری عزت یہاں محفوظ نہیں ہے۔ میرا بوڑھا چچا میری حفاظت نہیں کر سکتا۔ پھر تم خود ہی سوچو میں ایسی جگہ کس طرح ایک باعزت زندگی بسر کر سکتی ہوں۔

صام پیچھے ہٹ گیا۔ کچھ اس طرح جیسے اس نے کوئی بھیانک خواب دیکھ لیا ہو۔ "مَیں مجبور ہوں تمہیں ساتھ نہیں لے جا سکتا۔

ربطہ کھڑی ہو گئی اور اپنے بہتے آنسوؤں میں پوچھا۔

"کیا مجبوری ہے تمہیں؟"

صام نے اس بار قدرے تلخی میں کہا۔

"جس وقت مجھے تمہاری ضرورت تھی اس وقت تم نے میری ضرورت محسوس نہیں کی۔ اب تمہیں میری ضرورت ہے مگر مَیں تمہاری ضرورت محسوس نہیں کرتا"۔

ربطہ پھر رو دی اور اپنا دفاع کرتے ہوئے وہ بچاری پھر بولی۔

"مَیں اس وقت مذہب کی جس راہ پر جا رہی تھی کیا اس میں تم سے میں شادی کر سکتی تھی؟ تم سب کچھ جانتے ہوئے بھی کیوں انجان بنتے ہو۔ صام نے پھر تڑپ کر جستجو سے پوچھا۔ کیا تمہیں اس وقت مجھ سے محبت تھی"۔

یسوع مسیح کی قسم مَیں شروع سے تمہیں چاہتی تھی۔ یہ علیحدہ بات ہے مَیں اظہار نہ کر سکی۔

"پر شادی کرنا نہیں چاہتی تھی"۔ صام نے چرکہ لگاتے ہوئے کہا۔

"تم سمجھتے کیوں نہیں ہو صام! کہ ایک راہبہ ہوتے ہوئے میرے لیے یہ ممکن نہ تھا۔ میرا باپ جو ایک راہب تھا کیا سوچتا اگر میں تمہارے ساتھ بھاگ جاتی تو لوگ میرے باپ پر انگلیاں اٹھاتے کہ راہب سلیطہ کا خون گندہ تھا۔ کیا ایک شریف انسان ایسے الزامات برداشت کر لیتا جب کہ تم جانتے ہو میرا باپ ایک معزز راہب اور حساس عرب تھا"۔ صام نے اپنا فیصلہ دیا۔

"مَیں سب سمجھتا ہوں زندگی کی جس راہ پر میں بھی اب جا رہا ہوں اس میں میں شادی نہیں کر سکتا۔ کیا خبر کب موت اپنا جبڑہ کھول دے اور مَیں زندگی کی مصاف ہار کر ہمیشہ کے لیے موت کی ابدی دھند میں کھو جاؤں"۔

"مَیں تمہیں مجبور تھوڑا ہی کر سکتی ہوں۔ تمہاری ضد تو شروع ہی سے شہور رہی ہے"۔

صام نے پہلی بار ذرا پیار سے پوچھا۔

"تمہیں یہاں کوئی تکلیف تو نہیں؟"

ربطہ نے سر اُٹھائے بغیر جواب دیا۔

"مَیں مروں یا جیوں تمہیں کیا۔ تمہارے لیے تو ربطہ پہلے ہی مر چکی ہے نا پھر اس کے دُکھ تکلیف سے تمہیں کیا غرض؟"

صام مسکرا دیا۔

"نہیں وہ زندہ ہے۔ مَیں اسے کیونکر مرتے دیکھ سکتا ہوں"۔

ربطہ نے سر اُوپر اُٹھایا اور بھولے پن سے پوچھا۔

"ہنستے کیوں ہو؟ کیا خوش ہوتے ہو میری بے بسی پر اس لیے کہ مَیں دھکے کھا رہی ہوں"۔

صام نے اسی طرح مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔

"اوں ہوں۔ لات وعزیٰ کی قسم تمہاری حالت دیکھ کر مجھے دُکھ ہوا ہے"۔

"پھر کیوں ہنستے ہو۔ کیا یہ دیکھ کر خوش ہو رہے ہو کہ کلیسا کی ایک راہبہ کو بیان نے بے مجبور رہے۔

صمام نے پیار سے کہا۔ "میں تمہیں ایک خوش خبری سنانا چاہتا تھا۔"

"کیا؟" ربطہ نے چونک کر ڈھیروں امیدوں کے ساتھ اس کی طرف دیکھا تھا۔

"میں عنقریب پھر آؤں گا اور تمہیں ہمیشہ کے لیے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

ربطہ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"جھوٹا"۔ ربطہ کی آواز میں نقرئی گھنٹیوں جیسی کشش اور فسوں تھا۔

"سچ کہتا ہوں میں عنقریب یہودیوں کی بچی ہوئی بستیوں کو بھی ختم کر کے اپنے سارے ساتھیوں کو دو حصّوں میں بانٹ کر آدھے القطرا اور آدھے صدف میں بسا دوں گا پھر میں تمہیں اپنے گھر لے جاؤں گا اور ایک پُرسکون زندگی کی ابتدا کروں گا۔ میں تم سے شادی کروں گا۔ کیا تم میرا انتظار کرو گی؟"

ربطہ کے ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ اس نے بڑے عزم کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "میں موت تک اب تمہارا انتظار کر سکتی ہوں۔"

صمام نے کمر سے نقدی کی ایک تھیلی کھولی اور ربطہ کی طرف بڑھا دی۔

"یہ رکھ لو، تمہارے کام آئے گی۔ اس میں اس قدر رقم ہے کہ تم کچھ عرصہ بیٹھ کر اپنے اور چچا کے اخراجات پورے کر سکتی ہو۔ ان بکریوں کو اب بے شک بیچ دینا۔"

ربطہ نے اپنے ہاتھ کھینچ لیے اور چند قدم پیچھے ہٹتے ہوئے اس نے کہا۔

"میں نہیں لوں گی۔"

"کیا اب بھی تم ناراض ہو"۔ صمام نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ میں تم سے کیونکر ناراض ہو سکتی ہوں۔"

"تو پھر لے لو۔ میں تمہیں دے رہا ہوں۔ صمام تمہیں دے رہا ہے۔ کیا تمہارا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں"۔ پھر تیز نگاہوں سے ربطہ کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔ "اپنے چچا کو تو تم نے مجھے اپنا شوہر بتایا تھا۔"

ربطہ نے تھیلی لے لی اور اس کا سر شرم سے جھک گیا تھا۔

"اس وقت میں اپنے حواس میں نہ تھی۔"

صمام آگے بڑھا اور چشمے کے پاس بیٹھ کر پانی پینے لگا۔ اس کا گھوڑا پہلے ہی پانی پی چکا تھا۔ ربطہ نے اپنے سر سے بندھا ہوا رومال کھولا۔ گھوڑے کی زین اور اس سے بندھے ہوئے کمبلوں سے گرد صاف کرنے لگی۔

صمام نے زین سے بندھی ہوئی چھاگل کھول کر پانی سے بھری اور جب وہ دوبارہ اسے زین سے باندھ رہا تھا۔ ربطہ رومال سے اس کے کپڑے جھاڑنے لگی تھی۔

"کل اس محبت کرنے والی بیوی کی طرح جو اپنے شوہر کو جدا کر رہی ہو۔"

صمام نے پیار سے کہا۔

"کیوں جھاڑتی ہو پھر اسی طرح ہو جائیں گے۔ ابھی مجھے ایک طویل مسافت کرنی ہے۔"

ربطہ نے اس کی عبا درست کی اور اس کے سامنے کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔

"میرے پاس سے تو ٹھیک ٹھاک جاؤ گے نا۔ میرے لیے یہی سب سے بڑا طمان ہوگا۔"

صمام پھر گھوڑے پر سوار ہوا اور مسکرا کر ربطہ سے کہا۔

"میں اب جاؤں؟"

ربطہ نوراً اداس ہو گئی اور گھائل و مجروح لہجے میں ڈوبی اس کی آواز ابھری۔

"چچا سے تو ملتے جاؤ۔ وہ تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔ ہر روز مجھ سے تمہارے متعلق پوچھتے ہیں۔"

صمام نے شرارت آمیز انداز میں کہا۔

"یہی کہتے ہوں گے کیسا شوہر ہے جو اپنی بیوی کی خبر بھی نہیں لیتا اور اکیلا چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔"

ربطہ کا سر پھر شرم سے جھک گیا تھا۔

"بہت شرارتی ہو گئے ہو!"

"صمام نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔"

"اچھا میں چلا دیر ہو رہی ہے۔ میں عنقریب آؤں گا اور تمہیں اور تمہارے چچا دونوں کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

ربطہ مسکرا مسکرا کر ہاتھ ہلاتے ہوئے اسے الوداع کہہ رہی تھی۔

○

صمام پھر قافلے کے تعاقب میں لگ گیا تھا۔ ایک روز دوپہر کے وقت جبل حاران سے بیس میل دور ہی یہودیوں کا قافلہ رک گیا اور انہوں نے پڑاؤ ڈال دیا۔ شاید وہ آنے والی رات یہیں گزار کر جبل حاران کا پورا سلسلہ اگلے روز دن ہی دن میں طے کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے کہ انہیں صمام کی طرف سے خطرہ تھا۔

صمام نے دور سے ہی دیکھا۔ وہ پوری طرح پڑاؤ ڈال چکے تھے اور جگہ جگہ انہوں نے آگ کے الاؤ روشن کر دیئے تھے۔ کچھ لوگ کھانا پکانے میں لگ گئے تھے۔ صمام پڑاؤ سے پانچ میل دور ہٹ کر آگے نکل گیا۔ اب وہ تیزی سے جبل حاران کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جب پہاڑ کے دامن میں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ ایک بلند چوٹی پر کھڑا عمار بڑے غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

صمام نے اسے ہاتھ کے اشارے سے نیچے آنے کو کہا اور عمار آناً فاناً اپنے گھوڑے پر سوار ایک گھاٹی سے باہر نکل آیا اور صمام کے پاس آ کر رکتے ہوئے پوچھا۔

"یہودیوں کا کاروان کدھر گیا؟"

"وہ بیس میل پیچھے ہی پڑاؤ ڈال چکا ہے۔"

"پھر اب کیا کریں؟"

صمام نے فیصلہ کن انداز میں عمار سے کہا۔

"نکالو ساتھیوں کو باہر، وہیں رات کے وقت شبِ خون ماریں گے۔ کیا یاد کریں گے کن عربوں سے پالا پڑا ہے۔ آنے والی شب ان کے لیے زندگی کی آخری رات ہوگی ـــــــ"

عمار ساتھیوں کو بلانے واپس چلا گیا تھا۔ صمام وہیں کھڑا ہو کر انتظار کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد ایک ہزار سوار پہاڑ کے دامن میں جمع ہو چکے تھے۔ ہر ایک کے پاس تیر کمان کے علاوہ تلوار ڈھال اور زرہ بھی تھی۔ صمام شکر کرنے کہ پھر واپس چل دیا۔ اب وہ ذرا مست رفتار سے جا رہا تھا تاکہ وہاں تک پہنچتے پہنچتے رات کا کچھ حصہ گزر جائے۔ شاید وہ جاتے ہی شبِ خون مارنا چاہتا تھا اور ہوا بھی ایسا ہی۔ رات کا کچھ حصہ گزر چکا تھا کہ صمام وہاں پہنچا۔ اس نے دیکھا قافلہ سو چکا تھا۔ کچھ لوگ اِدھر اُدھر گھوم کر پہرہ دے رہے تھے۔ وہ ہاتھوں میں مشعلیں بھی اُٹھائے ہوئے تھے۔ پڑاؤ کے اندر بھی جگہ جگہ مشعلیں روشن تھیں اور ہر چیز اندھیرے میں کھڑے صمام کو صاف نظر آ رہی تھی۔

صمام نے لشکر دو حصوں میں تقسیم کیا۔ آدھا خود لیا اور آدھا عمار کو دیا۔ خود وہ دائیں جانب سے حملہ آور ہوا اور عمار بائیں جانب سے جھپٹا۔ پلک جھپکتے ہی انہوں نے پہریداروں کو موت کی نیند سلا دیا اور پھر اندر گھس کر موت کا کھیل شروع کر دیا تھا۔ قافلے کے سب لوگ جاگ چکے تھے۔ تاہم قتل شروع ہو چکا تھا۔ صمام کے آدمیوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ کچھ اپنے کپڑے درست کرتے ہوئے مارے گئے۔ بعض بدحواسی میں اپنے ساتھیوں کی تلواروں کا ہی شکار ہو گئے۔ بہرحال پڑاؤ میں کافی دیر تک موت کا شیطانی رقص جاری رہا۔ یہودیوں کی تعداد زیادہ ہونے کے باوجود انتقام کی آگ میں جلتے ہوئے عرب صاعقۂ آسمانی کی طرح یہودی پڑاؤ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کوند گئے تھے۔ ان کی تلواریں خون میں ڈوب ڈوب کر ابھر رہی تھیں اور ان کے چہروں پر مسکراہٹ تھی۔ یہودیوں نے اپنی پوری قوت سے اپنا دفاع کیا تھا لیکن جفاکش عربوں کے سامنے ان کی حالت تیز طوفان میں اُڑتے ہوئے تنکوں جیسی تھی اور عربوں نے ان کا قتلِ عام کرنے کے بعد ان کے تجارتی سامان کو اپنے قبضے میں لینا شروع کر دیا تھا۔ ایک گھڑی کی گھمسان جنگ کے بعد عرب سارے یہودیوں کو موت کے گھاٹ اُتار چکے تھے اور تھوڑی دیر بعد صمام اپنے لشکر کے ساتھ یہودی تجارتی قافلے کی ہر چیز سمیٹ کر جبل ہاران کا رُخ کر رہا تھا۔

○

ایک ماہ تک پھر خاموشی چھا گئی تھی ۔ صلاح الدین ایوبی سپاہیوں کے چلے جانے کا انتظار تھا ۔ تاہم اپنے ساتھیوں کو مصروف رکھنے کی خاطر وہ یہودیوں کی اِکّا دُکّا اور چھوٹی بستیوں پر شب خون مارتا ہی رہتا تھا ۔

مُسلمانوں کے سپہ سالار اسامہؓ بن زید نے جب شام پر شکر کشی کر دی تو غسانی بڑی تیزی کے ساتھ ان کے مقابلے کے لیے شام کی سرحدوں کی طرف سمٹ گئے تھے ۔ یہودی پھر اکیلے رہ گئے تھے اور عربوں کو اسی وقت کا انتظار تھا اور اب یہودیوں سے ان کے ہر ظلم کا حساب لینے کے لیے ان کے راستے میں کوئی دیوار نہ تھی ۔

وہ ایک اندھیری اور طوفانی رات تھی ۔ صحرا میں ہر طرف اُڑتی ہوئی ریت کے طوفان چلنے لگے تھے ۔ ہر سمت آندھی ہی آندھی تھی ۔ صلاح الدین اپنے ساتھیوں کے ساتھ جبل حارا ن اور جرش کے درمیان پڑنے والے درمیانی راستے کو اپنے بارہ سو ساتھیوں کے ساتھ روندتا رہا تھا ۔ طوفان کا اس پر کوئی اثر نہ تھا ۔ آندھی اس کی راہ میں رکاوٹ نہ بنی تھی ۔ اس لیے کہ وہ خود ایک طوفان کی شکل اختیار کر گیا تھا ۔

فضاؤں میں اُڑتے ہوئے ریگزار اس کے ارادوں میں حائل نہ ہو سکے تھے ۔ شاید اسے کسی ایسی ہی طوفانی رات کا انتظار تھا ۔

صلاح الدین نے پانچ سو آدمی جرش کے باہر کھڑے کیے اور باقی سات سو ساتھیوں کے ساتھ اس نے جرش پر ایک بھرپور شب خون مارا ۔ یہودیوں کے جو آدمی پہرہ دے رہے تھے وہ آن کی آن میں عربوں کی پیاسی تلواروں کا شکار ہو گئے اور پھر بستی کے اندر آگ اور خون کی آنکھ مچولی شروع ہو گئی تھی ۔

کوئی ایک گھنٹے تک جرش میں آگ اور خون کا کھیل کھیلا گیا ۔ اتنے میں ساتھ والی دو بستیوں کے یہودی بھی ان کی مدد کو پہنچے مگر باہر کھڑے پانچسو آدمیوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور بھوکے عقابوں کی طرح ان پر ٹوٹ پڑے ۔ باہر سے مدد کو آنے والے اپنی جانیں بچا کر بھاگ گئے تھے ۔

لگاتار تین گھنٹے تک جرش میں قتلِ عام ہوتا رہا ۔ عربوں نے یہودیوں کا بچہ بچہ کاٹ ڈالا ۔ یہاں سے نکل کر انہوں نے ساتھ والی دوسری دونوں بستیوں کو بھی جی بھر کر خون میں نہلایا ۔ اندھیرے ہی اندھیرے میں انہوں نے تینوں بستیوں سے لُوٹا ہوا سامان انہیں کے جانوروں پر لاد کر صحرا کی وسطی سرائے کے پاس ڈھیر کر دیا اور تینوں بستیوں کو آگ لگا دی ۔ سب بستیوں کی جوان لڑکیاں بھی انہوں نے باہر نکال لی تھیں ۔

اسی وقت صلاح نے تین آدمی کیمپ کی طرف بھگائے اور انہیں حکم دیا ، کہ کیمپ کا سارا سامان اور سب جانور یہیں لے آئیں ۔ دوسرے روز کا سورج جب طلوع ہوا تو اس نے صحرا حمادہ کے اس حصّے کا نقشہ بدلا ہوا پایا ۔ یہودیوں کی بستیاں جل کر راکھ ہو گئی تھیں ۔ صبح تک جبل حارا ن سے پورا کیمپ بھی اُٹھ کر وسطی سرائے کے پاس آ گیا تھا ۔ صلاح نے ایک نظر اُٹھا کر اپنے ساتھیوں کا جائزہ لیا ۔ کئی میل کے احاطے میں اس کے جوان اور جانور پھیلے ہوئے تھے ۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے پوری دُنیا کے اُونٹ گھوڑے اور مکھیاں وہاں جمع ہو گئے ہوں ۔

کیمپ کے ایک طرف ہزاروں یہودی لڑکیاں بے بسی کی حالت میں بیٹھی تھیں ۔ وہ سب ایسی کنواریاں تھیں جنہیں آج تک کسی نے چھوا تک نہ تھا اور وہ یہودیوں کی ان تینوں بستیوں کی تھیں جنہیں رات کے وقت لُوٹ کر آگ لگا دی گئی تھی ۔

صلاح وہیں کھڑے کھڑے لڑکیوں کو اپنے ساتھیوں میں بانٹنے لگا ۔ مگر اچانک ہی وہ رُک گیا اور عمار کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا ۔

" عمار ! تم اگر ان لڑکیوں میں سے کوئی حاصل کرنا چاہو تو تمہاری مرضی ہے ۔ میں تمہارے لیے ایک لڑکی پسند کر چکا ہوں ۔

عمار نے شوق سے پوچھا۔

"کون سی لڑکی؟"

"حبابہ ——— وہی جو وسطی سرائے میں رقاصہ ہے۔ وہ عرب اور میں اسے اس وقت سے جانتا ہوں جب یہاں عربوں کی بستیاں آباد تھیں کیا میری پسند سے اتفاق ہے؟"

عمار نے اسے چور نگاہوں سے دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

صمام نے سب لڑکیاں بانٹ دیں۔ کچھ بچ گئیں وہ بھی اس نے کچھ جو بانٹ دیں اور اس طرح ان کے پاس دو دو بیویاں ہوگئیں۔ اب سب جوان آپس چہ میگوئیاں کرنے لگے تھے کہ سردار نے اپنے لیے کسی بیوی کا انتخاب کیوں نہیں کیا عمار نے انہیں ربطہ کے متعلق بتا کر خاموش کر دیا تھا اور یہ انکشاف لشکر کے ہر لیے اطمینان بخش تھا۔

صمام اس کام سے فارغ ہو کر صحرا کی وسطی سرائے میں آیا۔ سرائے کا مالک کو دیکھ کر کانپنے لگا تھا مگر صمام نے اس سے کچھ نہ کہا اور حبابہ کو نیچے بلایا۔ حبابہ مسکراتی سیڑھیاں اُتری اور قدرے سر جھکا کر کہا۔

"میں سردار کو اس شاندار فتح پر مبارک باد دیتی ہوں۔"

صمام بھی ہنس دیا۔

"میں تمہارا مشکور ہوں کہ تم بھی میری اس جنگ میں برابر کی شریک ہو مجھے تم سے ایک اور کام آپڑا ہے۔"

حبابہ سنجیدہ ہوگئی۔

"میرے لیے تو تمہاری ہر بات حکم ہے۔"

"اس عمار کی طرف غور سے دیکھو۔"

حبابہ کچھ گھبرا گئی ——— "کیوں؟"

"میں اس سے تمہاری شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

حبابہ کا سر شرم سے جھک گیا تھا۔

صمام نے پھر پوچھا۔

"کیا تمہیں اس سے اختلاف ہے"

مدھم سی آواز میں حبابہ نے کہا۔

"تم نے ایک بار مجھے بہن کہا تھا"

"ہاں کہا تھا، مجھے یاد ہے۔"

"تو پھر میں بھائی کا کہا کیسے رد کر سکتی ہوں۔ تمہارا فیصلہ میرے لیے آخری اور قطعی ہے۔"

صمام اور عمار دونوں مسکرا دیئے۔ تینوں کیمپ میں آئے اور وہاں حبابہ کا ہاتھ عمار کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔

حبابہ سے صمام کو یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ جرش کا سردار شمعون اور داؤد ایک دو دن پہلے ہی کہیں چلے گئے تھے۔ لہٰذا صمام ابھی تک ان سے انتقام نہ لے سکا تھا اور اس کے رومال میں اسماء کی قبر کی مٹی اسی طرح بندھی ہوئی تھی۔ جسے اس نے داؤد کے خون میں ڈبو کر قبر پر ڈالنے کا عہد کر رکھا تھا۔

○

سامان، جانور اور سب جوان برابر کے دو حصّوں میں تقسیم کر دیئے گئے تھے۔ ایک حصّہ صدف میں آباد کر دیا گیا اور دوسرا القطر میں۔ صدف کا سردار عمار کو بنا دیا گیا اور القطر کا انتظام و انصرام صمام کے پاس رہا۔

دونوں بستیوں والوں نے از سرِ نو زمین آباد کرنا شروع کر دی تھی۔ صمام بہت جلد ربطہ اور اس کے چچا کو لانا چاہتا تھا مگر کئی دن تک اسے بستی میں رُکنا پڑا۔ لوگوں کو پہلے مکان بانٹے پھر زمینیں تقسیم کیں۔ بستی کی ساری دکانیں بھی دوبارہ کھولی گئیں۔ صدف کی زمین اور مکان بھی عمار کے کہنے پر اس نے جا کر تقسیم کیے تھے۔ اب دونوں بستیوں کے بازاروں میں پھر چہل پہل نظر آنے لگی تھی۔ جنگ کے دوران دونوں بستیوں

کے بھاگے ہوئے لوگ بھی پھر آکر آباد ہو گئے تھے۔

دونوں بستیوں میں لگاتار دو ہفتے کی مصروفیت کے بعد صمام ایک روز دن کے وقت ربطہ کو لانے کے لیے بستی سے نکل کھڑا ہوا۔ وہ اب کافی مطمئن تھا۔ اس مشکل وقت اور کشمکش کا دور ختم ہو چکا تھا۔ وہ اب اپنی نئی اور پُرسکون زندگی کی ابتدا کرنا چاہتا تھا اور پھر اس نے ربطہ کے ساتھ وعدہ بھی کر رکھا تھا کہ وہ عنقریب اسے لینے آئے گا۔

کئی دن کے لگاتار سفر کے بعد ایک روز صبح سویرے ہی وہ کندہ میں ہوا۔ ربطہ سے ملنے کی خوشی میں اس کا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا مگر جب وہ چچا کے گھر داخل ہوا تو اس کا دل ہول کھا گیا اور وہ ایک عجیب اُلجھن میں پڑ گیا تھا۔

مکان خالی پڑا تھا۔ پورا صحن درختوں کے سوکھے پتوں سے اٹا پڑا تھا ہوا کے دوش پر اِدھر اُدھر اُڑتے پھر رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ مکان مدتوں سے غیر آباد پڑا ہوا۔ مکان کے اندرونی دروازے بھی کھلے تھے۔ صمام نے اندر جھانکا۔ اندرونی حصہ بھی بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ سب کمرے خالی پڑے تھے۔ کوئی چھوٹا برتن تک اسے وہاں نظر نہ آیا۔ ہاں ایک جنگلی بلی جونہی وہ اندر آیا باہر بھاگ گئی۔

صمام کا سر گہری سوچ میں گر گیا تھا۔ اسے اُمید تک نہ تھی۔ یہاں آکر اسے اس قدر مایوسی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کافی دیر تک وہ اداس اداس اور بھاری بھاری آنکھوں سے مکان کی ویرانی اور ہونا کی کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر اس نے اپنے گھوڑے کی باگیں تھامیں اور مکان سے باہر آکر گلی میں کھڑا ہو گیا۔ اس کا ذہن کام نہ کر رہا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس سے سوچنے کی قوت سلب کر لی گئی ہو اور اس کے خون کا سفر ختم ہونے کو ہو۔ اسی حالت میں کچھ دیر تک وہ یوں ہی گلی میں سر جھکائے کھڑا رہا۔ پھر اس نے شاید کچھ سوچا اور سامنے والے مکان کے دروازے پر دستک دی۔ ایک ضعیف عورت نے دروازہ کھولا اور حیرت سے صمام کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا

"کس سے ملو گے بیٹا!"

صمام نے اپنا خشک ہوتا ہوا گلا ٹھوک نگلتے ہوئے درست کیا اور بڑی مشکل سے

"یہ سامنے والوں کا کچھ پتہ ہو کہاں چلے گئے۔ میں ایک عرصے بعد ان سے ملنے

بوڑھی عورت کچھ غمزدہ ہو گئی اور خلاؤں میں کھو گئی۔ فی الفور وہ کوئی جواب نہ دے سکی تھی۔

صمام نے جب اپنا سوال دہرایا تو وہ چونک پڑی اور آہستہ سے کہا۔

"تم ربطہ کے متعلق کچھ جاننا چاہتے ہو؟"

صمام نے بڑی تیزی سے کہا ——— "ہاں!"

"وہ یہاں سے جا چکی ہے۔"

"کہاں گئی ہے؟"

"دمشق سے کوئی پانچ میل کے فاصلے پر جھیل طبریہ کی طرف جانے والی شاہراہ پر رباع نام کا ایک قصبہ ہے۔ وہاں ایک کلیسا ہے۔ ربطہ وہاں چلی گئی ہے۔"

"اور اس کا چچا۔ کیا وہ بھی اس کے ساتھ رباع جا چکا ہے؟"

"نہیں، وہ مر گیا ہے۔"

صمام نے دُکھ سے پوچھا "کب اور کیسے؟"

بڑھیا کی باتوں سے ظاہر تھا کہ وہ کچھ چھپا رہی ہے۔ اس کے ہونٹ کچھ کہنے کو بار بار مچل جاتے تھے۔

صمام نے بڑی نرمی سے پوچھا۔

"معزز خاتون! میں ان دونوں کے متعلق کچھ تفصیل سے جاننا پسند کروں گا۔"

بڑھیا خوفزدہ دکھائی دینے لگی تھی۔

صمام نے اس کا حوصلہ بڑھایا۔

"میں تمہیں تمہاری حفاظت کی ضمانت دیتا ہوں۔ جو تمہارے دل میں ہے کھل کہہ دو۔"

بڑھیا نے رازدارانہ لہجے میں کہا۔

"ربطہ کا چچا کچھ دن بیمار رہ کر مر گیا۔ وہ بچاری بھیڑ بکریاں چرا کر اپنی گزر کرتی رہی۔ مگر گاؤں کا ایک جوان اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا۔ ایک رات خبیث شیطان نے ربطہ کی عزت لوٹنا چاہی مگر کچھ لوگ بیچ میں آ گئے تو وہ اس کے ہاتھوں بچ گئی۔ دوسرے روز وہ بچاری یہاں سے بھاگ کر اس کلیسا میں پناہ گزیں ہو گئی۔ اس شیطان نے اس کے چچا کا گھر لوٹ لیا اور اس کی ساری بکریاں ہنک کر لے گیا۔"

صمام کا ہاتھ بے ساختہ تلوار کے دستے تک چلا گیا اور اپنی غراتی ہوئی آواز میں اس نے کہا۔

"خاتون! کیا تم مجھے اس کا نام بتاؤ گی؟"

"اس کا نام مقیس ہے۔"

"گھر کدھر ہے اس کا؟"

"بستی کے بالکل جنوب میں۔ تم جس سے بھی پوچھو گے وہ تمہیں اس کے متعلق بتا دے گا۔ اس بستی کا بچہ بچہ اس کی خباثت اور شیطنت سے آگاہ ہے۔"

صمام بستی کے جنوب میں آیا اور گلی میں کھیلتے ہوئے بچوں میں سے ایک کو اپنے پاس بلا کر مقیس کے گھر کا پتہ پوچھا اور اس نے چند قدم کے فاصلے پر ایک طرف اشارہ کر دیا۔ صمام نے اس گھر کے دروازے پر جا کر دستک دی۔

ایک زشت رو اور بدہیبت سے جوان نے دروازہ کھولا۔ صمام نے اس کی غراتی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دھاڑتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"مجھے مقیس سے ملنا ہے۔"

اس نے بڑے غور سے صمام کو دیکھا اور اپنی بھاری آواز میں کہا۔

"میں ہی مقیس ہوں، کہو کیوں ملنا چاہتے ہو؟"

صمام نے گھوڑے کی لگام بائیں ہاتھ میں لی اور دایاں ہاتھ آگے بڑھا کر مقیس کی گردن پکڑ لی اور بڑی بے رحمی سے اُچک کر اسے اپنے سامنے بٹھا

واپس موڑ کر ایک طرف سرپٹ دوڑا دیا۔ مقیس نے شور کرنا چاہا۔ مگر صمام اسے کچھ اس طرح بٹھائے ہوئے تھا کہ اس کی آواز حلق سے باہر ہی نہ نکل سکی تھی۔ کیونکہ صمام کا ایک ہاتھ اس کی گردن پر تھا۔

کئی کوس سے دو میل باہر آ کر صمام گھوڑے سے نیچے اترا، اسے بھی نیچے اتار کر کھنکتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"تم نے ربطہ کی عزت پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی؟"

وہ کانپ گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔

صمام نے پھر اپنی کھولتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"تم نے ہی اس کے گھر کا سامان اور بکریاں چھین لی تھیں؟" تلوار لہراتا ہوا وہ اس کی طرف بڑھا۔ مقیس کی حالت اس چوہے کی سی ہو گئی تھی۔ جس کے سامنے موت آ کھڑی ہوئی ہو۔ مقیس اس کی باتوں کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ صمام آگے بڑھا اور تلوار سے اس کی گردن کاٹ دی۔ سر اس نے ایک طرف رکھ دیا اور باقی حصّہ ریت میں تلوار صاف کر کے اس نے نیام میں ڈالی۔ پھر مقیس کی گردن سے رستا ہوا خون تلوار سے صاف کیا اور کٹا ہوا سر اپنے گھوڑے کی خرجین میں ڈال کر وہ سوار ہوا اور بستی کی سمت گھوڑا سرپٹ دوڑانے لگا تھا۔

○

دوپہر کے وقت وہ قصبہ رباع کے کلیسا میں داخل ہو رہا تھا۔ اس نے دیکھا۔ دھوپ میں ربطہ بیٹھی اپنا کوئی پھٹا ہوا لباس سی رہی تھی۔ صمام کو دیکھتے ہی کپڑا ایک طرف پھینک دیا اور بھاگتی ہوئی آگے بڑھی۔ اس کے چہرے پر سکراہٹ کھیل گئی تھی۔ صمام بھی گھوڑے سے اتر گیا۔ ربطہ آج بے اختیار ہو کر صمام کے کشادہ سینے سے لپٹ گئی اور پھر اچانک ہی وہ رو پڑی۔ صمام نے اسے پیار کیا اور ڈھارس دینے لگا۔ اس نے کہا۔

"میں تمہیں لینے آیا ہوں ربطہ! کیا میں نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا؟"

ربطہ اپنے آنسو پونچھنے لگی ۔

"مجھے اُمید تھی تم ایک روز ضرور آؤ گے ۔"

اتنی دیر میں ایک ادھیڑ عمر راہب باہر آیا اور بڑے پیار سے ربطہ کی دیکھتے ہوئے پوچھا ۔

"یہ کون ہے بیٹی !"

ربطہ نے فوراً کہہ دیا ۔

"میرا چچازاد ہے ۔"

"تو باہر کیوں کھڑی ہو اسے اپنے کمرے میں لے جاؤ اور آرام سے بیٹھ کر کرو ۔" ربطہ مسکرادی اور صام کو اپنے ساتھ اپنے کمرے میں لے گئی ۔ صام گھوڑا دھوپ کھلا چھوڑ گیا اور وہ گھاس چرنے لگا ۔ خود وہ ربطہ کے ساتھ اندر جاکر بیٹھ گیا ۔ گھوڑے سے بندھی خرجین جس میں مقیس کا سر تھا وہ بھی صام اتار کر اپنے ساتھ اندر لے گیا ربطہ کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے پیار سے پوچھا ۔

"میں نے سُنا ہے کندہ میں تم پر بہت ظلم ہوا تھا ۔"

ربطہ پھر رو دی اور مُنہ سے کچھ نہ کہہ سکی ۔ صام نے پھر پوچھا ۔

"کس نے وہاں تمہیں تنگ کیا تھا ؟"

ربطہ نے سسکتے ہوئے کہا ۔

"مقیس نام کا ایک آدمی تھا ۔ میں نے بڑی مشکل سے اس کے ہاتھوں عزت بچائی تھی ۔"

صام نے خرجین میں ہاتھ ڈالا اور مقیس کا سر نکال کر اس کے قدموں پھینک دیا ——— "کیا یہی ہے وہ ابلیس ؟"

ربطہ حیرانگی سے اس کی طرف دیکھنے لگی ۔

"یہی ہے ۔ تم کندہ سے ہو کر آرہے ہو ؟"

"تو اور کیا ۔ وہاں تم نہیں تھیں ۔ میں نے سامنے والے گھر کی خاتون

سے پوچھا تو اس نے تمہارے متعلق سب کچھ بتا دیا ۔ میں نے اسی وقت اس شیطان کا سر کاٹا اور تمہارے پاس چلا آیا ۔"

ربطہ نے صام کے ہاتھ تھام لیے ۔

"تم بہت اچھے ہو صام !"

صام نے پریشانی سے اس کی طرف دیکھا اور مغموم آواز میں ربطہ سے کہا ۔

"تم پھر مذہب کی اس راہ پر چل نکلی ہو ، کیا تم پھر میرے ساتھ جانے سے انکار نہ کرو گی ؟"

ربطہ نے اس کے مُنہ پر ہاتھ دیا ۔

"نہیں نہیں میں ضرور تمہارے ساتھ جاؤں گی ۔ اب کوئی مجھے تمہارے ساتھ جانے سے نہیں روک سکتا ۔ میں نے وقتی طور پر یہاں پناہ لی ہے ۔ کیا تم یہودیوں سے نبٹ چکے ہو ؟"

"ہاں ، میں انہیں ختم کر چکا ہوں ۔"

"تو پھر میں آج ہی تمہارے ساتھ چلنا پسند کروں گی ۔ ویسے اگر تم آرام کرنا تو علیحدہ بات ہے ۔"

صام نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا ۔

"کھانا ملے گا ۔"

ربطہ مسکرادی ۔

"بھوک لگی ہے کیا ؟"

"ہاں ۔ میں نے کل شام کا کھانا کھایا ہوا ہے ۔"

ربطہ نے پیار سے اس کا گال تھپتھپایا اور اُٹھ گئی ۔

"میں ابھی لاتی ہوں کھانا ۔"

صام وہیں بیٹھے بیٹھے اونگھ گیا تھا ۔ اسے خبر نہ تھی کب تک وہ وہاں بیٹھا رہا ۔ آخر ربطہ نے اس کے سامنے کھانا جما کر اسے جگایا اور مسکرا کر پوچھا ۔

"نیند آ رہی ہے ؟"

صمام نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں دن رات لگاتار سفر کرتا رہا ہوں۔"

ربطہ نے اس کے ہاتھ دُھلائے اور وہ کھانا کھانے لگا۔ اتنی دیر تک مقیس کا سر باہر جا کر زین میں دبا آئی تھی۔

صمام کھانا کھا چکا تو ربطہ نے پھر پوچھا۔

"کیا تم یہاں کچھ دن آرام کرنا چاہو گے ؟"

صمام ہاتھ دھونے لگا۔

"میری تو صلاح ہے آج ہی روانہ ہو جائیں۔"

"میں بھی یہی چاہتی ہوں۔"

"یہ راہب تمہیں جانے دے گا۔"

"آسانی سے تھوڑا ہی جانے دے گا۔"

"پھر"

"کوئی اور ہی حربہ استعمال کرنا پڑے گا۔"

"تو پھر ایک کام کرتے ہیں۔"

"کیا ——— ؟"

"میں ابھی دمشق چلا جاتا ہوں اور ———"

"پر کیوں ؟"

"تم میری پوری بات تو سنو۔ میں وہاں جا کر گھوڑے کے چارے کا بندوبست بھی کر لوں گا اور تمہارے لیے کچھ نئے کپڑے بھی خرید لوں گا۔ ساتھ ہی وہاں سے کچھ زادِ راہ بھی لے لوں گا۔ تم راہب سے کہہ دینا کہ میں چلا گیا ہوں۔ ظاہر ہے وہ یقین کرے گا اور اسے کسی قسم کا شبہ نہ ہوگا۔ مگر جب وہ سو جائے تو تم جانے کی تیاری کر لینا۔

پھر میں بھی دمشق سے آ جاؤں گا۔ میرے آنے تک تمہیں بالکل تیار ہونا

میں گھوڑا دُور ہی کھڑا کر آؤں گا تاکہ ٹاپوں کی آواز سے راہب جاگ نہ اُٹھے۔ طرح ہم یہاں سے بھاگ جائیں گے۔"

ربطہ خوش ہو گئی۔

"بالکل ٹھیک ہے۔"

صمام کھڑا ہو گیا۔

"اچھا تو میں اب جاتا ہوں۔"

ربطہ اسے باہر تک چھوڑنے آئی۔ صمام گھوڑے پر بیٹھا اور دمشق کی طرف جانے شاہراہ پر اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑا رہا تھا۔

شہر کی اسی سرائے میں اس نے قیام کیا تھا جہاں چند روز قبل وہ یہودیوں
تجارتی قافلے کے تعاقب میں عمار کے ساتھ ٹھہر چکا تھا۔

سرائے کے مالک نے اس کے گھوڑے کے لیے چارے کا انتظام کر دیا تھا اور
وہ بڑے پرسکون ماحول میں آرام کرنے لگا تھا۔

شام تک وہ وہیں پڑا رہا۔ جب اندھیرا خوب چھا چکا تو وہ سرائے
اور گھوڑے پر سوار آہستہ آہستہ بازار کی طرف چلنے لگا۔ جب وہ ذرا اور آگے بڑھا تو
اس کی نگاہ حرش کے یہودی سردار شمعون پر پڑی۔ صلاح کے چہرے پر درندگی ناچ
انتقام کا ابلیس رقص کرنے لگا تھا۔

وہ فوراً گھوڑے سے نیچے کودا اور شمعون کے سامنے آ کھڑا ہوا اور غرا
ہوئے کہا۔ "اب کہاں جاؤ گے بچ کر؟"

شمعون گھبرا گیا۔ جونہی اس نے تلوار کھینچنا چاہی صلاح نے اسے کاٹ کر
دیا۔ وہ ابھی زمین پر گرے ہوئے شمعون کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا کہ اس کے
اور پیچھے سے چھ آدمی اس پر حملہ آور ہو گئے۔ وہ شاید شمعون کے ساتھی تھے۔ انہوں نے
کو پوری طرح گھیر لیا تھا۔ کوئی اور ہوتا تو شاید ہمت چھوڑ دیتا مگر صحرانشین یوں سرعام
کی موت قبول نہ کر سکا۔ اس نے اپنے بدن کو سمیٹا، ڈھال کو ایک خاص انداز میں
سامنے رکھا اور سب کو وزدیدہ نگاہوں سے دیکھتا ہوا وہ مقابلے کے لیے تیار ہو گیا۔

ان سب نے آگے بڑھ کر ایک ساتھ صلاح پر بھرپور حملہ کیا۔ صلاح فوراً
بدل گیا اور اپنی ڈھال اور تلوار کے سائے میں وہ اپنے آپ کو محفوظ کر گیا۔ وقت ضائع

اس نے ایک لمبی جست لی اور اگلے ڈیرے سے نکل کر وہ ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ وہ بار بار آگے
بڑھ کر اس پر وار کرنے لگے۔ مگر صلاح بڑی صفائی سے اپنا آپ بچا رہا تھا۔

آہستہ آہستہ کھسکتا ہوا وہ اپنے گھوڑے کے پاس آیا۔ وہ بھی اُس کے پیچھے تھے
جھپٹنے میں اس نے دو خنجر نکالے اور سامنے آنے والے دو یہودیوں کے دل میں پیوست
باقی چار یہودی کچھ سست پڑ گئے۔ شاید انہیں اپنے سامنے موت نظر آنے لگی
صلاح اب مطمئن نظر آ رہا تھا۔ تاہم اس نے تیسرا خنجر بھی نکال کر تیار کر لیا تھا۔

عین اس وقت جب کہ وہ خنجر پھینکنا چاہتا تھا اس کی نظر اپنے بائیں طرف
آٹھ دس سپاہی بڑی تیزی سے اِدھر کا رُخ کیے ہوئے اپنے گھوڑے دوڑاتے آ رہے
صلاح کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا وہ ایک چھلانگ سے اپنے گھوڑے پر سوار
اور ایک طرف بھاگ نکلا۔ ایک یہودی نے لپک کر اپنے ساتھیوں کے جسم میں پیوست
نکالے اور تاک کر باری باری پھینکے۔ ایک خنجر صلاح کے بازو میں اور دو سرا ران میں پیوست
اس کے جسم سے ڈھیر سے پھوٹ نکلے تھے۔ تاہم جان بچانے کی آرزو تکلیف کی
پر غالب رہی اور وہ اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑاتا ہوا باب تومار کی طرف بڑھنے لگا۔
خدشہ تھا کہ کہیں سپاہی دُور ہی سے پہریداروں کو آواز دے کر شہر پناہ کا دروازہ بند نہ
دیں۔ لہٰذا وہ گھوڑے کو پوری رفتار سے بھگا رہا تھا۔

شہر سے باہر آ کر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ سپاہی کچھ پیچھے رہ گئے تھے۔ وہ ابھی
شہر سے باہر نہ نکلے تھے۔ صلاح نے اس موقع کو غنیمت جانا اور اندھیرے کی آڑ میں وہ
تیزی سے کلیسا کی طرف بڑھنے لگا تھا۔

لہو لہان وہ کلیسا میں داخل ہوا۔ گھوڑے کو درختوں کے جھنڈ تلے اس نے کھڑا
وہ جگہ زیادہ تاریک تھی۔ نیچے اُتر کر جب وہ چلنے لگا تو چکرا گیا۔ زمین گھومتی ہوئی
دینے لگی۔ ران میں پیوست خنجر اسے چلنے نہ دے رہا تھا۔ خون ابھی تک بہہ رہا تھا۔
پڑتا وہ ربلہ کے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ بچاری اس کے انتظار میں تیار بیٹھی تھی کیونکہ
سو چکا تھا۔

ربطہ نے اس کی یہ حالت دیکھی تو اس کا رنگ سفید ہو گیا لپک کر وہ اس
صہام سے لپٹ گئی ۔ صہام اس کے بازوؤں میں جھول گیا ۔ ربطہ بچاری کمزور سی لڑکی
اس کے بھاری بھرکم جسم کا بوجھ برداشت نہ کر سکی اور صہام فرش پر گر گیا ۔ ربطہ نے
اس کے بازو اور ران میں خنجر پیوست تھے ۔ اس کا دل پھٹ ہی تو گیا اور وہ رونے لگی ۔
صہام اُٹھ کر بیٹھ گیا ۔ اس نے دیکھا ربطہ اس کے پاس بیٹھی بُری طرح رو رہی
صہام نے جب اس کی طرف دیکھا تو وہ اپنی عبا کے پلّو سے اس کی خون آلود پیشانی صاف
کرنے لگی ۔ صہام نے اپنی ٹانگ پھیلائی اور خنجر کھینچ کر ران سے باہر نکال لیا ۔ ربطہ بچاری
نے مُنہ دوسری طرف کر لیا تھا ۔ تاہم صہام کا جسم اس نے اپنی گود میں سمیٹ رکھا
صہام نے دوسرا خنجر بھی کھینچ کر بازو سے نکال دیا ۔
ربطہ نے فوراً اپنا لباس پھاڑا ۔ بھاگی بھاگی راہب کے کمرے میں گئی اور
کی دوائیاں اُٹھا لائی ۔ زخم دھو کر اس نے پٹی باندھ دی ۔ اتنی دیر تک صہام اپنے ہوا
درست کر چکا تھا ۔ تاہم اس پر نقاہت پوری طرح غالب تھی ۔
ربطہ نے اسے سہارا دیا اور اپنے بستر پر لٹا دیا ۔ خود بھی وہ اس کے پاس
گئی ۔ وہ ابھی تک رو رہی تھی ۔ سسکتے ہوئے اس نے پوچھا ۔
"یہ تم نے کیا کر لیا صہام !"
صہام اس کے سنہری اور لمبے بالوں سے کھیلتے ہوئے اسے تسلی دینے لگا ۔
"کس سے جھگڑا ہوا ؟" اس نے پھر پوچھا ۔
"یہودیوں کا سردار جو اپنی بستی سے بھاگ آیا تھا وہ اچانک مجھے بازار
مل گیا تھا ۔"
"پھر ۔" روتے روتے ربطہ نے پوچھا ۔
"میں نے اسے قتل کر دیا ۔ مگر میں دھوکہ کھا گیا ۔ یہ نہ جان سکا کہ اس کے
اپنے آدمی بھی ہیں ۔ جونہی میں نے اسے قتل کیا چھ یہودی مجھ پر ٹوٹ پڑے ۔ میں ان
دو کو ختم کر کے دوسرے چاروں سے نپٹنا ہی چاہتا تھا کہ دمشق کے سپاہی ایک طرف سے

دوڑاتے ہوئے آئے اور میں وہاں سے بھاگ نکلا ۔ ایک یہودی نے پیچھے سے مجھ پر
ہی خنجر پھینکے جو ایک ران اور دوسرا بازو میں پیوست ہو گیا ۔
ربطہ گھبرا گئی اور بچے پچھے سے لہجے میں پوچھا ۔
"سپاہیوں نے تمہیں کلیسا میں داخل ہوتے تو نہیں دیکھا ؟"
"نہیں میں انہیں کافی پیچھے چھوڑ آیا تھا ۔"
ربطہ خوف سے کانپ گئی ۔
"کہیں وہ ادھر ہی نہ آ نکلیں ۔"
صہام نے اس کی لمبی اور گلابی مائل سُرخ گردن سہلائی ۔
"ڈرتی کیوں ہو ، انہیں کیا خبر میں نے کلیسا میں پناہ لے رکھی ہے ۔"
"خداوند کرے وہ ادھر نہ آئیں ۔ پھر وہ کچھ پڑھ کر صہام پر پھونکنے لگی ۔ صہام ٹکٹکی
باندھے اسے دیکھتا رہا ۔ ربطہ کی اس حرکت پر وہ دل ہی دل میں ہنس بھی رہا تھا ۔ ربطہ نے
پیار سے اس کے بالوں میں اُنگلیاں پھیریں اور سسکتے ہوئے پھر کہا ۔
"شاید ہم اب یہاں سے نہ جا سکیں ۔"
صہام نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا ۔ "کیوں ؟"
"تم کچھ دن تک سفر نہ کر سکو گے اور میں ڈرتی ہوں ، راہب کہیں تمہارے
یہاں ہونے کا کسی سے ذکر نہ کر بیٹھے ۔ اگر ایسا ہوا تو ہم کیسے الفطر جا سکیں گے ۔"
صہام نے پھر اسے تسلی دی ۔
"سپاہی مجھے ابھی بڑی سرگرمی سے تلاش کر رہے ہوں گے ۔ اس لیے اس
وقت کوچ کرنا مناسب نہیں ۔ رات کے پچھلے حصّے میں ہم یہاں سے نکل جائیں گے ۔"
"کیا تم گھوڑے پر سفر کر سکو گے ؟"
"کرنا ہی پڑے گا ۔"
"نہیں نہیں تمہارے زخم بہت گہرے ہیں کہیں پھر خون نہ بہہ نکلے ۔"
صہام اُٹھ کر بیٹھ گیا ۔

ابھی مجھ میں اتنی ہمت ہے کہ دو چار آدمیوں کا مقابلہ کر سکوں۔ دل کہتا ہے میری موت ان زخموں کے باعث نہ ہو گی۔ ابھی میرا کام ادھورا ہے۔ سے اس قدر بدترین مذاق نہ کرے گی کہ میں اس بے بسی کے عالم میں گمنام موت کا جاؤں ــــــ"

ربطہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور زیادہ سسک پڑی۔ اس کے سا وہ صہام سے لپٹ گئی اور اپنا سر کچھ اس طرح اس کے کشادہ سینے پر رکھ دیا گویا وہ اس لیے بہترین اور آخری پناہ گاہ ہو۔"

صہام پھر اس کے بالوں سے کھیلنے لگا۔

"تم نے جانے کی تیاری کر رکھی ہے نا"

چھاتی سے لپٹے ہی لپٹے اس نے ہاں کہہ دی۔

اتنے میں کلیسا کے باہر گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ وہ تڑپ کر علیحدہ ہو گئی اور باہر بھاگی۔ ابھی وہ دروازے کے پاس ہی آئی تھی کہ خوف سے دم سا کھڑی ہو گئی۔ اس کے سامنے آٹھ دس سپاہی کھڑے اندر داخل ہونا چاہتے تھے۔ ان سے ایک نے جھانک کر صہام کو بستر پر لیٹے ہوئے دیکھ بھی لیا تھا۔ ربطہ دروازے پر ہی رہی اور انہیں اندر نہ جانے دیا۔

ایک بے تکلف قسم کا سپاہی آگے بڑھا اور ربطہ سے قریب ہوتے ہوئے کہ

"ہم مقدس باپ کی کنواری سے اندر جانے کی اجازت طلب کرتے ہیں۔"

ربطہ نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے وہیں کھڑی رہی۔

وہ سپاہی اور آگے بڑھا۔

"تم جیسے مقدس لوگوں کی موجودگی میں کلیسا مجرموں اور گنہگاروں کی پناہ گاہ کا کا نہیں دے سکتا۔ ایسے مجرموں کو عبرتناک سزا دینے کے لیے تم لوگوں کو ہم سے تعاون کرنا چا وہ سپاہی اور آگے بڑھ آیا تو ربطہ بیچاری مجبوراً ایک طرف ہو گئی۔

سب سپاہی اندر آ گئے۔ انہوں نے صہام کو رسیوں میں بڑی مضبوطی سے جکڑ

اپنے ساتھ لے گئے۔ ربطہ بیچاری روتی اور سر پیٹتی رہ گئی۔ صہام جا چکا تھا اور وہ بیچاری ہی رات روتی رہی تھی۔

صبح سویرے ہی وہ اٹھ کر باہر آئی۔ اس نے دیکھا کہ صہام کا گھوڑا سامنے درختوں جھنڈ میں گھاس چر رہا ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر گھوڑے کو پکڑ لیا اور اسے پیار کرنے۔ پھر وہ اس پر سوار ہوئی اور شہر کی طرف چل دی۔

جیل میں وہ صہام سے ملی وہ بیچارا ایک تنگ کوٹھڑی میں پڑا تھا۔ زخموں میں کی شدت بڑھ گئی تھی۔ صہام کو دیکھتے ہی اس نے پوچھا۔

"کسی نے کھانا دیا تمہیں؟"

صہام غمگین دکھائی دے رہا تھا۔ خاموشی سے اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اس کی حالت دیکھ کر ربطہ کی آنکھیں چھلک گئیں مگر جلد ہی ضبط کر گئی۔

"زخموں کا علاج بھی کریں گے نا"

"کر رہے ہیں۔ ابھی صبح ہی صبح انہوں نے پٹی باندھی ہے۔"

"کوئی چیز چاہیئے۔"

صہام نے نفی میں سر ہلا دیا۔

ربطہ اس کے پاس ہی بیٹھ کر کافی دیر باتیں کرتی رہی۔ اس نے ہر طرح سے تسلی دی اور روزانہ آنے کا وعدہ کر کے وہ چلی گئی۔

○

جیل میں پڑے پڑے صہام کو ایک ماہ اور کچھ دن ہو گئے تھے۔ ربطہ اسے روزانہ لئے آ رہی تھی۔ اس کے زخم مندمل ہو چکے تھے۔ اسے پھانسی کی سزا بھی ہو چکی تھی۔

مگر وہ حیران تھا کہ اسے پھانسی دیئے جانے کا جو دن مقرر ہوا تھا وہ گزر چکا تھا اور ابھی تک اس سے کسی نے باز پرس نہ کی تھی۔ جیل میں اس نے دیکھا کہ سب قیدیوں سے پہلے کی نسبت اچھا سلوک کیا جا رہا تھا اور انہیں خوراک بھی بہت اچھی دی جا رہی تھی۔ جیل کا داروغہ جو بات بات پر قیدیوں پر برس پڑتا

تھا۔ اب بڑی ہمدردی اور پیار کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

صمام کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ ایک دن اس کے قیدی نے خوش خبری سنائی۔

"ہم عنقریب رہا ہو رہے ہیں۔"

صمام دنگ رہ گیا اور بیتاب ہو کر اس نے اپنے اس ساتھی سے پوچھا

"کیا سب قیدی؟"

"ہاں۔"

"کوئی خاص وجہ ہے کیا؟"

"ہاں، تم نے دیکھا نہیں کہ بیشمار قیدی ہیں جن کو اب تک صلیب پر چڑھا دیا جانا چاہیے تھا مگر ان سب کو معاف کر دیا گیا ہے۔"

صمام کی آنکھوں میں زندہ رہنے کی چمک پیدا ہو گئی اور مسکراتے ہوئے اس نے پوچھا

"مگر یہ سب کیسے ہو رہا ہے؟"

"حکومت اپنے فائدے کے لیے کر رہی ہے۔"

"ہمیں آزاد کرنے میں اُن کا کیا فائدہ ہے۔"

"بہت بڑا فائدہ ہے۔ وہ ہمیں قربانی کا بکرا بنا رہے ہیں۔"

"مگر کس طرح؟"

"مسلمانوں نے شام پر لشکر کشی کر دی ہے۔ ان کے مختلف جرنیل اپنے لشکروں کے ساتھ اجنادین کے پاس رومیوں سے جنگ کرنے کے لیے جمع ہو رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے سب سے زیادہ خوفناک اور جری سپہ سالار کو بھی ادھر ہی کا کرنے کو کہہ دیا ہے۔ اس کا نام خالدؓ بن ولید ہے اور میں نے حمل کے سپاہیوں سے سنا ہے کہ وہ عراق سے نکل کر صحرائے حماد کی بستیوں کو روندتا ہوا بڑی تیزی کے ساتھ ایک انجانے راستے سے اجنادین کی طرف بڑھ رہا ہے۔ سنا گیا ہے کہ اس کے سامنے کوئی بھی زیادہ دیر تک ٹھہر نہیں سکتا۔ کہتے ہیں وہ بلا کا زیرک، مدبر اور شجاع ہے۔"

صمام نے مغموم لہجے میں کہا۔

"اگر وہ صحرائے حماد میں سے گزر رہا ہے تو یقیناً اس نے میری بستیوں کو بھی کر دیا ہوگا۔"

"ہاں ہاں یہ بھی سنا گیا ہے کہ جس راستے سے گزر رہا ہے تباہی ہی تباہی اور ویرانی ہی ویرانی پھیلاتا جا رہا ہے۔ صحرائے حماد کے زیادہ تر لوگ جن میں عرب بھی سب کے ہاتھوں مسلمان ہو گئے ہیں۔"

صمام کو اپنی بستیوں کی تباہی کا یقین ہو گیا تھا۔ اس کا سر جھک گیا اور مغموم دکھائی دینے لگا۔ دوسرے قیدی نے پھر کہنا شروع کیا۔

"عنقریب ہمیں یہاں سے نکالا جائے گا۔"

صمام نے دکھ سے کہا۔

"مجھے تو اب یہیں پڑا رہنے دیں تو بہتر ہے۔ میرا تو اب اس دنیا میں کوئی ٹھکانا بھی نہیں رہا۔ میں نے بڑی محنت اور جانفشانی سے اپنی بستیوں کو آباد کیا تھا۔"

قیدی نے طنز سے کہا۔

"قیدیوں کو اپنے گھروں کی طرف تھوڑا ہی جانے دیا جائے گا۔"

صمام حیرت زدہ ہو گیا۔

"تو پھر ——————؟"

"سب کو جنگ میں جھونکیں گے۔ یہ بے رحم بھیڑیئے ہمیں جنگ کا ایندھن بنا رہے ہیں۔ اس سے بہتر تھا کہ ہمیں جلاد کے حوالے کر دیا ہوتا۔"

صمام کی آنکھیں چمک اُٹھیں اور وہ کھڑا ہو گیا۔

"میں ضرور جنگ میں حصّہ لوں گا۔ جیل میں گھٹ گھٹ کر مرنے کے بجائے اپنے دشمنوں کو زخمی کرتے ہوئے موت سے بغل گیر ہونا زیادہ پسند کروں گا۔"

دوسرے قیدی نے غور سے صمام کی طرف دیکھا۔

"تم بھی عرب ہو نا؟"

"ہاں میں عرب ہوں۔ اس میں کیا شک ہے؟"

اس قیدی نے ایک چرکا لگایا۔

"تو وہ مسلمان بھی تو عرب ہیں۔ کیا تم اپنے عرب بھائیوں سے لڑنا پسند کرو گے؟"

صمام کا سر پھر جھک گیا۔ کچھ دیر کی فکر کے بعد اس نے پھر اُٹھا لیا۔

"مگر انہوں نے میری بستیوں کو تاراج بھی تو کیا ہے۔"

اس قیدی نے جھنجھلاہٹ سے کہا۔

"تم عرب لوگ بہت لڑاکے ہوتے ہو۔ مجھے چند عربوں سے واسطہ پڑا تھا وہ بات بات پر تلوار کھینچ لیتے تھے اور لڑنے مرنے کو تیار ہو جاتے تھے۔ آخر میں نے ان کی صحبت کو خیرباد کہہ دیا۔"

صمام نے بڑے غور سے اس قیدی کی طرف دیکھا۔

"تمہیں کچھ خبر ہے ہمیں کب یہاں سے نکالیں گے؟"

"سنا ہے بہت جلد نکالیں گے۔"

"کیا یہ لوگ ہمیں اپنی نگرانی میں اجنادین لے کر جائیں گے۔"

وہ قیدی پھیکی ہنسی ہنس دیا۔

"تو اور کیا میرا تو یہ خیال ہے یہ ہمیں باندھ کر لے جائیں گے۔"

صمام نے لمبا سانس لیا۔

"خیر جو مقدر میں لکھا جا چکا ہے اس کا سامنا تو کرنا ہی ہوگا۔"

قبل اس کے کہ دوسرا قیدی کچھ کہتا۔ صمام نے دیکھا۔ ربطہ اس سے ملنے آگئی تھی لہٰذا وہ تیز تیز قدم اُٹھاتا ہوا اس کی طرف چلا گیا تھا۔

یہودیوں کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد جنید اور سلیمان جان بچا کر بھاگ گئے تھے۔ کئی ماہ تک انہوں نے دُور و نزدیک کی عرب بستیوں کو متحد کر کے یہودیوں کے مقابلے میں لانا چاہا۔ مگر انہیں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ کئی ماہ تک بے کار اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بعد انہوں نے خالدؓ بن ولید کے لشکر میں شامل ہونے کا ارادہ کیا۔ جو اس وقت عراق فتح کرنے میں مشغول تھے۔

ان کا خیال تھا کہ لشکر میں شامل ہو کر وہ خالدؓ بن ولید سے یہودیوں کے مقابلے میں مدد کرنے کی بھی درخواست کریں گے۔ وہ چونکہ دونوں مسلمان بھی تھے۔ لہٰذا جہاد میں شرکت بھی لشکر میں شامل ہونے کا بڑا سبب تھا۔

دونوں خالدؓ بن ولید کے لشکر میں اس وقت آ شامل ہوئے جب وہ اپنے لشکر کے ساتھ فراض کی طرف پیشقدمی کر رہے تھے۔ یہ جگہ شام، عراق اور جزیرہ کی سرحد پر واقع ہے یہاں پر بے شمار رومی سپاہ کے ساتھ عرب کے قبیلے تغلب[1]، نمر اور ایاد کی بہت بڑی تعداد بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئی تھی کیونکہ ان لوگوں نے ابھی اسلام قبول نہ کیا تھا اور ابھی تک زیادہ تر بت پرست تھے۔

فراض میں جنگ کا سلسلہ چونکہ طویل ہو گیا تھا لہٰذا خالدؓ بن ولید نے یہاں روزے کر دیئے تھے۔ رومی لشکر جب دریائے فرات کے کنارے آیا تو انہوں نے خالدؓ بن ولید کو کہلا بھیجا کہ یا تو تم دریائے فرات عبور کر کے اِدھر آ جاؤ یا پھر ہمیں دریائے فرات

---

[1] ابن خلدون

عبور کرنے کی اجازت دو۔

خالدؓ بن ولید نے کہا تم دریا عبور کر آؤ۔ رومیوں نے پھر کہلا بھیجا کہ تم ہمارے راستے سے ایک طرف ہٹ جاؤ مگر خالدؓ نے یہ مطالبہ مسترد کر دیا۔ رومی لشکر نے اسفل کے مقام کی طرف سے دریائے فرات کو عبور کیا اور لڑائی شروع ہو گئی۔

اس جنگ کا آغاز خطرناک تھا۔ کیونکہ رومی اور ان کے ہمراہی ایک فیصلہ کن جنگ کر رہے تھے۔ دوسری طرف اسلامی لشکر شب و روز کی لگاتار جنگ اور مسافت سے تھک چکا تھا لیکن اللہ اکبر کی آواز پر ان کی رگوں میں کچھ ایسا جوش اور ولولہ پیدا ہوا کہ انہوں نے صفوں کی صفیں اُلٹنا شروع کر دیں۔ وہ یلغار میں آ کر رومی سپاہ پر جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہے تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا گویا ان میں کسی نے تازہ روح بھر دی ہو مگر یہ سب ان کے جذبہ ایمان کی تازگی اور خدائے برتر پر پختہ یقین کا باعث تھا کہ انہوں نے بڑی دل رومی سپاہ کو اندھا دھند کاٹنا شروع کر دیا تھا۔

رومی سپاہ اپنی بے شمار تعداد کے باوجود مٹھی بھر مسلمانوں کے سامنے جم نہ سکی یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے مسلمانوں نے ان کے نیچے سے زمین سمیٹ لی ہو۔ وہ گھبرا اُٹھے اور آخر کار بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور ایک لاکھ[1] رومیوں کو موت کے گھاٹ اُتار کر رکھ دیا۔

آخری ذیقعد تک خالدؓ بن ولید نے فراض ہی میں قیام کیا لیکن اسی ماہ کے ختم ہونے سے صرف پانچ روز قبل انہوں نے اپنے لشکر کو حیرہ کی طرف واپس ہونے کا حکم دیا۔ یہ وہ مقام تھا جسے وہ پہلے ہی فتح کر چکے تھے۔ خود انہوں نے چند ساتھیوں کو ہمراہ لیا اور حج کو چلے گئے اور کسی کو کانوں کان بھی اس بات کا علم نہ ہونے دیا کہ وہ حج کو چلے گئے ہیں۔

حیرہ کی طرف جاتے ہوئے جنید کی چھاگل سے پانی ختم ہو گیا تھا۔ اس نے سلیمان

---

[1] ابن خلدون

کی زین سے بندھی ہوئی چھاگل ٹٹولی وہ بھی خالی تھی۔ آخر اس نے اپنے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے سپاہی سے پانی مانگا۔ اس نے اپنا گھوڑا روکا اور خود اپنی چھاگل کھول کر جنید کو پانی پلانے لگا۔

جنید نے پانی پی چکنے کے بعد اس کا شکریہ ادا کیا اور پھر خوش ہوتے ہوئے اس کا نام پوچھا۔ جواب میں اس سپاہی نے ذرا غور سے اس کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

"میرا نام عروہ بن مسعود ہے"۔

جنید نے پھر پوچھا۔

"کس قبیلے سے ہو"

"بنو خزاعہ سے"

جنید کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔

"بنی خزاعہ سے؟"

عروہ بن مسعود کچھ حیرت زدہ ہو گیا۔

"ہاں ہاں میں بنی خزاعہ سے ہوں"

جنید فوراً ہی غمگین اور افسردہ سا ہو گیا اور اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے

عروہ نے فوراً پوچھ لیا۔

"کیا بات ہے تم غمگین کیوں ہو گئے ہو؟"

بجھی بجھی سی آواز میں جنید نے پوچھا۔

"تم مہام بن ثعلب کو جانتے ہو؟"

عروہ بن مسعود چونک پڑا۔

"ہاں ہاں وہ میرے ہی قبیلے کا ہے کیا تم ——"

جنید نے اس کی بات کاٹ دی۔

"کیا تمہیں کچھ خبر ہے کہ وہ آج کل کہاں ہے"

عروہ بن مسعود غمگین ہو کر بجھ سا گیا۔

"یہی تو میں تم سے پوچھنے والا تھا۔ عرصہ ہوا جبکہ ہم نے ابھی تک اسلام قبول نہ کیا تھا بنی بکر نے ہم پر شب خون مارا تھا۔ صمام اسی روز اپنے ماں باپ اور کے ساتھ کہیں بھاگ گیا تھا اور ہم لوگوں نے حرم میں پناہ لے لی تھی۔"

حنیدہ نے اپنی آنکھیں خشک کیں۔

"میں صحرائے حماد کی ایک بستی القطر کا رہنے والا ہوں۔ اپنے قبیلے سے کر صمام ہمارے پاس آگیا تھا۔ اس کے ماں باپ اور بہن بھی اس کے ساتھ تھے

عروہ نے بیتاب ہو کر پوچھا۔

"پھر اب وہ کہاں ہے؟"

"میری پوری بات سنتے جاؤ۔ وہ ایک غیور اور شجاع عرب تھا۔ ہمارے بستی کے لوگ یہودیوں سے قرض لیا کرتے تھے۔ مگر یہودی اس کا اتنا سود وصول کرتے تھے کہ جو شخص ایک بار ادھار لے لیتا عمر بھر یہودیوں کے قرض سے جان نہ چھڑا سکتا۔ سال میں ایک بار وہ اپنا قرض وصول کرنے آتے تھے اور ہر طرح کی سختی عربوں پر روا رکھتے تھے۔"

صمام کے وہاں آباد ہونے کے بعد یہودی جب اپنی رقم وصول کرنے کے دوران سختیاں کرنے لگے تو وہ برداشت نہ کر سکا۔ کچھ دن تک وہ دل پر پتھر رکھ کر ان کے مظالم عربوں پر برداشت کرتا رہا۔

آخر ایک روز وہ کھل گیا اور اعلانیہ ان کی مخالفت پر اتر آیا۔ اس کے باپ نے اسے بہتیرا سمجھایا مگر اس نے ایک نہ مانی اور پھر ایک روز یہودی جب ہمارے سردار کے گھر ایک بوڑھی عورت کے سامان پر زبردستی قبضہ کر رہے تھے۔ صمام ان کے سامنے آگیا اور تلوار سونت لی اور چار یہودیوں کو اس نے قتل کر دیا۔ اس نے یہودیوں کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔

وہ بیچارہ ہماری بستی میں جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر بازار بیچنے کے بعد اپنی گزر اوقات کرتا تھا۔ ایک دن یہودیوں نے ہمارے سردار کی لڑکی جو اس نوجوان کی بہن ہے

حنیدہ نے سلیمان کی طرف اشارہ کیا، اغوا کرنا چاہی تو صمام نے انہیں بھی قتل کر دیا۔ ہمارے سردار نے اسے جنگل سے لکڑیاں کاٹنا بند کرا دیں اور پوری بستی کا سالار بنا دیا۔ اس نے دن رات محنت کر کے بستی کے جوانوں کو تربیت دی۔ اس دوران ہماری یہودیوں کے ساتھ ایک خوفناک جنگ ہوئی جس میں ہم نے صمام کی سرکردگی میں یہودیوں کو شکست فاش دی۔

مگر یہودی پھر جنگ کی تیاری میں لگ گئے۔ انہوں نے غسانیوں کو بھی دولت لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا اور ہمارے مقابلے میں لے آئے۔ صمام نے دن رات کی دوڑ کر کے اردگرد کے عربوں کو متحد کیا۔ مگر اس بار شاید ہماری تقدیر ہی ہار چکی تھی ہمیں شکست ہوئی۔ یہودیوں نے صمام کو زندہ گرفتار کر لیا اور عربوں کی بستیوں میں قتل عام اور لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ ہم دونوں کسی نہ کسی طرح وہاں سے جان بچا کر بھاگ نکلے ——"

عروہ بن مسعود کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے۔ گلوگیر آواز میں وہ بولا۔

"کاش تم لوگوں نے میرے قبیلہ میں خبر کی ہوتی تو میں انشاء اللہ ایک بھاری جمعیت کے ساتھ ضرور اس کی مدد کو پہنچتا۔ وہ میرا دوست ہی نہیں بھائی بھی تھا۔ کیا وہ اب تک زندہ ہے یا ——"

"جب ہم وہاں سے بھاگے تھے اس وقت تک تو وہ زندہ ہی تھا۔"

"اس کے ماں باپ اور بہن کا کیا ہوا؟"

"سب قتل کر دیئے گئے۔ اس کی بیوی کو ہم نے اپنے ساتھ لے جانا چاہا مگر وہ وفادار لڑکی اپنے شوہر کو قید میں چھوڑ کر ہمارے ساتھ بھاگنے پر رضامند نہ ہوئی۔"

"اس نے شادی بھی کی تھی؟"

"ہاں اس کی شادی ہمارے سردار کی لڑکی اور اس نوجوان کی بہن سے ہوئی تھی۔"

سلیمان بیچارہ قریب ہی کھڑا رو رہا تھا۔

عروہ کا سر جھک گیا۔

"خبر نہیں کس حال میں ہوگا بیچارہ۔ زندہ بھی ہے یا ——"

جنید نے بھی سر جھکا کر دکھ سے کہا۔

"ہم یہاں اس ارادے سے آئے تھے کہ اس لشکر سے مدد کی درخواست کریں گے۔ مگر خالدؓ بن ولید اپنے لشکر کے ساتھ اس قدر مصروف ہیں کہ ہمیں مدد کی درخواست کرتے ہوئے شرم محسوس ہونے لگی ہے۔"

عروہ چپ رہا اور کوئی جواب نہ دیا۔ جنید اور سلیمان بھی اس کے ساتھ خاموشی سے آگے بڑھنے لگے تھے۔

○

خالدؓ بن ولید اس قدر عجلت سے حج کر آئے کہ جس وقت ان کا لشکر حیرہ داخل ہو رہا تھا وہ بھی اپنے لشکر میں آملے اور کسی کو علم تک نہ ہوا کہ خالدؓ لشکر سے غائب ہو گئے تھے۔ مگر بعد میں جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس بات کا علم ہوا تو وہ خفا ہوئے اور خالدؓ کو عراق سے شام کی طرف جانے کا حکم دے دیا۔

خالدؓ بن ولید جب شام کی طرف کوچ کرنے لگے تو اپنا لشکر دو حصوں میں تقسیم کیا۔ آدھا اپنے لیے رکھا اور آدھا عراق کی مہم جاری رکھنے کی خاطر مثنیٰؓ بن حارثہ کی سرکردگی میں پیچھے چھوڑ دیا۔ انہوں نے سب صحابہ کرامؓ اور ان لوگوں کو جو کبھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وفد کی شکل میں حاضر ہوئے تھے اپنے ساتھ لے لیا اور مثنیٰؓ کے لیے چھوڑ دیا۔

جنید اور سلیمان بھی پیچھے چھوڑ دیئے گئے تھے۔ انہیں اس بات کا بے حد دکھ تھا کیونکہ خالدؓ بن ولید صحرائے حماد میں سے ہو کر شام کی طرف جا رہے تھے اور اس طرح انہیں الثقر کے پاس سے گزرنا تھا۔ لہٰذا ان کا خیال تھا کہ وہ خالدؓ سے یہودیوں کے خلاف مدد لینے کی درخواست کریں گے۔ وہ بے حد پریشان ہو گئے تھے مگر کچھ نہ کر سکتے تھے کیونکہ وہ کے آگے زبان کھولنا خلافِ قانون سمجھ رہے تھے۔

۱؎ طبری

آخر مثنیٰؓ بن حارثہ نے ان کی مشکل آسان کر دی۔ انہوں نے خالدؓ سے کہا کہ آپ صحابہؓ کو اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں۔ میں صحابہؓ کے بغیر کیسے فتح حاصل کروں گا۔ امیر المومنینؓ کے حکم کے مطابق لشکر تقسیم کریں۔ خالدؓ نے مثنیٰؓ کا اعتراض سن کر کچھ بد کرامؓ واپس کر دیئے اور ان کے بدلے دوسرے آدمی لے لیے۔ ان میں جنید اور سلیمان ان کے لشکر میں آگئے اور لشکر شام کی طرف کوچ کر گیا۔

خالدؓ جس وقت ایک جگہ حدود اربد میں داخل ہوئے تو وہاں کے لوگوں نے جانے کے لیے راستہ نہ دیا اور مقابلے پر آ آئے مگر شکست کھائی۔ یہاں سے نکل کر لامی لشکر فصیح پہنچا۔ یہاں بنی تغلب مقابلے میں آ کھڑے ہوئے۔ ایک سخت معرکہ ہوا صبح سے دوپہر تک لڑائی ہوتی رہی۔ ظہر کے بعد بنی تغلب مقابلے کی سکت نہ لاتے ئے بھاگ کھڑے ہوئے۔ کچھ کو مسلمانوں نے قید کر لیا۔ ان کے اسباب اور خیموں پر بھی ہ کر لیا گیا تھا۔ انہی قیدیوں میں صہبا بنت حبیب بن بجیر مادرِ عمر بن حضرت علیؓ بن طالب بھی شامل تھیں۔

یہاں سے دو سرے روز اسلامی لشکر قراقر کے مقام پر پہنچا اور شب خون مار کر ستہ صاف کر لیا۔ مثنیٰؓ بن حارث بھی یہاں تک خالدؓ بن ولید کے ساتھ آئے تھے۔ سے وہ واپس لوٹ گئے۔ لشکر نے یہاں ایک دن قیام کیا۔ یہاں سے خالدؓ بن ولید ی کو صحرا میں رہبری کرنے کے لیے ڈھونڈا مگر کوئی تیار نہ ہوا۔

آخر حضرت خالدؓ نے رافعؓ کو رہبری کے لیے بلایا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے قبول کر لیا مگر حضرت خالدؓ پر واضح کر دیا تھا کہ بخدا اس صحرا کو ایک آدمی بھی عبور نہیں کر سکتا آپ اتنے پڑے لشکر کے ساتھ کس طرح اسے عبور کریں گے۔ لگاتار پانچ دن تک ہلنے کی کوئی امید نہیں ہے۔

حضرت خالدؓ نے بڑی جرأت مندی سے کہا۔

"تمہارا کیا مطلب ہے۔ لیکن اپنا یہ سفر جاری رکھو۔ یاد رکھو میں مسلمانوں

۱؎ ابن خلدون ۲؎ ابن خلدون

کی مدد کے لیے جا رہا ہوں۔ کیا تم مجھے روکنا چاہتے ہو؟"

آخر انہوں نے حکم دیا کہ خوب پانی بھر لیا جائے۔ لشکر نے اپنے سب چھوٹے مشکیزے یہاں سے بھر لیے۔ اونٹوں کو کچھ دانہ دے کر خوب پانی بھی پلا دیا اور ان کے ساتھ کپڑے باندھ دیے تاکہ ان کے پاؤں پھٹنے نہ پائیں۔

جنید اور سلیمان پہلے ہی یہاں سے کوچ کر چکے تھے۔ وہ لشکر کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی اپنی بستی کے حالات معلوم کرنا چاہتے تھے تاکہ اصل حالات جاننے کے بعد چھاپے کی درخواست کر سکیں کیونکہ لشکر کو ان کی بستی سے ہی گزرنا تھا۔

جب وہ بستی میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ بستی خوب آباد ہے بارونق اور سجا ہوا ہے۔ سب لوگ ان کے لیے اجنبی تھے لہٰذا وہ سخت حیران ہوئے کہ ماجرا ہے۔

بازار سے نکل کر پہلے وہ صمام کے گھر میں آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ مکان خالی پڑا ہے اور کھجور کے نیچے کسی کی قبر بنی ہے۔ پھر سلیمان اپنے گھر گیا۔ وہ بھی خالی پڑا تھا۔ دونوں بے حد پریشان ہو رہے تھے۔

حیرت زدہ سے ہو کر وہ گلی میں آ کھڑے ہوئے۔ اتنے میں صمام کے گھر کے ساتھ والی بڑھیا باہر نکلی۔ دونوں اسے پہچان کر اس کی طرف بھاگے۔ اس نے دونوں کو پیار کیا اور روتے پوچھا۔

"تم کہاں چلے گئے تھے؟"

جنید نے جواب دیا۔

"ہم مسلمانوں سے مدد حاصل کرنے چلے گئے تھے خالہ! مگر یہ ہماری بستی کون آ کر آباد ہو گئے ہیں؟"

بڑھیا نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"سب عرب ہیں۔"

"کون انہیں یہاں لایا ہے؟"

"صمام ——— اپنا صمام بن ثعلب۔"

سلیمان چونک پڑا۔

صمام ——— کیا ابھی زندہ ہیں۔

وہ بوڑھی اور ناتواں عورت جنید اور سلیمان کو اپنے گھر لے گئی اور دونوں کو اپنے سامنے ایک چارپائی پر بٹھاتے ہوئے اس نے کہا۔

"صمام زندہ ہے اور میرا خیال ہے"

سلیمان نے بے چین ہو کر پوچھا۔

"پھر اب وہ کہاں ہے؟"

"سنو! سب کچھ بتاتی ہوں۔ جب یہودیوں نے اس کو گرفتار کر لیا تو اس کی موجودگی میں انہوں نے اسماء کی عزت لوٹنا چاہی مگر اس بیچاری نے خودکشی کر لی۔ صمام گھر میں کھجور کے نیچے جو قبر ہے اسی کی ہے۔"

سلیمان رو پڑا۔

بڑھیا کہتی رہی۔

"صمام کسی نہ کسی طرح یہودیوں کی قید سے بھاگ نکلا جس رات وہ بھاگا یہاں بھی آیا تھا اور مجھے بلا بھی تھا۔ یہاں سے وہ مرج راہط چلا گیا۔ وہاں چپکے سے ہی اس کے کچھ جاننے والے تھے۔ ان کی مدد سے اس نے عربوں کو یہودیوں سے مقابلہ کرنے اور ان سے انتقام لینے کی خاطر جمع کرنا شروع کر دیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے سینکڑوں عرب اس کے ساتھ مل گئے وہ ان کے ساتھ جبل ریان میں آ کر آباد ہو گیا اور وہاں سے اس نے یہودیوں کی بستیوں کو آہستہ آہستہ لوٹنا اور مارنا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے ساتھیوں میں بھی اضافہ ہوتا رہا اور اس کے حملوں میں تیزی آتی چلی گئی تھی۔

پھر مسلمانوں کے ایک سالار اسامہ بن زید نے جب شام پر لشکر کشی کی تو غسانی جن کے بل بوتے پر یہودیوں نے ہمیں برباد کیا تھا چلے گئے۔ اس کے بعد صمام کھل کر سامنے

آگیا اور آخر جرش والوں کو لوٹ کر ان کی بستی کو آگ لگا دی۔ اب اس صحرا میں کوئی بھی بستی نہیں رہی۔

"یہودیوں کی مکمل تباہی کے بعد اس نے اپنے سب ساتھیوں کو دو حصّوں میں تقسیم کیا اور ان کی شادیاں ان یہودی لڑکیوں سے کر دیں جو جنگ میں قید ہوئی تھیں۔ آدھے آدمی اس نے القطر میں آباد کر دیئے اور آدھے صدف میں۔"

بڑھیا خاموش ہو گئی اور بڑے تجسّس سے جنید اور سلیمان کی طرف دیکھنے لگی تھی سلیمان نے آنسو پونچھتے ہوئے پوچھا۔

"مگر اب وہ کہاں ہے؟"

"اس نے ایک لڑکی سے شادی کا وعدہ کیا تھا۔ وہ دمشق سے باہر کسی گاؤں میں رہتی تھی، وہ اسے لینے چلا گیا۔ جب کافی دنوں تک واپس نہ آیا تو مجھے تشویش ہوئی۔ آخر کچھ جوان یہاں سے اس کا پتہ کرنے گئے اور پتہ چلا کہ دمشق میں اسے کہیں جرش کا سردار شمعون نظر آ گیا تھا۔ صمام نے اسے قتل کر دیا۔ وہاں کے سپاہیوں نے اسے گرفتار کر لیا اور اب سنا ہے کہ وہ قید میں ہے۔"

سلیمان اُداس ہو گیا۔ اس کی گردن جھک گئی تھی اور وہ بُری طرح اپنے ہونٹ کاٹ رہا تھا۔

اس بار جنید نے پوچھا۔

"شمعون جنگ میں قتل نہ ہوا تھا؟"

"نہیں، وہ اور اس کا بیٹا بھاگ گئے تھے۔"

جنید نے وثوق سے کہا۔

"اگر وہ زندہ ہے تو ہم اسے ضرور قید سے نکالیں گے۔"

وہاں سے اٹھ کر ان دونوں نے اسماء کی قبر پر فاتحہ پڑھی اور صمام کے گھر میں دونوں قیام کر کے اپنے لشکر کا انتظار کرنے لگے تھے۔

○

چار دن کے لگاتار سفر کے بعد پانچویں روز لشکر علمین کے مقام پر پہنچا۔ یہاں رافعؓ لشکر سے پوچھا کہ کہیں عوسج کا درخت نظر آتا ہے۔ لشکریوں نے کہا ایسا درخت تو کہیں نظر نہیں آتا۔ اس پر رافع نے تاسف کیا اور بڑی مایوسی کی حالت میں اس نے رت خالدؓ بن ولید کو مخاطب کر کے کہا۔

"اِنَّ لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۝"

"بے شک آپ بھی ہلاک ہوئے اور مجھے بھی ہلاک کیا۔ میں نے کہا تھا یہ راستہ ت دشوار گزار ہے اور یہاں سے لشکر کا گزارنا ناممکن ہے۔"

تھوڑی دُور چل کر پھر اس نے کہا دیکھو کہیں عوسج کا درخت ہے۔ لشکر والوں وہ درخت دیکھ لیا اور دور ہی سے تکبیر بلند کی۔ سب کے حوصلے بلند ہو گئے۔ رافعؓ نے اس درخت کی جڑ کھودو۔ جب کوئی گز بھر گڑھا کھودا گیا تو پانی کا ایک چشمہ نکل آیا جس سارے لشکر نے سیر ہو کر پانی پیا۔

لشکر آگے بڑھا اور سوّا میں داخل ہوا۔ یہاں کے لوگوں نے اپنے سردار نعمان رائی کے ساتھ خوب شراب پی رکھی تھی۔ سب لوگ بہک رہے تھے۔ ایک مغنی سامنے عا بڑی سُریلی آواز میں گا رہا تھا۔

الا صبحانی قبل جیش ابوبکرؓ
لعلّ منایانا قریب دماندری
الا علّلانی با الزجاج وکرّرا
علی کمیت اللون صافیہ تجری

ابن خلدون ——— مگر طبری کے قول کے مطابق رافعؓ نے اہلِ لشکر سے کہا کہ دو پستان نما ٹیلے کی تلاش کرو۔ جب ٹیلا ملا تو وہاں کھڑے ہو کر اس نے کہا دائیں بائیں ایک جھاڑی تلاش کرو۔ جو آدمی کے سرین کے مانند ہے۔ لوگوں نے تلاش کیا۔ جھاڑی تو نہ ملی مگر اس کی جڑ مل گئی۔ جسے کھودا تو نیچے سے پانی نکل آیا اور رافعؓ نے حضرت خالدؓ سے کہا کہ تیس برس بعد میں یہ پانی دیکھ رہا ہوں۔ بچپن میں اپنے والد کے ساتھ میں یہاں سے گزرا تھا۔

اَلَا عَلیَّ لَا فِی مِن سلافۃ فھوۃ
تسلّی ھموحِ النفس مِن جید الخمر
اَخُوْ خیول المسلمین وَ خَالِدٌ
ستطرتکمُ قبل الصباح مِنَ البر
فَھَلْ تکمُ فی البر قبل تفا تکمُ
وقبل خروج المصرات مِنَ الخذر

ترجمہ: "دوستو! مجھے ابوبکرؓ کے لشکر کی آمد سے قبل ہی صبح کی شراب پلا دو۔ شاید ہماری موت قریب آگئی ہے۔ جس سے ہم بے خبر ہیں۔ تم مجھے بلور کے جام میں ارغوانی شراب پلا دو اور پھر پلا دو۔ ہاں ایسی نفیس شراب پلا دو جس سے سارے رنج و غم دُور ہو جائیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ صبح نہ ہونے پائے گی کہ مہتر کی طرف سے خالدؓ اور اس کی فوج تم پر چھاپہ مارے گی۔ لہٰذا اگر قتل و غارت سے پہلے اور کنواریوں کے بے پردہ ہونے سے قبل تم یہاں سے بھاگنا چاہتے ہو تو بھاگ جاؤ۔"

مُسلمانوں نے جب کہ یہ لوگ شراب میں دُھت پڑے تھے آگے بڑھ کر حملہ کر دیا۔ خالدؓ بن ولید کے لشکر کے ایک جوان ظفر بن[1] وہی نے گانے والے کی گردن آگے بڑھ کر اپنی تلوار سے اُڑا دی اور اس کا خون اس کی شراب میں مِل گیا۔

یہاں سے آگے نکل کر اسلامی لشکر قریاطین پہنچا۔ ایک سخت معرکہ ہُوا اور مسلمان فتح یاب ہوئے پھر وہ آگے بڑھے اور مرجِ راہط میں داخل ہوئے۔ یہاں پر سب غسانی مقابلے کے لیے آن کھڑے ہوئے۔ انہوں نے پوری طرح مُسلمانوں کا راستہ روکنے کی کوشش کی۔ مگر مُسلمان اس جوش اور جذبے سے حملہ آور ہوئے کہ انہیں پارہ پارہ کر کے رکھ دیا

---

[1] طبری ——— مگر ابن خلدون کے مطابق وہ اور ان کا سردار نعمان حیرانی دونوں گرفتار کر لیے گئے۔

بپھرے ہوئے طوفان کی مانند وہ راستے میں ہر چیز کو خس و خاشاک کی مانند بہاتے ہوئے بڑھتے چلے گئے تھے۔

اب بڑی تیزی سے سفر جاری تھا۔ خالدؓ کا اس راستے آنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ کی پُشت سے حملہ آور ہونا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر وہ سامنے سے آتے تو رومی ان کا راستہ روک کر کھڑی ہو جاتی اور اس طرح وہ آگے بڑھ کر اپنے دوسرے جرنیل عمروؓ العاص کی مدد نہ کر سکتے جو اس وقت فلسطین کے ایک نشیبی علاقے میں رومی سپاہ کے سامنے کھڑے تھے اور جنہیں اس وقت حضرت خالدؓ جیسے بہادر، زیرک اور دانش مند جرنیل کی سخت ضرورت تھی۔

مرجِ راہط سے نکل کر حضرت خالدؓ بصرہ پہنچے، وہاں ابو عبیدہؓ بن جراح، شرحبیلؓ سفیان اور یزیدؓ بن ابی سفیان کے ساتھ مِل کر بصرہ کا محاصرہ کر لیا۔ جب محاصرہ سے کچھ پکڑا اور ذرا سخت ہُوا تو بصرہ والوں نے مجبوراً جزیہ پر صلح کر لی۔ ارضِ شام کا یہ پہلا شہر تھا جو مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہُوا۔

اب یہ تینوں اسلام کے نامور جرنیل عمروؓ بن العاص کی امداد کے لیے فلسطین کی طرف روانہ ہوئے جو اس وقت فلسطین کے ایک نشیبی علاقے عربات میں مقیم تھے۔ رومیوں کو جب مسلمانوں کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ طبلق چھوڑ کر اجنادین پہنچے۔ ان کا سپہ سالار قُل کا بھائی تذارق تھا۔

اجنادین فلسطین میں رملہ اور بیت بحرین کے درمیان واقع ہے۔ عمرو بن العاصؓ کو جب دوسرے ساتھیوں کے آنے کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے وہاں سے کوچ کیا اور خالدؓ بن ولید، ابوعبیدہؓ بن جراح، شرجیلؓ بن حسنہ اور یزیدؓ بن ابی سفیان کے ساتھ آشامل ہوئے اور سب اکٹھے ہو کر اجنادین کے مقام پر آئے اور وہاں اپنے متحدہ لشکر کے ساتھ پڑاؤ ڈال دیا۔

عروہ بن زبیر کی روایت کے مطابق رومیوں کا سپہ سالار ان میں سے ایک شخص قبقلان تھا۔ ہرقل قسطنطنیہ جاتے وقت اس کو شام کے امراء پر اپنا نائب مقرر کر گیا تھا اور ہرقل کا بھائی تذارق اپنے لشکر سمیت اس سے آکر مل گیا تھا۔ [1]

مگر علمائے شام کا دعویٰ ہے کہ رومیوں کا سپہ سالار قبقلان نہیں بلکہ ہرقل کا بھائی تذارق تھا (واللہ اعلم)، بہرحال عام خیال یہی ہے کہ رومی سپاہ کا سپہ سالار قبقلان ہی تھا۔

جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو رومی لشکر کے سپہ سالار قبقلان نے ایک عرب کو اپنے پاس بلایا۔ اس کا نام ابن ہزارف تھا اور اس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ قبیلہ قضاد کے تنزید بن حبدان کے خاندان سے تھا۔

"قبقلان نے اس عرب سے کہا کہ تم مسلمانوں کے لشکر میں ایک دن اور ایک رات ٹھہرو۔ اس کے بعد واپس آکر مجھے ان کے مکمل حالات سے آگاہ کرو۔ ابن ہزارف اسلامی لشکر میں داخل ہوا۔ اس کا لباس چونکہ عربوں جیسا تھا لہٰذا کوئی بھی اس پر شک نہ کر سکا۔ جب وہ واپس رومی لشکر میں آیا تو قبقلان نے اس سے مسلمانوں کے حالات

---

[1] تاریخ طبری

تفصیل سے پوچھے۔ اس نے جواب دیا کہ مسلمان رات کے وقت راہب اور دن کے وقت سالار ہیں۔ ان کے انصاف کا یہ عالم ہے کہ اگر ان کے بادشاہ کا بیٹا بھی چوری کرے تو اس کے بھی ہاتھ کاٹ ڈالتے ہیں اور اگر زنا کا مرتکب ہو تو وہ اس کو بھی سنگسار کرتے ہیں۔

قبقلان نے کہا اگر جو کچھ تم نے کہا ہے یہ سچ ہے تو میں سطح زمین پر ان مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے بجائے بہتر سمجھتا ہوں کہ زمین کے اندر سما جاؤں۔ اے کاش خدا مجھ پر ترس کر دے کہ مجھے ان مسلمانوں سے چھٹکارا دلا دے۔ نہ میں ان پر فتح پاؤں اور نہ ہی مجھ پر فتح حاصل کر سکیں۔

۷ جمادی الاول ۱۳ھ میں اجنادین کے مقام پر رومیوں اور مسلمانوں میں ایک خوفناک جنگ شروع ہوئی۔ دونوں طرف سے لوگ ایک دوسرے پر جھپٹ پڑے۔ اور قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔ انسانی اعضاء کٹ کٹ کر زمین پر ڈھیر ہونے لگے اور ہر سو خون ہی خون دکھائی دینے لگا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمان صدیوں پرانی ایک سلطنت کی قوت سے ٹکرا رہے تھے۔ پہلے ہی حملہ میں دشمن کو یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے مسلمانوں نے دشمن کے نیچے سے زمین کو پکڑ کر کسی چٹائی کی طرح لپیٹنا شروع کر دیا ہو۔

مسلمان حیات و موت سے بے نیاز ہو کر اپنے رب کی راہ میں عزم و رجا کی نئی داستانوں کا اضافہ کر رہے تھے۔ جنگ شروع میں ہی ایسی خوفناک شکل اختیار کر گئی تھی کہ رومی سپہ سالار پریشان ہو گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میری آنکھوں پر پٹی باندھ دو۔ انہوں نے پریشان ہو کر اس سے پوچھا وہ کیوں تو اس نے جواب دیا۔ کہ آج کا دن بڑا منحوس ہے۔ میں اس کو دیکھنا نہیں چاہتا۔ میں نے دنیا میں آج تک ایسا سخت رن نہیں دیکھا۔

عیسائیوں نے اپنے سالار کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی ——— مسلمان ایسے بے دھڑک اور بلا جھجک ہو کر لڑے کہ رومیوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں شکست فاش ہوئی اور جب ان کا سپہ سالار قتل ہوا تو اس کا سر کپڑے میں لپٹا ہوا تھا۔

صہام اور اس کے ساتھی قیدیوں کو دمشق سے نکال کر مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے اجنادین میں لایا گیا تھا۔ سب قیدی بددل ہو گئے تھے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ مسلمانوں کے سامنے لاکر انہیں اعلانیہ موت کے پنجوں میں پھینکا جا رہا ہے۔ مگر جب رومی سپاہ میں شکست کے آثار پیدا ہوئے تو جو قیدی اب تک بچ رہے تھے وہ بچارے چھپ چھپا کر انطاکیہ کی طرف بھاگ گئے۔ صہام بھی ان میں شامل تھا۔

اجنادین سے نکل کر اس نے رابطہ کو اس کے کلیسا سے ساتھ لینا چاہا تھا کہ مسلمانوں نے بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر دمشق کا بھی محاصرہ کر لیا تھا۔ لہٰذا وہ مایوس ہو کر اکیلا ہی انطاکیہ کی طرف بھاگ گیا کیونکہ اسے خطرہ بھی تھا کہیں پھر سے گرفتار نہ کر لیا جائے۔

دمشق کا محاصرہ گو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں شروع ہوا تھا مگر فتح حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں آکر ہوئی تھی۔ خالدؓ بن ولید نے بڑے اہتمام اور دانش مندی کے ساتھ دمشق کا محاصرہ کیا تھا۔ باب توما پر عمروؓ بن العاص، باب الفرادیس پر شرحبیلؓ بن حسنہ، باب الجابیہ پر ابو عبیدہؓ بن جراح اور خود خالدؓ بن ولید باب الشرق پر جم گئے تھے۔ یزیدؓ بن ابی سفیان باب صغیر سے باب کیسان تک کے سارے علاقے کو گھیرے ہوئے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شروع شروع میں فتح شام کے لیے یہی جرنیل مقرر کیے تھے۔ ہرقل نے بھی ان جرنیلوں سے مقابلہ کرنے کے لیے اپنے علیحدہ علیحدہ جرنیلوں کو بھیجا تھا۔

عمروؓ بن العاص کے مقابلے میں اس نے اپنے بھائی شقیقہ تذارق کو توے ہزار فوج کے ساتھ فلسطین کی طرف روانہ کیا تھا۔ جرجہ بن فوزو کو چالیس ہزار سپاہ کے ساتھ یزیدؓ بن ابوسفیان کے مقابلے میں بلقاء کی طرف بھیجا۔ وراقص کو پچاس ہزار جوانوں کے ساتھ شرحبیلؓ بن حسنہ کا مقابلہ کرنے کے لیے اُردن کی طرف روانہ کیا اور قبقلان بن نسطورس کو ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ ابوعبیدہؓ بن جراح سے نبٹنے کی خاطر جابیہ

روانہ کیا۔ مگر ہرقل کے یہ جرنیل کبھی بھی مسلمان جرنیلوں کے سامنے زیادہ دیر تک نہ ٹک سکے۔

محاصرہ کی سختی دیکھ کر دمشق کے عیسائی حوصلہ ہارتے جا رہے تھے اور پھر جب ان کے جاسوس ان کو جا کر یہ خبریں دیتے کہ اسلامی سپاہ میں ایک عجیب جوش اور نشہ طاری ہے۔ ان میں ثابت قدمی اور استقلال پایا جاتا ہے تو وہ اور زیادہ ہمت ہار بیٹھتے۔

تاہم ان کو ابھی تک امید تھی کہ ہرقل جو اس وقت حمص میں تھا ضرور ان کی مدد کو پہنچے گا۔ اسی اثنا میں حضرت ابوبکرؓ صدیق انتقال فرما گئے اور ان کی جگہ حضرت عمر فاروق اعظمؓ مسند آرائے خلافت ہوئے۔

عیسائی ایک اور امید پر بھی جمے ہوئے تھے کہ یہاں کی سردی عربوں کے لیے برداشت ہو گی اس لیے وہ جلد ہی لوٹ جائیں گے لیکن ان کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں۔ مسلمانوں کی سرگرمیاں سردیوں میں بھی کم نہ ہوئیں۔ اس کے علاوہ حضرت خالدؓ ولید نے ایک امیر ذوالکلاع کو کچھ فوج دے کر دمشق سے ایک منزل آگے کی طرف متعین کیا۔ چنانچہ جب ہرقل نے دمشق والوں کی مدد کے لیے فوجیں بھیجیں تو ذوالکلاع نے روک کر اس لشکر کو تہ تیغ کر دیا تھا۔

ایک روز شام کے وقت محافظوں کو غافل پا کر حضرت خالدؓ[1] کے ذریعے شہر

طبری نے ان واقعات کو بڑے اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے تاہم ابن خلدون کے مطابق۔ خالدؓ فصیل سے باہر گرجا کی سیڑھیوں اُترے۔ اس کا حاکم (مذہبی پیشوا) ایک روز دمشق کی فصیل پر چڑھا اور خالدؓ کو بلایا۔ تھوڑی دیر بات کرنے کے بعد اس اسقف (مذہبی پیشوا) نے کہا اگر تم مجھ سے مصالحت کر لو اور ایک معاہدہ لکھ دو کہ ہمارے گرجا اور جان و مال محفوظ رہیں گے تو ہم تم کو یہ شہر تمہارے حوالے کر دیں گا اور ایسی تدبیر بتاؤں گا جس سے تم بڑی آسانی کے ساتھ شہر پر قابض ہو جاؤ گے۔ حضرت خالدؓ نے قلم دوات منگایا اور یہ معاہدہ لکھ دیا۔ بسم اللہ الرحمن

---

[1] الفاروق۔ شبلی نعمانی

پناہ پر چڑھ گئے اور رسیاں نیچے لٹکا دیں جن سے ان کے دو سردار اوپر چڑھ گئے۔ اتنے میں محافظ بھی جاگ اٹھے۔ یہ تینوں امیر محافظوں سے مقابلہ کرتے ہوئے نیچے اترے۔ شہر میں ہڑبڑ مچ گئی۔ چاروں طرف لڑائی شروع ہو گئی۔ ہر کس و ناکس حضرت خالدؓ اور ان کے ساتھیوں پر حملہ آور ہو رہا تھا۔ یہ تینوں بزرگ جوابی حملے کرتے اور ساتھ ساتھ اپنی راہ تعمیر کرتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھتے چلے گئے تھے۔

حضرت خالدؓ نے آگے بڑھ کر ایک بھرپور وار سے دروازے کے دو دربانوں کو قتل کر دیا۔ قیقاع نے دائیں ہاتھ سے اپنے مقابل کو مار کر بائیں ہاتھ سے دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی مسلمانوں نے ایسی تکبیر بلند کی کہ آسمان تک گونج اٹھا۔ مسلمان ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۷) الرحیم۔ ھذا ما اعطی خالد بن الولید اھل دمشق اذا دخلھا۔ اعطاھم امانا علی انفسھم و اموالھم و کنائسھم و سورھا لا یکن علیھم بیت من بیوتھم و لا یجد شیئ من ورھم لھم ذالک عھد اللہ و ذمۃ رسولہ و صلعم والخلفا والمومنین لقرین فھم الا بخیر اذا اعطوا الجزیۃ۔

معاہدے کے بعد استف چلا گیا۔ ایک روز اس نے اپنا آدمی بھیجا کہ آج دمشق والوں کی عید ہے۔ سب نے شراب پی رکھی ہے اور خوب مدہوش ہیں۔ اس کے علاوہ شرقی دروازہ سنگ باری سے کمزور بھی ہو چکا ہے۔ ساتھ ہی اس نے سیڑھیاں دیں جو اہل کلیسا میں سے کسی نے دیوار سے لاکر کھڑی کر دیں اور حضرت خالدؓ بن ولید چند ساتھیوں کے ساتھ شہر پناہ پر چڑھ گئے ——— فتوح البلدان کے مطابق اس سقف نے دروازہ کھول دیا تھا اور حضرت خالدؓ شہر میں داخل ہوئے جب کہ دوسری طرف ابو عبیدہؓ بزور شمشیر شہر میں داخل ہوئے تھے (واللہ اعلم)

بلاذری بھی ان واقعات کو تفصیل سے لکھتا ہے۔ اس کے مطابق حضرت خالدؓ کو جس کی خبر ایک عیسائی نے دی تھی اور سیڑھیاں بھی اس نے مہیا کی تھیں۔

تاریخ ابن خلدون

کی طرح شہر میں داخل ہوئے۔ اہل دمشق کے سرداروں نے اس فوری حملے سے گھبرا دوسری طرف جا کر ابو عبیدہؓ بن جراح سے صلح کر لی۔ چنانچہ دونوں لشکر اپنی اپنی سمت شہر میں داخل ہوئے اور دونوں لشکر غلاظ جو ٹھیروں کا بازار تھا وہاں آکر مل گئے۔ طرح دمشق مسلمانوں کے سامنے سرنگوں ہو گیا۔

ابو عبیدہؓ بن جراح نے دمشق میں یزیدؓ بن ابی سفیان کو امیر مقرر کیا اور خود مقام مخل کی طرف آگے بڑھ گئے۔

○

جنید، عروہ بن مسعود اور سلیمان نے صمام کی تلاش میں سارا شہر چھان مارا۔ ایک سرائے میں وہ گئے کہ شاید کہیں وہ ٹھہرا ہوا ہو۔ وہ یہ چلتے لوگوں کے گھوڑے دیکھے کہ شاید صمام کا گھوڑا ہی کہیں نظر آجائے مگر انہیں کوئی کامیابی نہ تھی۔

ناچار ایک روز وہ جیل کے داروغہ کے ہاں گئے۔ وہ انہیں اپنے ہاں موتے دیکھ کر کانپ گیا۔ اس کا اندیشہ تھا کہ شاید یہ تینوں مسلمان مجھے قتل کر دیں گے۔ مگر جنید آگے بڑھا اور بڑی نرمی سے اس کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تم ہی یہاں کی جیل کے داروغہ ہو؟"

اس نے جواب میں پھٹی پھٹی نگاہوں سے تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے لہ دی۔

جنید نے پھر پوچھا۔

"کیا تمہارے ہاں قیدیوں میں کوئی صمام بن ثعلب بھی تھا؟"

داروغہ نے ایک لمحہ تردد کیا پھر کہا ——— "ہاں تھا"

جنید کی آنکھیں چمک اٹھیں ——— "اب وہ کہاں ہے؟"

تاریخ ابن خلدون

"یہاں سے سب قیدیوں کو نکال کر اجنادین کی جنگ میں حصّہ لینے کے لیے بھیج
تھا - اس کے بعد مجھے علم نہیں کہ ان قیدیوں پر کیا گزری"
سلیمان یک لخت غم گین ہو گیا -
جنید نے بھی اُداسی سے پوچھا -
"تمہیں کچھ خبر ہو کون کون قیدی اس جنگ میں کام آئے ہیں - کیا تم اس
متعلق ہماری کوئی راہنمائی کر سکو گے"
داروغہ بڑی بے بسی سے بولا -
"مجھے کچھ خبر نہیں تاہم اتنا پتہ ہے کہ کچھ قیدی وہاں سے فرار ہو کر انطاکیہ یا
ہیں - شاید صمام بن ثعلب جس کا تم نے ذکر کیا ہے ان قیدیوں میں شامل ہو"
تینوں سر جھکائے وہاں سے نکل آئے - سلیمان زیادہ ہی غم گین دکھائی دے
تھا - جنید نے اس کی ہمت بڑھائی -
"تم غم نہ کرو سلیمان مجھے اُمید ہے صمام ضرور ہمیں مل جائے گا"
عروہ نے بھی تسلی دی -
"میں اسے بچپن سے اچھی طرح جانتا ہوں - اس نے جب دیکھا ہو گا کہ رومی
کو شکست ہو رہی ہے تو وہ ضرور انطاکیہ کی طرف بھاگ گیا ہو گا - ہم اسے تلاش کرتے
بھی چلے جائیں گے"
سلیمان کچھ کچھ سنبھل گیا تھا - تینوں داروغہ کے ہاں سے نکل کر بازار میں آئے اور
ایک طرف تیز تیز قدم اٹھائے اس طرف بڑھنے لگے تھے جہاں ان کا لشکر خیمہ زن ہو چکا تھا

دمشق فتح ہو جانے کے بعد رومیوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت اور غصّے
کی ایک عام لہر پھیل گئی تھی - اب رومی چاروں طرف سے ٹڈیوں کی طرح مسلمانوں
مقابلے کے لیے جمع ہونے لگے تھے - دمشق کی فتح کے بعد مسلمانوں کا رخ چونکہ اردن کی
طرف تھا - لہٰذا اُنہوں نے اردن کے ایک علاقے بیسان کے پاس آ کر قیام کرنا شروع کر
دیا تھا -
ہرقل نے جو فوجیں دمشق والوں کی امداد کے لیے بھیجی تھیں اور وہ وہاں وقت
نہ پہنچ سکی تھیں وہ بھی اس جگہ آ کر اپنے ساتھیوں سے مل گئیں - اس طرح مقام بیسان
چالیس ہزار کا رومی لشکر جمع ہو گیا اور اس کا سپہ سالار میکلدر نام کا ایک رومی تھا -
مسلمان بھی اس کے مقابلہ کو نکلے اور عین ان کے سامنے مخمل نام کی ایک جگہ
پڑاؤ ڈالا - رومیوں نے اس خوف سے کہ کہیں مسلمان اچانک اُٹھ کر حملہ نہ کر دیں یا شب خون
نہ ماریں، آس پاس کی سب نہروں کے بند توڑ دیئے اور اس طرح دونوں لشکر کے درمیان
ان سے لے کر مخمل تک پانی ہی پانی ہو گیا تھا -
گو کیچڑ اور پانی سے سب راستے رُک گئے تھے - مگر اسلام کا یہ سیلاب کب
رُک سکتا تھا - یہ ایک سنہری غول تھا - جس نے ہر چیز کو اندھیرے سے نکال کر سنہری روشنی
میں لا کھڑا کیا تھا - مسلمانوں کا بڑھتا ہوا طوفان دیکھ کر رومی صلح پر آمادہ ہوئے اور ابو عبیدہؓ
جراح کے پاس پیغام بھیجا کہ کسی کو سفیر بنا کر بھیجیں تاکہ صلح کی بات آگے بڑھ سکے -
ابو عبیدہؓ بن جراح نے معاذؓ بن جبل کو اس کام کے لیے مقرر کیا - یہ ایک بزرگ
صحابی تھے اور ان کے زہد و تقدّس کا چرچا عیسائیوں میں بھی عام تھا - معاذؓ جب رومیوں

کے لشکر میں داخل ہوئے تو دیکھا خیمے میں ریشمی فرش بچھا ہوا ہے۔ آپ خیمے کے باہر رُک گئے۔ عیسائی حقیقتاً ان کی عزت کرنا چاہتے تھے اور ان کا اس طرح باہر کھڑا ان کے لیے تکلیف دہ تھا۔ انہوں نے معاذؓ کو اندر جانے کو کہا۔ مگر آپ نے جواب

"میں اس فرش پر نہیں بیٹھنا چاہتا ——— جو غریبوں کا حق چھین بنایا گیا ہو۔"

آپ وہیں زمین پر بیٹھ گئے۔ رومیوں نے تاسف کرتے ہوئے کہا کہ ہم آپ کی عزت کرنا چاہتے ہیں اور آپ کو اپنی عزت کا خیال ہی نہیں۔"

معاذؓ کو غصہ آگیا۔ گھٹنوں کے بل کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"جسے تم عزت سمجھتے ہو میں اس کی ہرگز پرواہ نہیں کرتا۔ زمین پر بیٹھنا غلاموں کا شیوہ ہے تو مجھ سے بڑھ کر کون خدا کا غلام ہو سکتا ہے"

رومی معاذؓ کی ان باتوں سے سخت حیرت زدہ ہو رہے تھے۔ آخر ان میں سے ایک شخص نے پوچھا۔

"کیا مسلمانوں میں آپ سے بھی کوئی بڑھ کر ہے؟"

معاذؓ نے بڑی عاجزی سے کہا۔

"معاذ اللہ میرے لیے یہی بہت ہے کہ میں سب سے بدتر ہوں۔"

اس جواب پر رومی خاموش ہو گئے۔

معاذؓ نے مترجم کو مخاطب کرتے ہوئے پھر کہا۔

"ان سے کہو مجھ سے اگر انہوں نے کوئی بات کرنی ہے تو ٹھیک ورنہ میں واپس جاؤں۔"

رومیوں نے پھر کہا۔

"ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ تم ہمارے ملک پر کیونکر حملہ آور ہو گئے ہو جب کہ ابی سینیا کا ملک تم سے قریب ہے۔ ایران کا بادشاہ مر چکا ہے اور سلطنت ایک عورت نے سنبھال رکھی ہے۔ ایسی صورت حال میں تم بآسانی اس کی سلطنت پر قبضہ کر سکتے ہو۔

تم نے ہم پر کیوں دھاوا بول دیا جب کہ تمہیں خبر تھی کہ ہرقل سب سے بڑا بادشاہ اور ہمارا لشکر تعداد میں آسمان کے ستاروں اور زمین کے ذروں کے برابر ہے۔

معاذؓ نے اس بار انہیں تنبیہ و سرزنش کرتے ہوئے کہا۔

سب سے پہلے ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ نماز پڑھو، شراب نہ پیو اور سؤر کا گوشت نہ کھاؤ۔ اگر تم ایسا کرو تو ہمارے بھائی ہو۔ اگر اسلام نہ لاؤ تو پھر ہمیں جزیہ دو۔ اگر اس سے بھی انکار ہے تو پھر تلوار فیصلہ کرے گی۔ اگر تم تعداد میں آسمان کے ستاروں کی طرح ہو تو ہم کثرت و قلت کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ ہمارے خدا نے کہا کہ

"كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ كَثِيرَةً"

دلوں کو اس بات پر فخر ہے کہ اس بادشاہ کی رعایا ہو جسے تمہاری جان و مال کا اختیار ہے۔ ہم نے جس کو اپنا بادشاہ بنا رکھا ہے وہ کسی بات میں بھی اپنے آپ کو ترجیح نہیں دیتا۔ وہ زنا کرے تو اسے درّے لگائے جائیں۔ اگر چوری کرے تو اس کے بھی ہاتھ کاٹ جائیں۔ وہ پردے میں نہیں بیٹھتا۔ اپنے آپ کو ہم سے بڑا نہیں سمجھتا اور نہ ہی دولت کے لحاظ سے اسے ہم پر ترجیح حاصل ہے۔"

رومیوں نے پھر کہا۔

"ہم تم کو بلقاء کا ضلع اور اردن کا وہ حصہ جو تمہاری سرزمین سے متصل ہے دیتے ہیں اور اس کے بدلے تم یہ ملک چھوڑ کر فارس چلے جاؤ۔"

معاذؓ نے انکار کیا اور آگے کر چلے آئے۔

اب رومیوں نے براہِ راست ابو عبیدہؓ بن جراح سے بات چیت کرنا چاہی تو انہوں نے اس غرض سے ایک قاصد روانہ کیا۔ جس وقت وہ لشکرِ اسلام میں پہنچا، ابو عبیدہؓ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے اور ہاتھ میں پکڑے ہوئے تیروں کو اُلٹ پلٹ کر دیکھ رہے تھے۔ قاصد کا خیال تھا کہ یہ سالار کوئی بڑا جاہ و حشم کا مالک ہو گا۔ اس لیے وہ اسے پہچان لے گا۔ مگر جب پورے لشکر میں اسے کوئی ایسا آدمی نظر نہ آیا تو ناچار اس نے عرب سے پوچھا۔

"تمہارا سردار کون ہے؟"

لوگوں نے ابو عبیدہؓ کی طرف اشارہ کیا۔

وہ گھبرا گیا اور حیرت سے ابو عبیدہؓ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا یہ حقیقت ہے کہ تم ہی اس لشکر کے سردار ہو؟"

ابو عبیدہؓ نے کہا۔ "ہاں میں ہی اس لشکر کا سالار ہوں۔"

قاصد نے پھر کہا۔

"ہم تمہارے لشکر کو فی کس دو اشرفیاں دیں گے تم یہاں سے چلے جاؤ"

ابو عبیدہؓ نے انکار کر دیا۔

قاصد برہم ہو کر اٹھا اور چلا گیا۔

ابو عبیدہؓ نے فوج کو تیاری کا حکم دیا اور تمام حالات فاروق اعظمؓ[1] کو لکھ کر حضرت عمرؓ نے جواب میں حوصلہ دلایا اور ثابت قدم رہنے کی تلقین کی اور کہا خدا تمہارا مددگار رہے گا۔

اس روز رومی مقابلے کے لیے نہ آئے۔ دوسرے روز خالدؓ سواروں کے ساتھ میدان میں اترے۔ رومیوں نے ان کے لیے اپنے تین دستے روانہ کیے۔ ہر دستہ اپنے گھوڑے سرپٹ دوڑاتا ہوا آگے بڑھا۔ خالدؓ نے اس کے لیے قیسؓ بن مقرر کیا۔ دوسرے دستے کے لیے میسرہؓ بن مسروق مقرر ہوئے۔ تیسرا لشکر بڑے ساز سے نکلا۔ ایک مشہور سردار اس کا سپہ سالار تھا اور بڑی دانش مندی سے فوج کو آگے آرہا تھا۔ قریب آکر اس نے ایک افسر کو فوج دے کر خالدؓ سے مقابلہ کرنے کو بھیجا۔ نے یہ حملہ بڑی ثابت قدمی سے روکا۔ آخر اس سپہ سالار نے خود حملہ کیا اور پہلے دونوں بھی اس سے آکر مل گئے۔ دیر تک جنگ ہوتی رہی۔ رومیوں نے جب مسلمانوں کی ثابت

---

[1] فتوح الشام ازدی میں ہے کہ یہ خط ایک شامی لے کر گیا تھا اور حضرت عمرؓ کی تبلیغ سے مسلمان ہو گیا تھا۔

ہوات دیکھی تو لڑنا بے سود سمجھا اور واپس لوٹنے لگے۔ خالدؓ نے اپنے سپاہیوں کو پکارا کہا۔

مجاہدو! رومی اپنا پورا زور صرف کر چکے ہیں۔ اب ہماری باری ہے۔ اس کے مسلمان آگے بڑھے اور انہیں کاٹنا شروع کر دیا۔ رومی اپنے لشکر میں بھاگ گئے۔

عیسائی مدد کے انتظار میں لڑائی ٹالتے جا رہے تھے۔ خالدؓ ان کی یہ چال سمجھ گئے نے فوراً اپنے جرنیلوں سے مشورہ کیا اور ابو عبیدہؓ سے کہا کہ رومی ہم سے مرعوب ہو ہیں۔ یہ ان پر حملہ کرنے کا بہترین موقع ہے۔ چنانچہ اسی وقت نقیب لشکر میں گھوم کر اعلان کرنے لگے کہ کل حملہ کیا جائے گا۔"

رات کے پچھلے پہر ابو عبیدہؓ بستر سے اٹھے اور اپنے لشکر کو ترتیب دینا شروع میمنہ پر معاذؓ بن جبل مقرر ہوئے میسرہ پر ہاشمؓ بن عتبہ اور پیدل فوج پر سعیدؓ بن مقرر کیے گئے۔ سواروں کا رسالہ خالدؓ بن ولید کے تحت تھا۔

جب اسلامی لشکر جنگ کے لیے پوری طرح تیار ہو چکا تو ابو عبیدہؓ نے لشکر اس سرے سے اس سرے تک ایک چکر لگایا وہ ایک ایک علم کے پاس جا کر کھڑے نے تھے اور کہتے تھے۔

"عِبَادَ اللّٰہِ اِسْتَرْحِبُوْا مِنَ اللّٰہِ النَّصْرَ بِالصَّبْرِ

"خدا سے مدد چاہتے ہو، ثابت قدم رہو کیونکہ خدا

فَاِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ"

ثابت قدموں کے ساتھ رہتا ہے۔"

پچاس ہزار رومی لشکر نے پانچ صفیں ترتیب دیں جن کی ترتیب کچھ اس طرح پہلی صف میں ہر ہر سوار کے دائیں بائیں دو دو قدر انداز، میمنہ اور میسرہ پر سواروں لے۔ پیچھے پیادہ فوجیں تھیں۔ اس طرح وہ نقارے اور دف بجاتے ہوئے مسلمانوں بڑھے تھے۔

حضرت خالدؓ بن ولید چونکہ ہراول میں تھے۔ لہذا سب سے پہلے رومی انہیں

سے آ کر ٹکرائے - رومیوں نے اس تیزی سے تیروں کی بارش کی کہ نہ صرف مسلمانوں کو
ہٹنا پڑا بلکہ حضرت خالدؓ ادھر سے پہلو لے کر ان کے میمنہ کی طرف جھکے کیونکہ اس میں
سوار تھے - رومیوں کے حوصلے اس قدر بلند ہو گئے تھے کہ ان کے میمنہ کا رسالہ اپنے
سے علیحدہ ہو کر حضرت خالدؓ کے رسالے پر حملہ آور ہو گیا -

خالدؓ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے چلے گئے اور جب انہوں نے دیکھا کہ
کا رسالہ ان کے لشکر سے کافی دور نکل آیا ہے تو ایک دم وہ پھر گئے - جھپٹے اور رومی
کو گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا - ان کے رسالے کا ایک ایک سپاہی شاہین
تھا - وہ پینترے بدل بدل کر کچھ اس طرح زور کرتے ہوئے حملہ آور ہوتے تھے کہ
کی صفیں اُلٹ کر رکھ دیتے تھے - اس جھپٹ میں خالدؓ کے ہاتھوں رومیوں کے
بڑے بڑے افسر مارے گئے -

دوسری طرف قیسؓ بن ہبیرہ نے رومیوں کے میسرہ پر ایک بھرپور حملہ کر
کے دوسرے بازو کو بھی ناکارہ بنا کر رکھ دیا تھا -

ہاں قلب کی فوج ابھی تک رومیوں کے تیر اندازوں کی وجہ سے محفوظ تھی
میں ہاشمؓ بن عتبہ نے جو اسلامی لشکر کے میسرہ کے سردار تھے علم ہلا ہلا کر زور سے چلا
" خدا کی قسم جب تک اس کو قلب میں پہنچ کر نہ گاڑ دوں پھر کر واپس
آؤں گا "

یہ کہہ کر وہ گھوڑے سے کود پڑے اور ڈھال اور تلوار سنبھالتے ہوئے آگے
اور رومی سپاہیوں کے اعضاء کاٹ کاٹ کر گرانے شروع کر دیئے اس کے بعد دونوں
لشکروں میں ایک گھنٹہ تک گھمسان کی جنگ ہوئی -

لڑائی کا پورا میدان خون سے سُرخ ہو گیا تھا - جگہ جگہ لاشوں کے تودے
ہو گئے - آخر رومی لشکر مسلمانوں کے حملوں کی تیزی اور برق رفتاری سے بد
ہو کر بھاگ اُٹھا -

ابو عبیدہؓ نے فاروقِ اعظمؓ کو خط لکھ کر پوچھا کہ مفتوحین کے سا

عمل کرنا چاہیئے[1] حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ رعایا ذمی قرار دی جائے اور زمین بدستور
مالداروں کے قبضے میں چھوڑ دی جائے -

○

دمشق اور اردن کے بعد تین بڑے شہر رہ گئے تھے جن کے فتح ہو جانے سے پورا شام
مسلمانوں کے قبضے میں آ سکتا تھا - ان میں ایک بیت المقدس، دوسرا حمص اور تیسرا انطاکیہ
تھا جہاں ہرقل بذاتِ خود مقیم تھا -

حمص ان سب سے زیادہ قریب پڑتا تھا - لہٰذا مسلمان اسی شہر کی طرف بڑھے -
مکہ بزی میں اس شہر کو امیسا کہتے ہیں اور اُس زمانے میں اس شہر کی شہرت دُور دُور تک
پھیلی ہوئی تھی - یہاں آفتاب کے نام پر ایک بہت بڑا ہیکل تھا جس کی زیارت کے لیے
لوگ دُور دُور سے سفر کر کے آتے تھے اور اس ہیکل کا پجاری ہونا بڑے فخر کی بات سمجھی
جاتی تھی -

رومی لشکر حمص سے نکل کر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے آیا - جو سیلہ کے قریب
دونوں لشکر آپس میں ٹکرائے اور خالدؓ کے پہلے ہی حملے سے رومیوں کے پاؤں
اُکھڑ گئے - خالدؓ نے میثرہ بن مسروق کو تھوڑی سی فوج دے کر حمص کی طرف روانہ
کیا اور راستے میں رومیوں کے اِدھر اُدھر گشت کرتے ہوئے دستوں سے مقابلے کر کے انہیں
جگہ جگہ شکست دی -

اس لڑائی میں ایک مسلمان شرحبیلؓ حمیری نے اکیلے سات سواروں کو قتل کیا -
اور فوج سے الگ ہو کر حمص کی طرف بڑھے - شہر کے قریب رومیوں کے ایک رسالے نے
انہیں تنہا دیکھ کر حملہ کر دیا - انہوں نے بڑی ثابت قدمی سے مقابلہ کیا - یہاں تک کہ
دس گیارہ رومی ان کے ہاتھوں مارے گئے اور باقی رومی بھاگ نکلے اور ایک گرجا میں

---

[1] اس واقعہ کی تفصیل فتوح الشام ازدی سے لی گئی ہے - طبری اور ابن خلدون کے
ہاں اسے اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے -

جو دیر مسحل کے نام سے مشہور تھا جا کر پناہ لی۔ شرجیلؓ بھی ان کے پیچھے وہاں پہنچ گئے۔

اس گرجا میں کافی رومی سپاہی جمع تھے۔ انہوں نے شرجیل کو گھیر لیا اور ان پر پتھروں کی بوچھاڑ کر کے شہید کر دیا۔

میسرہ کے بعد خالدؓ اور ابو عبیدہؓ نے بھی حمص کا رُخ کیا اور شہر کا محاصرہ کر لیا رومیوں کو یقین تھا کہ اس بے پناہ سردی میں مسلمان زیادہ عرصہ تک محاصرہ جاری نہ رکھ سکیں گے۔

اس کے علاوہ ان کے پاس ہرقل کا قاصد بھی پہنچ گیا جس نے آ کر یقین دلایا کہ بہت جلد کمک پہنچنے والی ہے۔ چنانچہ ہرقل کے حکم کے مطابق جزیرہ سے ایک بڑا رومی لشکر حمص والوں کی مدد کے لیے روانہ ہو گیا۔

مگر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مسلمانوں کی آنکھیں سب محاذوں پر لگی ہوئی تھیں ان کے گھوڑوں کے چمکتے سموں نے ہر سمت کو روشن کر رکھا تھا۔ جس کی روشنی میں انہوں نے وسیع زمین کو اپنے آگے سمیٹ لیا تھا۔ مسلمان ہر محاذ پر جاگ رہے تھے۔ اُن کی ایمان افروز آنکھیں دشمن کی ہر حرکت کا جائزہ لیتی ہوئی ان کا تعاقب کر رہی تھیں۔

کچھ یہی حالت یہاں بھی ہوئی۔ جونہی رومی لشکر جزیرہ سے حمص والوں کی مدد کو روانہ ہوا۔ سعد بن ابی وقاص جو اس وقت عراق کے محاذ پر لڑ رہے تھے۔ انہیں فوراً اس کی اطلاع ہو گئی۔ انہوں نے کچھ فوج بھیجی جس نے برق رفتاری سے آگے بڑھ کر رومیوں کو وہیں روک لیا اور آگے نہ بڑھنے دیا[1]۔

حمص والوں نے مایوس ہو کر صلح کی درخواست کی۔ ابو عبیدہؓ نے عیاذہؓ بن صامت کو یہاں چھوڑا اور خود حماۃ کی طرف بڑھے وہاں کے لوگوں نے صلح کی درخواست کی اور جزیہ دینا قبول کر لیا۔

وہاں سے نکل کر شیزر اور معرۃ النعمان فتح کیے اس کے بعد وہ بولاذقیہ کی طرف

---

[1] کامل بن الاثیر

بڑھے۔ یہ ایک بہت قدیم شہر تھا اور اس کا پرانا نام انا تھا۔ ابو عبیدہؓ نے اس شہر کا محاصرہ کیا۔ مگر اس کی مضبوطی کا اندازہ کرتے ہوئے انہوں نے یہاں ایک نئی تدبیر چلی۔ انہوں نے میدان میں بے شمار غار کھدوائے۔ یہ غار اس قدر رازداری سے تیار کیے گئے کہ رومیوں کو خبر تک نہ ہوئی۔

پھر انہوں نے ایک روز فوج کو کوچ کا حکم دیا اور محاصرہ چھوڑ کر حمص کی طرف روانہ ہوئے۔ شہر والے جو محاصرہ کے طول کی وجہ سے تنگ آ چکے تھے خوش ہو گئے۔ انہوں نے اسے تائید غیبی سمجھا اور شہر پناہ کے دروازے کھول کر اپنے اپنے کام میں لگ گئے۔

مگر انہیں اس بات کا علم نہ تھا کہ افق پر ایک نیا اور خوفناک طوفان اُبھر رہا تھا۔ مسلمان رات کے وقت اپنی ان غاروں میں آ کر چھپ گئے تھے اور پھر اگلے روز صبح ہی صبح وہ اپنی کمین گاہوں سے نکلے اس زور سے حملہ کیا کہ شہر فتح ہو گیا۔

اس کے بعد ابو عبیدہؓ نے انطاکیہ کی طرف جانے کا ارادہ کیا مگر دربار خلافت سے پیغام آیا کہ اس سال اور زیادہ آگے نہ بڑھا جائے۔ چنانچہ فوجیں واپس بُلا لیں اور بڑے بڑے شہروں میں افسر مقرر کر دیئے تاکہ حالات خراب نہ ہونے پائیں۔

خالد بن ولید اپنے لشکر کے ساتھ دمشق چلے گئے اور ابو عبیدہؓ حمص کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

---

[1] فتوح الشام ازدی (صفحہ ۱۳۱)

صمام ہجری ۱۸۶ھ میں انطاکیہ میں داخل ہوا۔ اس کے ساتھ دو اور قیدی ساتھی بھی تھے۔ جن کے نام سلیمہ اور یسار تھے۔ کئی دن تک وہ اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ ایک سرائے میں پڑا رہا۔ لگاتار کشمکش اور مصروفیت نے اسے ذہنی طور پر مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔ یہاں آکر اس نے ایک لمبا عرصہ تک آرام کیا پھر ہرقل کی فوج میں شامل ہونے کا ارادہ کر لیا۔

اس دوران وہ رومی جو دمشق اور حمص میں شکست کھا کر بھاگے تھے سب انطاکیہ پہنچ گئے اور ہرقل سے فریاد کی کہ عربوں نے پورے شام کو روند ڈالا ہے۔ ہرقل نے چند معزز آدمیوں کو اپنے دربار میں بلایا اور بڑی جستجو سے پوچھا۔

"کیا بات ہے عرب تم سے ہر لحاظ سے کم ہیں۔ پھر تم لوگ ان کے مقابلے میں کیوں نہیں ٹھہر سکے۔"

سب کے سر ندامت سے جھک گئے تاہم ایک بوڑھے نے کہا۔

"عربوں کے اخلاق ہم سے اچھے ہیں۔ وہ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات کے وقت عبادت کرتے ہیں۔ کبھی پر ظلم نہیں کرتے۔ آپس میں کسی کو ایک دوسرے پر ترجیح نہیں دیتے دوسری طرف ہم ظلم کرتے ہیں۔ شراب پیتے ہیں اور اقرار کی پابندی نہیں کرتے۔ اس لیے ان کے اعمال میں ہماری نسبت زیادہ ہمت اور استقلال ہوتا ہے۔"

ہرقل نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ شام سے نکل جائے گا لیکن ہر شہر اور ہر قریہ سے جوق در جوق لوگ فریادیں لیے چلے آتے تھے۔ لہٰذا اسے غیرت آئی اور وعدہ کیا کہ اپنی حکومت کی پوری طاقت عربوں کے خلاف صرف کر کے لے گا۔ روم قسطنطنیہ، جزیرہ اور

بہتیرے غرض ہر جگہ پیغام بھیجا کہ فلاں تاریخ تک فوجیں انطاکیہ پہنچ جائیں۔

تمام شہروں کے افسروں کو بھی لکھ بھیجا کہ جس قدر آدمی مہیا ہو سکیں روانہ کرو۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انطاکیہ کے چاروں طرف جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی فوج ہی فوج تھی طرف جیسے ہی خیمے نصب دکھائی دیتے تھے۔ پھر بڑی تیزی کے ساتھ لشکر کے امیروں رسالاروں کا انتخاب ہونے لگا۔ اس کے لیے انطاکیہ سے باہر کھلے میدان میں جہاں لشکر مقیم تھے۔ مقابلے شروع ہو گئے۔

صمام ایک روز سلیمہ اور یسار کے ساتھ شہر سے باہر آیا تو اس نے دیکھا جگہ جگہ رومی سالاروں کی نگرانی میں ایک ہزار رسالے کی امارت کے لیے مقابلے ہو رہے ہیں صمام بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ تماشہ دیکھنے والوں میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ وہاں رومی سالار نے انطاکیہ کے ہی ایک نوجوان کو پکڑ کر باہر نکالا اور زور سے کہا۔

"میں اس جوان کو ایک ہزار رسالے کا امیر مقرر کرتا ہوں کوئی ہے جو اس سے مقابلہ لے اور بہتر حق ادا کر سکے۔"

سب لوگوں پر سکوت طاری ہو گیا کیونکہ وہ جوان موٹا اور زور آور تھا اس کے علاوہ اس کے ہتھیاروں کی چمک اس کی ہنرمندی کا ثبوت پیش کر رہی تھی۔

صمام نے اپنے ساتھی یسار کو کہنی مار کر پوچھا۔

"کیا خیال ہے مجھے بھی قسمت نہیں آزمانی چاہیے۔"

یسار نے تنبیہ کی۔

"کیا ضرورت ہے موت کو آواز دینے کی۔ یہ نائٹ ہے اور بہتیرا ولد زنا طور پر فن کا ماہر ہے۔"

صمام نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔

"پیشہ تو اپنا بھی شروع سے یہی رہا ہے۔"

"کیا تم سنجیدگی سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر چکے ہو؟"

"بالکل میں ضرور مقابلہ کروں گا۔ گمنامی کی موت مرنے سے بہتر ہے کہ آدمی

اپنے پیچھے کوئی نام چھوڑ جائے۔

یسار نے اس کی ہمت بڑھائی۔

"اگر تمہیں یقین ہے کہ تم اسے پچھاڑ دو گے تو سوچ میں نہ پڑو، میدان میں کود جاؤ۔"

صمام آگے بڑھ کر میدان میں آ گیا جس کے گرد لوگ ایک بہت بڑے حلقے کی صورت میں کھڑے تھے اور میدان بالکل تنگ ہو کر رہ گیا تھا۔ اس رومی سالار نے صمام کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"میں تمہارے جذبے کی قدر کرتا ہوں۔"

دونوں میں مقابلہ ہوا۔ انطاکیہ کا وہ جوان آڑے ترچھے ہاتھ مار کر صمام کو مرعوب سے بھگا دینا چاہتا تھا۔ مگر جب صمام نے اس پر خطرناک وار کرتے ہوئے اسے کئی جگہ سے زخمی کر دیا تو اس کی آنکھیں کھلیں اور اب اس نے بڑی تدبیر اور مہارت کے ساتھ لڑنا شروع کر دیا۔ مگر یہاں اس کا ہر فن اور ہر کوشش ناکام ثابت ہوئی اور صمام نے اسے چند لمحوں کے تصادم کے بعد زیر کر لیا۔

وہیں کھڑے کھڑے صمام کو ایک ہزار سواروں کا سالار مقرر کر لیا گیا تھا۔ صمام سرائے سے اٹھ آیا اور شہر سے باہر اس نے اپنے رسالے کے درمیان بنات کے ایک خوبصورت خیمے میں قیام کیا۔ جو اس کے لیے مہیا کیا گیا تھا۔ انطاکیہ میں اب زور شور سے جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے بحر و بر سے رومی نکل کھڑی ہو۔

○

مسلمانوں نے جو شہر اب تک شام میں فتح کیے تھے ان کے امراء اور رؤساء کے اخلاق، عدل و انصاف اور سلوک سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے اپنی طرف سے جاسوس مقرر کر رکھے تھے جو رومی لشکر کی خبریں مسلمانوں تک پہنچاتے تھے۔

ابو عبیدہؓ کو جب ہرقل کی ان تیاریوں کا علم ہوا تو انہوں نے تمام مسلمان

لشکروں کو جمع کیا اور ایک پُر اثر تقریر کی جس کا خلاصہ تھا:۔

"مسلمانو! خدا نے بار بار تمہارا امتحان لیا اور تم اس امتحان میں ہمیشہ فتح یاب ہوئے۔ اب تمہارا دشمن اس قدر لشکر اور انتظام و انصرام کے ساتھ چلا ہے کہ زمین دل اٹھی ہے۔ اب بتاؤ کیا علاج ہے؟"

یزید بن ابی سفیان اٹھے اور کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ہم عورتوں اور بچوں کو شہر میں رہنے دیں اور خود باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کریں۔ ساتھ ہی خالدؓ بن ولید اور عمروؓ بن العاص کو مدد کے لیے بلایا جائے۔"

شرجیلؓ بن حسنہ نے کھڑے ہو کر کہا۔

"یزید نے جو رائے دی ہے وہ بے شک اچھی ہے مگر شہر والے سب عیسائی ہیں ایسا نہ ہو وہ ہمارے اہل و عیال کو ہرقل کے حوالے کر دیں یا خود ہی قتل کر دیں۔"

ابو عبیدہؓ نے کہا۔

"اس کی ایک ہی ترکیب ہے کہ ہم عیسائیوں کو شہر سے باہر نکال دیں۔"

شرجیلؓ بن حسنہ تیزی سے اٹھے اور چلا کر کہا۔

"اے امیر! تجھے ہرگز یہ حق نہیں پہنچتا کہ تم عیسائیوں کو شہر سے باہر نکالو۔ ہم عیسائیوں کو اس شرط پر امان دی ہے کہ وہ شہر میں اطمینان سے رہیں۔"

ابو عبیدہ نے فوراً اپنی غلطی تسلیم کر لی۔

کچھ لوگوں نے رائے دی کہ حمص میں ٹھہر کر کمک کا انتظار کیا جائے۔

ابو عبیدہ نے کہا اتنا وقت کہاں ہے؟

آخر یہ فیصلہ ہوا کہ دمشق روانہ ہوا جائے۔ وہاں خالدؓ بھی ہیں۔ اس کے علاوہ عرب کی سرحد بھی قریب پڑتی ہے اور بوقتِ ضرورت ہر طرح کی مدد لی جا سکتی ہے۔

ابو عبیدہؓ نے افسر خزانہ حبیبؓ بن سلمہ سے کہا کہ عیسائیوں سے اب تک جو جزیہ ہے۔ سب واپس کر دو۔ کیونکہ یہ اس لیے ان سے وصول کیا گیا تھا کہ ہم ان کی حفاظت کریں۔ مگر اب چونکہ ہماری حالت کچھ ایسی ہے کہ ہم ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں لے

سکتے ۔ لہٰذا ان کو جزیہ کی رقم واپس کر دی جائے ۔

چنانچہ جزیہ کی رقم ذمیوں میں تقسیم کر دی گئی ۔ عیسائیوں پر مسلمانوں کے اس سلوک کا کچھ اس قدر گہرا اثر ہوا کہ وہ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے " خدا کی قسم جب تک ہم زندہ ہیں ہرقل کو حمص پر قبضہ نہ کرنے دیں گے ۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے شہر کے دروازے بند کر لیے اور جگہ جگہ پہرہ مقرر کر دیے ۔

جزیہ صرف حمص والوں کو ہی واپس نہ دیا گیا تھا بلکہ جو دوسرے اضلاع فتح ہو چکے تھے وہاں بھی لوگوں کو جزیہ[1] واپس کر دیا گیا تھا ۔

○

ابو عبیدہؓ[2] دمشق آئے اور پورے حالات فاروق اعظمؓ کو لکھے ۔ انہیں جب معلوم ہوا کہ مسلمان ڈر کر حمص سے دمشق چلے آئے ہیں تو انہیں دکھ ہوا مگر جب اس بات کا علم ہوا کہ مسلمانوں نے متفقہ یہ فیصلہ کیا تھا تو شکر کرتے ہوئے کہا ۔

" خدا نے کسی مصلحت سے مسلمانوں کو اس بات پر متفق کر دیا ہوگا ۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایک لشکر سعیدؓ بن عامر کی سرکردگی میں روانہ کر دیا ۔

اس دوران ارض فلسطین سے عمروؓ بن العاص کا خط آیا کہ حمص چھوڑ کر دمشق چلے آنے سے عیسائیوں پر ہمارا رعب جاتا رہا ہے اور یہاں فلسطین میں ہر جگہ بغاوتیں سر اٹھانے لگی ہیں ۔ ابو عبیدہؓ نے انہیں لکھا کہ تم وہیں ٹھہرو میں تمہارے پاس ہی آ رہا ہوں ۔

آخر ابو عبیدہؓ اور جو لشکر اِدھر اُدھر پھیلے ہوئے تھے سب دمشق سے یرموک

---

[1] بلاذری ۔ فتوح البلدان صفحہ ۱۳۷ ۔ قاضی ابو یوسف ۔ کتاب الخراج صفحہ ازدی ۔ فتوح الشام صفحہ ۱۳۸

[2] فتوح الشام کے علاوہ ابن واضح عباسی اور بعض دیگر مؤرخ بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں ۔

پہنچے ۔ عمروؓ بن العاص بھی یرموک پہنچ گئے ۔ یہ جگہ جنگ کے لیے بے حد مناسب تھی ۔ کیونکہ اس پر عرب کی سرحد تک کھلا میدان پڑا ہوا تھا اور بوقت ضرورت پیچھے بھی ہٹا جا سکتا تھا ۔

فاروق اعظمؓ نے مسلمانوں کی مدد کے لیے سعیدؓ بن عامر کی سرکردگی میں جو لشکر روانہ کیا تھا وہ ابھی تک نہ پہنچا تھا ادھر رومیوں کی آمد ان کی تعداد اور سامان کے متعلق سُن سُن کر مسلمانوں میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہونے لگی تھیں ۔ یہ حالات دیکھ کر ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ رُومی بحر و بر سے اُبل پڑے ہیں اور ان کے جوش و خروش کا یہ عالم ہے کہ لشکر جس راہ سے گزرتا ہے کلیسا کے وہ لوگ جو کبھی اپنی خانقاہوں سے باہر نہ نکلے تھے لشکر کے ساتھ ملتے جا رہے ہیں ۔

حضرت عمرؓ کو جب یہ خط ملا تو انہوں نے مہاجرین و انصار کو جمع کیا اور خط پڑھ کر سنایا ۔ تمام صحابہؓ بے اختیار رو پڑے اور فاروق اعظم نے کہا ۔

" اے امیر المومنینؓ ! ہمیں اجازت دیجیے کہ ہم اپنے بھائیوں کی مدد کو پہنچیں ۔ اور اگر انہیں کچھ ہو گیا تو ہمارا جینا بیکار ہوگا "

عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا ۔

" اے امیر المومنینؓ ! آپ خود سپہ سالار نہیں اور ہمارے ساتھ چلیں "

مگر لوگوں نے اس رائے سے اختلاف کیا اور کہا کہ فوراً مدد روانہ کرنی چاہیے ۔

آخر حضرت عمرؓ نے قاصد سے پوچھا کہ رومی کتنی دُور ہیں ۔ اس نے کہا ۔ یرموک سے تین منزل دور ہیں ۔ حضرت عمرؓ نے افسوس کیا کہ اب کیونکر مدد پہنچ سکتی ہے ۔ آخر ابو عبیدہؓ کے نام خط لکھا اور قاصد سے کہا خود یہ خط ہر صف میں جا کر سنانا ۔ لکھا تھا ۔

الا عُمَرُ یُقْرِئُکَ السَّلَامَ وَیَقُوْلُ لَکُمْ یَا اَہْلَ الْاِسْلَامِ اَصْدِقُوْا النِّقَاءَ وَشُدُّوْا عَلَیْہِمْ شَدَّ اللُّیُوْثِ وَلَا تَکُرُّوْا اَھْوَنُ عَلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ فَاِنَّا قَدْ کُنَّا عِلْمًا اِنَّکُمْ عَلَیْہِمْ مَنْصُوْرُوْنَ ۔

○

دونوں طرف سے جنگ کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ اس دوران سعیدؓ بن عامر ایک ہزار جوانوں کے ساتھ پہنچ گئے اور مسلمانوں کو کچھ تقویت حاصل ہوئی۔ دوسری طرف رومی فوجیں یرموک کے سامنے ویرالجمل میں اُتریں۔ مسلمانوں کی طرف سے خالد بن ولید نے جنگ کی تیاری کی۔

انہوں نے معاذؓ بن جبل کو میمنہ پر، قباثؓ بن اشیم کو میسرہ پر اور ہاشمؓ بن عتبہ کو پیدل فوج پر مقرر کیا۔ خالدؓ نے اپنے حصّے کی فوج کو چار حصّوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصّہ اپنے پاس، دوسرا قیسؓ بن ہبیرہ، تیسرا میسرہؓ بن مسروق اور چوتھا عمروؓ بن طفیل کے حوالے کیا۔ یہ تینوں امیر عرب کے مانے ہوئے بہادر، جرّی اور نڈر سالار تھے اور انہیں ان کی شجاعت کے باعث فارس العرب کہا جاتا تھا۔

رومی اپنے لشکر کی چوبیس صفیں بنا کر میدان میں اُترے۔ دونوں لشکر جب ایک دوسرے کے سامنے آئے تو ایک رومی جوان جو خوب تنومند اور جوان تھا میدان میں آیا اور مقابلے کے لیے للکارا۔

اس کے جواب میں میسرہؓ بن مسروق نے اپنا گھوڑا بڑھایا مگر خالدؓ نے فوراً انہیں روک دیا۔ کیونکہ وہ عیسائی ایک بے حد طاقت ور انسان دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی خالدؓ نے قیسؓ بن ہبیرہ کی طرف دیکھا۔ وہ یہ شعر کہتے ہوئے آگے بڑھے

سَائِلِ النِّسَاءَ الْحَيِّ فِي حِجَابِهَا
پردہ نشین عورتوں سے پوچھ لو
اَلَسْتُ يَوْمَ الْحَرْبِ مِنْ اَبْطَالِهَا
کیا میں لڑائی کے دن بہادروں کے کام نہیں کرتا

قیسؓ بن ہبیرہ نے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا اور اس خونخواری سے اس پر حملہ کیا کہ پہلے ہی وار میں قیس کی تلوار اس کے سر پر پڑی اور خود کو کاٹتی ہوئی گردن تک چلی گئی۔ وہ رومی اپنے گھوڑے سے نیچے گر گیا۔ اس کے ساتھ ہی خالدؓ نے آگے بڑھ کر بھرپور حملہ کیا۔ رومیوں نے ان کے ہر ماتحت افسر کے لیے علیحدہ علیحدہ فوجیں متعیّن کی

ہیں لیکن سب نے شکست کھائی۔ اس دن جنگ یہاں تک پہنچ کر ہی رُک گئی تھی۔

○

رات کے وقت رومی سرداروں نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ عربوں کو شام کی دولت چکھا پڑ چکا ہے بہتر ہے کہ انہیں کچھ مال و دولت دے کر ان کو اس جنگ سے ٹالا جائے۔ دوسرے دن انہوں نے جارج نام کے ایک آدمی کو قاصد بنا کر ابو عبیدہؓ کے پاس بھیجا کہ کسی معزز افسر کو بھیج دو ہم اس سے صلح کی گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

جارج نے اسلامی لشکر میں آ کر حضرت خالدؓ بن ولید سے گفتگو کے دوران مندرجہ ذیل سوالات کیے:

جارج نے کہا۔

"مجھے اُمید ہے جو واقع صحیح[1] ہوگا وہ تم مجھ پر بیان کرو گے"۔

حضرت خالدؓ نے جواب دیا۔

"بے شک ہمارے مذہب میں جھوٹ بولنا گناہ ہے۔ اللہ تعالےٰ نے جھوٹوں پر لعنت کی ہے"۔

"اچھا یہ بتاؤ تمہارے نبیؐ پر آسمان سے کوئی تلوار اُتری تھی جو تمہارے نبیؐ نے تمہیں دی اور جس کے ذریعے تم جس قوم پر حملہ کرتے ہو فتح یاب ہوتے ہو"۔

حضرت خالدؓ نے انکار کیا ——— "نہیں"

جارج نے پھر پوچھا۔

"پھر تمہیں سیف اللہ کیوں کہا جاتا ہے اور کیوں جنگوں میں ہمیشہ تمہیں فتح ہوتی ہے"۔

حضرت خالدؓ نے کہا۔

"اللہ تعالےٰ نے ہم پر ایک نبی مبعوث کیا۔ پہلے میں اس کو جھٹلاتا تھا اور

---

[1] تاریخ ابن خلدون

اس سے لڑتا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے مجھے ہدایت دی اور میں مسلمان ہو گیا۔ تب اس میرے فتح یاب ہونے کی دعا کی اور فرمایا کہ تو سیف اللہ ہے۔ تجھے اللہ تعالےٰ نے مشرکین کے بھیجا ہے تو ہمیشہ ان پر مظفر و منصور رہے گا۔"

جارج حیرت زدہ ہو گیا پھر پوچھا۔

"تم ہم سے کیوں لڑنے آئے ہو؟"

"اس لیے کہ تم لوگوں نے خدا کو بھلا دیا ہے اس کے نبی کو نہیں مانتے۔ تم یا تو اسلام قبول کرو یا ہمارے مطیع ہو جاؤ اور جزیہ دو۔ اگر یہ دونوں باتیں منظور نہ ہوں پھر لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ اور فیصلہ ہماری تلواریں کریں گی۔"

جارج نے جستجو سے پوچھا۔

"جو شخص تمہاری دعوت قبول کر لیتا ہے وہ کیسا سمجھا جاتا ہے اور اس سے سلوک ہوتا ہے؟"

"ہم سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں۔ اسلام میں مسلمان کی حیثیت سے امیر و غریب میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔"

جارج بڑی دلچسپی لے رہا تھا۔ اس بار اس نے گہرے شوق کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"کیا اس کو بھی تمہاری طرح ہی اجر ملے گا جس نے بعد میں اسلام قبول کیا ہو؟"

"ہاں اللہ تعالےٰ (حاکم مدین) بخیل نہیں ہیں۔ جو کوئی نیک نیتی سے ہم میں آملے گا وہ ہم سے بھی افضل ہو گا۔ اس کو اللہ تعالےٰ دین و دنیا دونوں جگہ عزت عنایت کرے گا۔"

جارج[1] کا دل حضرت خالدؓ کی بات چیت سے بھر آیا اور وہ وہیں سچے دل سے مسلمان ہو گیا تھا۔

---

[1] ابن خلدون

دوسرے روز خالدؓ رومی لشکر میں داخل ہوئے عیسائیوں نے اپنی شوکت کی خاطر دور دور تک سواروں کی صفیں کھڑی کر رکھی تھیں جو سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھے۔ حمام بھی انہیں میں شامل تھا۔ اس نے پہلی بار گہری نگاہ سے خالدؓ بن ولید کی طرف دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ کیونکہ خالدؓ کچھ اس طرح رومی سپاہ کے بیچ سے گزر رہے تھے جس طرح شیر بکریوں کے ریوڑ کو چیرتا ہوا گزرتا ہے۔

رومی امیر باہان نے بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا اور انہیں اپنے برابر بٹھایا۔ ترجمہ کے ذریعے بات چیت کا سلسلہ شروع ہوا۔ حضرت عیسیٰؑ کی تعریف کے بعد باہان نے کہا کہ ہرقل ہمارا بادشاہ سب بادشاہوں کا شہنشاہ ہے۔

مترجم ابھی پورے الفاظ بھی نہ کہہ پایا تھا کہ خالدؓ بول پڑے۔

"بیشک تمہارا بادشاہ ایسا ہی ہو گا۔ مگر ہم نے جسے اپنا سردار بنا رکھا ہے اگر وہ ایک لمحہ کے لیے بھی بادشاہت کا خیال کرے تو ہم اسے معزول کر دیں۔"

باہان نے کہا۔

"تمہارے عرب جو یہاں آ کر آباد ہو گئے تھے ہم نے ہمیشہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا ہیں تو امید تھی کہ عربوں کو اس طرح کی مراعات دینے پر تم سب عرب ہمارے مشکور ہو گئے تم لوگ الٹے ہمارے ملک پر حملہ آور ہو گئے اور ہمیں ہمارے ہی ملک سے نکال باہر کرنے کوشش کر رہے ہو۔ تم سے پہلے بھی بہت قوموں نے ایسا کرنا چاہا مگر کبھی کامیاب نہ ہیں۔ اب تمہاری قوم کو جو ایک جاہل و وحشی اور بے سروسامان ہے یہ حوصلہ پڑا ہے بہر ہم اس پر بھی درگزر کرتے ہیں۔ اگر تم لوگ اب بھی یہاں سے چلے جاؤ تو سپہ سالاروں

کو دس ہزار دینا، ہر افسر کو ایک ہزار اور ہر سپاہی کو سو دینار دیں گے"۔

باہان جب خاموش ہوا تو خالدؓ بن ولید نے کہنا شروع کیا۔

"بے شک تم دولت مند اور صاحبِ حکومت ہو۔ تم نے اپنے ہمسایہ ع ب سے جو اچھا سلوک کیا تھا اس کی اصلیت بھی ہمیں معلوم ہے۔ یہ تمہارا ان پر کوئی احسان تھا۔ بلکہ تم نے اپنے مذہب کی اشاعت کی تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بجائے عیسائی ہونے اور آج ہمارے ہی مقابلے میں تمہارا ساتھ دیتے ہوئے لڑ رہے ہیں۔ یہ بھی سچ ہے کہ یہ مقام تنگ دست اور وحشی تھے۔ بتوں کی پوجا کرتے تھے جنہیں اپنے ہی ہاتھ سے بناتے تھے۔ کمزوروں کو پیس ڈالتے تھے اور قبائل آپس میں لڑتے رہتے تھے لیکن خدا نے ہم پر کرم کیا اور ایک نبی بھیجا جو ہم میں سے ہی تھا۔ ہم میں وہ سب سے نیک، پاک اور فیاض تھا۔ اس نے ہمیں ایک خدا کی عبادت کرنے کو کہا جس کا کوئی شریک نہیں اور نہ ہی اس کی بیوی بچے ہیں۔ وہ یکتا و یگانہ ہے۔ اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم یہ عقیدہ ساری دنیا کے سامنے پیش کریں۔

جس نے اسے مان لیا وہ مسلمان اور ہمارا بھائی ہے۔ جس نے اسے نہ مانا وہ اگر جزیہ دے تو ہم اس کے محافظ ہیں اور جس نے دونوں باتوں سے انکار کر دیا تو اس کا فیصلہ ہماری تلوار کرتی ہے"۔

باہان نے اپنے لشکر کی طرف دیکھا اور کہا "یہ تو کبھی بھی جزیہ نہیں دیں گے۔ ہم تو جزیہ لیتے ہیں دیتے نہیں"۔ اس کے بعد خالدؓ اُٹھ کر چلے آئے۔ باہان نے اپنے افسروں کو بُلا کر کہا کہ "مسلمان جزیہ مانگتے ہیں"۔

انہوں نے کہا۔ "ہم مر جائیں گے مگر یہ ذلت برداشت نہ کریں گے"۔

بہر حال دونوں طرف سے جنگ کی تیاری شروع ہوئی۔ دوسرے روز رومی بڑے کرّ و فر سے نکلے۔ حضرت خالدؓ نے یہ حالت دیکھ کر عرب کے عام قاعدے کے خلاف کل فوج جس کی تعداد تیس پینتیس ہزار تھی اس کے چھتیس حصّے کیے اور آگے پیچھے بڑی ترتیب کے ساتھ صفیں بنا لیں۔

ابو عبیدہؓ قلب پر، عمروؓ بن العاص اور شرحبیلؓ بن حسنہ میمنہ پر اور یزیدؓ بن ابی سفیان میسرہ پر تھا۔ اس کے علاوہ ہر صف کا جو افسر تھا وہ عرب کا مانا ہوا دلیر اور شجاع تھا۔

عرب کے نامور اور شعلہ بیان خطیب اپنی تقریروں سے لشکر میں ایک نئی روح پھونک رہے تھے۔ انہیں میں ابو سفیان بھی تھے۔ یہ زور زور سے کہتے جا رہے تھے۔

اَللّٰہُ اِنْکُمْ رَاوَۃُ الْعَرَبِ اَنْصَارُ الْاِسْلَامِ وَاِنَّھُمْ زَاوَۃُ الرُّوْمِ وَاَنْصَارُ الشِّرْکِ اَنَّھُمْ ھٰذَا یَوْمٌ مِّنْ اَیَّامِکَ اللّٰھُمَّ اَنْزِلْ نَصْرَکَ عَلٰی عِبَادِکَ۔

عمروؓ بن العاص بھی چلا چلا کر اپنے سپاہیوں کو کہہ رہے تھے۔

اَیُّھَا النَّاسُ غُضُّوْا اَبْصَارَکُمْ وَاشْرَعُوا الرِّمَاحَ

دوستو! اپنی نگاہیں نیچی رکھو اور برچھیاں تان لو۔

وَالْزَمُوْا مَرَاکِزَکُمْ فَاِذَا حَمَلَ عَدُوُّکُمْ فَاقْصِلُوْا

اپنی جگہ پر جمے رہو۔ پھر جب دشمن حملہ آور ہو تو آنے دو۔

ھُمْ حَتّٰی اِذَا رَکِبُوْا اَطْرَافَ الْاَسِنَّۃِ فَبُثُّوْا فِیْ

یہاں تک کہ تمہاری برچھیوں کی نوک پر آجائیں۔ تو پھر شیر

وُجُوْھِھِمْ وَثُوْبَ الْاُسُدِ

کی طرح ان پر ٹوٹ پڑو۔

فوج تعداد میں اگرچہ بہت کم تھی مگر سب عرب کے مانے ہوئے جنگجو اور شجاع تھے۔ ان میں ایک ہزار صحابہ کرامؓ سو کے قریب وہ ہستیاں تھیں جنہوں نے جنگِ بدر میں حصّہ لیا تھا۔ اس کے علاوہ قبیلہ ازد، حمیر، ہمدان، خولان، لخم اور جذام کے بیشمار نوجوان اور سردار اس جنگ میں حصّہ لے رہے تھے۔ اس جنگ کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اس میں عورتوں نے بھی اپنا بہترین جنگی کردار ادا کیا تھا۔

ابو سفیان کی بیوی ہندہ حملہ کرتی ہوئی جب آگے بڑھتی تھیں تو چلا چلا کر پڑھتی تھیں۔ عَضُدُ وَالْعَطْفَانَ بِسُوْنِکُمْ

ابوسفیانؓ کی بیٹی اور یزیدؓ اور معاویہؓ کی بہن جویریہؓ نے بھی اس جنگ میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ ایک شخص مقدادؓ جو بے حد خوش الحان تھے فوج کے آگے سورۃ انفال کا وہ حصّہ پڑھتے جا رہے تھے جس میں جہاد کی ترغیب دی گئی ہے۔

رومیوں کے غضب کا یہ حال تھا کہ تیس ہزار آدمیوں نے اپنے آپ کو ایک دوسرے سے باندھ رکھا تھا کہ بھاگنے کا خیال تک پیدا نہ ہو۔ جنگ کی ابتدا بھی رومیوں کی طرف سے ہی ہوئی۔ دو لاکھ کا لشکر آگے بڑھا۔ ہزاروں پادری، راہب اور بشپ صلیب اٹھائے لشکر کے آگے آگے چل رہے تھے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر ایک مسلمان سپاہی کے مُنہ سے بیساختہ نکل گیا۔

"اللہ اکبر! کس قدر زیادہ فوج ہے۔"

خالدؓ بن ولید نے خفا ہو کر جواب دیا۔

"چُپ رہ! خدا کی قسم میرے گھوڑے کے سم اگر ٹھیک ہوتے تو میں عیسائیوں سے کہتا کہ اِتنی ہی فوج اور لے آؤ۔"

رومیوں نے نہایت زور شور سے حملہ کیا۔ وہ تیروں کی بے پناہ بوچھاڑ کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ یہ حملہ اس قدر زور کا تھا کہ مسلمانوں کے لشکر کا میمنہ ٹوٹ کر علیحدہ ہو گیا اور پراگندگی کی حالت میں پیچھے ہٹنے لگا۔ رومی برابر ان کا تعاقب کیے جا رہے تھے یہاں تک کہ مسلمان اپنے حرم کے خیموں تک پہنچ گئے۔

عورتوں نے اپنے لشکر کی یہ حالت دیکھی تو اپنے خیموں کی چوبیں اکھیڑ لیں اور چلّا چلّا کر اپنے جوانوں کو غیرت دلانے لگیں۔ اس وقت خولہؓ یہ شعر پڑھتی ہوئی اپنے جوانوں کا دِل بڑھا رہی تھیں۔

يَا هَارِبًا عَنْ نِسْوَةٍ تَقِيَّاتٍ
رُمَيْتَ بِالسَّهْمِ وَالْمَنِيَّاتِ

عین اس وقت جب کہ جنگ کی بھٹی شعلے اُگل رہی تھی اور زمین خون سے سُرخ ہو رہی تھی تمام بڑی پامردی کے ساتھ رومیوں کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف لڑ رہا تھا۔

لڑتے لڑتے دفعتہً اس کا سامنا جنید سے ہو گیا۔ اس کے ایک طرف عروہ بن مسعود اور سلیمان بھی تھے۔ صمام کا ہاتھ رُک گیا۔ گذرا ہُوا زمانہ ایک بار اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم گیا اور وہ اداس اور افسردہ ہو کر رہ گیا۔

ناگاہ اس نے اپنی آنکھیں جھپکائیں اور اپنے سامنے لڑتے ہوئے عربوں کے لباس کو ایک بار غور سے دیکھنے کے بعد اس نے اپنے لباس پر نگاہ ڈالی۔ پھر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ بے بسی سے بڑبڑایا۔

"کس قدر بدقسمت انسان ہوں میں جو اپنی ہی قوم کے خلاف لڑ رہا ہوں۔"

جنید، عروہ اور سلیمان بھی اسے بڑی حیرت اور حسرت سے دیکھ رہے تھے۔

صمام ابھی ان سوچوں میں اُلجھا ہُوا تھا کہ قبیلہ ازد کے سردار عمروؓ بن طفیل نے اس پر حملہ کر دیا۔ صمام نے بڑی پھُرتی سے اس کی تلوار کو اپنی ڈھال پر لیا۔ اس دوران ایک رومی عمروؓ بن طفیل پر حملہ کر چکا تھا۔ صمام کا ذہن اس موقع پر بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ جونہی اس رومی نے عمروؓ بن طفیل پر اپنی تلوار گرانا چاہی صمام نے اپنی تلوار گھمائی اور ایک خونخوار وار کے ساتھ اس رومی کی گردن کاٹ دی۔

عمروؓ بن طفیل صمام کے اس رویّے پر سخت حیرت زدہ تھا۔ جنید، عمرو اور سلیمان لڑتے لڑتے صمام کی طرف بھی دیکھ رہے تھے۔ اچانک صمام پلٹا اور رومیوں پر ٹوٹ پڑا وہ دائیں بائیں ہاتھ مارتا ہُوا بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔

اس کے لڑنے کا انداز بالکل وحشیوں جیسا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا تھا۔ وہ لڑتا لڑتا کافی دُور تک رُومی لشکر کے اندر چلا گیا تھا۔ عمروؓ بن طفیل بھی اس خیال سے کہ کہیں رومی اسے نقصان پہنچائیں اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس کے پیچھے پیچھے تھا جنید، عروہ اور سلیمان کا رُخ بھی ادھر ہی تھا۔

○

مُسلمانوں کا میمنہ جب پیچھے ہٹتا ہُوا حرم کے قریب آن پہنچا اور عورتیں انہیں غیرت دلانے لگیں تو معاذؓ بن جبل جو میمنہ کے ایک حصّے کے سردار تھے اور ان کے بیٹے

نے کچھ اس طرح جان توڑ کر حملے کیے کہ مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے پاؤں سنبھل گئے۔

ساتھ ہی قبیلہ زبیدہ کے سردار عجاجؓ نے اپنے پانچ سو جوانوں کے ساتھ ایک بھرپور حملہ کیا اور رومی سپاہ جو مسلمانوں کا تعاقب کر رہی تھی انہیں روک لیا۔ قبیلہ از کے سردار عمروؓ بن طفیل جس پر حملہ کرتے ہوئے رومی کو صمام نے ختم کیا تھا وہ اور اس کے قبیلے والے بھی میمنہ میں تھے اور اب صمام بھی ان کے ساتھ میمنہ میں شامل ہو گیا تھا۔

عمروؓ بن طفیل بار بار حملہ کرتے ہوئے اپنے قبیلے والوں کو کہتے تھے۔

"از دیو! دیکھنا تمہاری وجہ سے مسلمانوں پر کوئی داغ نہ آ جائے"۔

ان کے ہاتھوں تو بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ آخر خود بھی شہید ہو گئے۔

یزیدؓ بن ابو سفیان بھی اپنی سپاہ کے ساتھ خوب جھپٹ رہے تھے۔ ان کے باپ ابو سفیانؓ جو اپنی فوج کو جوش دلاتے پھر رہے تھے ایک بار یزیدؓ کے پاس آئے اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جانِ پدر! لڑائی میں اس وقت ہر سپاہی اپنی مہارت اور شجاعت کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ مگر تم سپہ سالار ہو۔ اگر کوئی بھی سپاہی لڑنے میں تم سے آگے نکل گیا تو تمہارے لیے باعثِ شرم ہوگا"۔

شرحبیلؓ بن حسنہ کو چاروں طرف سے دشمن کے سخت نرغے میں تھے مگر شیر کی طرح دھاڑ دھاڑ کر حملے کر رہے تھے اور ایک سخت چٹان بن کر کھڑے تھے۔

صمام نے رومیوں کے میمنہ کو بُری طرح کاٹنا شروع کر رکھا تھا۔ اس کے چہرے پر وحشت اور بربریت تھی کسی زخمی چیتے کی طرح وہ جست لگا لگا کر جھپٹ رہا تھا۔ دائیں بائیں دونوں ہاتھوں سے وہ تلوار اور ڈھال برسا رہا تھا۔ آج واقعی وہ کفن باندھ کر لڑ رہا تھا۔ شاید وہ عیسائیوں سے اپنے سارے حساب بے باک کر لینا چاہتا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے اس نے بارہ رومیوں کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا تھا۔ اس کی تلوار سے خون ٹپک رہا تھا اور سب کپڑے خون آلود ہو چکے تھے تاہم اس کے حملوں میں ابھی تک پہلے جیسی ہی پھرتی اور چمک تھی اور وہ اپنے چاروں طرف بڑی مہارت اور منجھے ہوئے انداز

خوفناک حملے کر رہا تھا۔

مسلمانوں کے میمنہ میں جب قتل کا بازار گرم تھا رومیوں کے میسرہ کے سردار ابن نے میسرہ پر ایک بھرپور حملہ کر دیا۔ بدقسمتی سے اس حصے میں جہاں ابن قنا طیر نے کیا تھا زیادہ تر بنو لخم اور بنو غسان کے قبائل کے نومسلم تھے اور شام میں رہتے ہوئے پر رومیوں کا رعب چھایا ہوا تھا اس لیے ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور رومی ان کے تعاقب لگ گئے۔ یہ لوگ عورتوں کے خیموں تک بڑھتے چلے گئے۔ آخر عورتوں کی پامردی رومیوں کو رکنے پر مجبور کر دیا۔

اس موقع پر یقیناً لشکر میں ابتری پھیل گئی ہوتی اور جنگ کا خاتمہ ہو چکا ہوتا یزیدؓ بن ابی سفیان، عمروؓ بن العاص، شرحبیلؓ بن حسنہ، قیاثؓ بن الشیم اور سعیدؓ بن زید جیسے سردار اس قدر خونخواری سے حملہ آور ہوئے کہ پیچھے ہٹتے ہوئے مسلمان پھر سنبھلنے لگے تھے۔

قیاثؓ بن الشیم کچھ اس طرح خوفناک انداز میں لڑ رہے تھے کہ تلوار اور نیزے ٹوٹ ٹوٹ کر ان کے ہاتھ سے گر رہے تھے مگر چہرے پر بل تک نہ آتا تھا۔ نیزہ گرتا تو چلا کر کہتے کہ کوئی ہے جو اسے ہتھیار دے۔ جس نے خدا سے وعدہ کر رکھا ہے کہ میدان سے ہٹے گا تو مر کر ہی ہٹے گا۔ لوگ فوراً اس کے ہاتھ میں تلوار یا نیزہ لا کر دے دیتے تھے اور یہ مردِ مجاہد پھر شیر کی طرح حملہ آور ہونے لگتا تھا۔

سعیدؓ بن زید غصے میں گھٹنے ٹیکے ہوئے کھڑے تھے۔ رومی ان کی طرف بڑھے تو شیر کی طرح جھپٹے اور مقدمہ کے افسر کو مار کر گرا دیا۔

خالدؓ بن ولید نے اپنی فوج کو پیچھے لگا رکھا تھا۔ دفعتہً ہی وہ صفیں چیرتے ہوئے اس موقع پر نکلے اور رومیوں کی صفیں کی صفیں اُلٹ کر رکھ دیں۔ وہ میدان میں کچھ اس طرح حاوی تھے جیسے جنگل میں شیر دھاڑ دھاڑ کر اپنی بادشاہت اور حکمرانی کا اعلان کر رہا ہو۔ یہی حالت اُن کی تھی جس طرف نکلتے تھے لاشوں کے ڈھیر لگاتے ہوئے نکل جاتے تھے۔

جنگ کے شعلے جب خوب بھڑک رہے تھے۔ عکرمہؓ بن ابوجہل نے اپنا گھوڑا بڑھایا اور چلاتے ہوئے کہا۔

"عیسائیو! میں کسی زمانے میں (کفر کی حالت میں) خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑ چکا ہوں۔ کیا آج تم جیسے دشمن کے سامنے میرے قدم پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔"

یہ کہنے کے بعد انہوں نے اپنے لشکر پر نگاہ ڈالی اور زور سے پکارے

"من یبایع الموت"

(مرنے پر کون بیعت کرتا ہے)

چار سو جوانوں نے ان کے ساتھ مرنے پر بیعت کی اور اس قدر ولولے اور تازہ دمی سے لڑے کہ تقریباً سب ہی شہید ہو گئے۔ عکرمہؓ کی لاش مقتولوں کے ڈھیر سے ابھی کچھ سانس باقی تھے۔ خالدؓ بن ولید نے ان کا سر اپنے زانو پر رکھا اور ان کے منہ میں پانی ٹپکاتے ہوئے کہا۔ خدا کی قسم تم نے اپنا حق ادا کر دیا ہے۔

عکرمہؓ اور ان کے ساتھی تو شہید ہو گئے مگر اپنے ساتھ رومیوں کے ہزاروں سپاہیوں کو برباد کر کے رکھ دیا۔ خالدؓ بن ولید کے حملوں نے اور جلتی پر تیل کا کام کیا اور انہوں نے رومیوں کی طاقت توڑ کر رکھ دی یہاں تک کہ انہیں پیچھے ہٹنا پڑا۔

اسی وقت خالدؓ بن ولید نے انہیں اور تیزی سے دبانا شروع کیا اور ان کے سپہ سالار (ورنجار) تک پہنچ گئے۔ ورنجار اور دوسرے رومی افسروں نے آنکھوں پر کپڑے ڈال لیے تھے تاکہ یہ آنکھیں اگر فتح کا منظر نہ دیکھ سکیں تو شکست بھی نہ دیکھیں۔

عین اسی لمحہ جب خالدؓ رومی لشکر میں گھس کر زندگی موت کا کھیل کھیل رہے تھے قیسؓ بن ہبیرہ جن کو خالدؓ نے فوج کے ایک حصے کے ساتھ میسرہ کی پشت پر متعین کر رکھا تھا دفعتہً دھاڑتے ہوئے نکلے اور عقب سے اس طرح خوفناک حملہ کیا کہ رومی سرداروں نے اپنے لشکر کو سنبھالا مگر ان کی فوج کے قدم اکھڑ چکے تھے جنہیں وہ

لہ تاریخ طبری واقعہ یرموک

جمانے میں ہر طرح سے ناکام رہے۔ ان کی تمام صفیں ابتری کا شکار ہو گئی تھیں۔

سعیدؓ بن زید بھی قلب سے نکل کر جھپٹے اور رہی سہی کسر پوری کر دی۔

اس جنگ کا ایک یادگار واقعہ یہ ہے کہ جس وقت گھسان کی جنگ جاری تھی، جوان حباشؓ بن قیس جو کہ ایک شجاع انسان تھے بڑی بہادری اور یامردی سے لڑ رہے تھے کہ ان کے پاؤں پر کسی رومی نے تلوار ماری اور ایک پاؤں کٹ کر علیحدہ ہو گیا۔ حباشؓ کو اس کی خبر تک نہ ہوئی اور جب جنگ ختم ہوئی تو وہ اپنا کٹا ہوا پاؤں ڈھونڈتے تھے اور کہتے تھے کہ میرا پاؤں کہاں ہے؟ ان کے قبیلے کے لوگ ان کے اس واقعہ پر ہمیشہ فخر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ شاعر سوار بن اوفیٰ نے ان کے متعلق کہا تھا۔

وَمِنَّا ابْنِ عِتاب وَنَا شَدَ رِجْلَهٗ

وَمِنَّا الَّذِیْ اَدّٰی اِلَی الْحَیِّ حَاجِباً

بہر حال رومی پسپا ہونے شروع ہو گئے تھے اور مسلمان ان کا تعاقب کرتے ہوئے طرح کاٹ رہے تھے۔ رومی تیزی سے پیچھے ہٹتے گئے یہاں تک کہ پیچھے ایک نالہ آ گیا۔ مسلمانوں نے رومیوں کو اس قدر قتل کیا کہ وہ نالہ لاشوں سے بھر گیا اور میدان خالی ہو گیا۔

یہ ایک فیصلہ کن جنگ تھی۔ شام سے رومیوں کی بساط ہمیشہ کے لیے لپٹ گئی قبل جو اس وقت انطاکیہ میں تھا جب اسے اس لشکر کی شکست کی اطلاع ملی تو اس نے شام کی طرف منہ کر کے کہا "الوداع اے شام" اور خود قسطنطنیہ کی طرف بھاگ گیا۔

اس جنگ میں ایک لاکھ[1] رومی مارے گئے اور کوئی تین ہزار مسلمان شہید ہوئے۔

---

[1] طبری اور ازدی، بلاذری نے ستر ہزار لکھا ہے۔

یرموک کا میدان جہاں کچھ دن قبل بھیانک موت کا کھیل کھیلا گیا تھا۔ جہاں ہ
طرف موت منڈلاتی پھرتی تھی، اب اُداس اور خاموش ہو گیا تھا۔ مسلمان پڑاؤ ڈال چکے
تھے۔ زخمیوں کی مرہم پٹی ہو رہی تھی۔ کچھ لوگ آرام کر رہے تھے۔

ایک خیمے میں صمام جنید کی مرہم پٹی کرنے کے بعد سلیمان کے زخم دھو کر پ
باندھ رہا تھا۔ ایک طرف عروہ بن مسعود سویا ہُوا تھا۔ صمام جب پٹی باندھ چکا تو سلیما
نے پوچھا۔

"تمہارے کوئی زخم تو نہیں آیا اخی!"

صمام ہاتھ دھونے لگا تھا۔

"نہیں، چند رومیوں نے دو ایک بار مجھے ڈھال ماری تھی مگر میری
کافی مضبوط ہے اس نے مجھے بچا لیا۔"

صمام ابھی تک جنگ کا خون آلود لباس پہنے ہوئے تھا۔ گو ابھی تک اس
اسلام قبول نہ کیا تھا تاہم اسلامی لشکر میں شامل ضرور ہو چکا تھا۔ جب وہ ہاتھ دھو چکا
جنید نے پوچھا۔

"تم رومی لشکر میں کیسے داخل ہو گئے۔"

صمام نے لمبا سانس لیا

"طویل داستان ہے۔"

"پھر بھی۔"

"میں اپنی بستیوں کو آباد کرنے کے بعد یہاں ایک لڑکی کو لینے دمشق آیا تھ

جنید نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اتنا تو ہمیں بھی معلوم ہے۔ ہم بھی بستی سے ہو کر آئے تھے۔ ہم نے وہاں
مارا پتہ کیا تھا۔ صرف یہ بتاؤ کہ دمشق سے آگے تم کدھر گئے۔"

"دمشق سے سب قیدیوں کو اجنادین لے جایا گیا تھا۔ وہاں جب رومیوں کو
ہوئی تو میں دوسرے قیدیوں کے ساتھ وہاں سے فرار ہو کر دمشق گیا مگر ابھی میں شہر
دُور تھا کہ پتہ چلا مسلمان شہر کا محاصرہ کر رہے ہیں۔ میں وہاں سے بھاگا اور سیدھا انطاکیہ

وہاں میں نے ایک سرائے میں کچھ عرصہ تک قیام کیا۔ وہاں بیکار پڑے پڑے میں
اُکتا گیا۔ ایک روز مجھے پتہ چلا کہ شہر سے باہر ایک ایک ہزار دستوں کے سوار اُترنے کے
مقابلے ہو رہے ہیں۔ میں بھی ان میں شامل ہو گیا اور مقابلہ جیتنے کے بعد ایک ہزار سوار دل
سردار مقرر کر دیا گیا۔ وہاں سے رومیوں کے ٹڈی دل لشکر کے ساتھ میں یہاں یرموک آپہنچا
کے بعد جنگ میں کیا حالات پیش آئے تم خود ہی جانتے ہو۔"

جنید نے اس بار ذرا تعجب سے پوچھا۔

"تم یہودیوں پر کیسے غالب آ گئے۔"

صمام اداس ہو گیا۔

"جب میں قید کر لیا گیا تو تیسرے دن یہودی مجھے میری بستی کو آخری بار دکھانے
قطرلے گئے اس وقت اسمار زندہ تھی۔"

صمام رُک گیا اور اپنے آنسو پونچھے۔

سلیمان بھی رو پڑا تھا۔

"وہ بچاری میری حالت دیکھ کر مجھ سے لپٹ گئی اور میری عبا کے اندر ایک ریتی
ں دی جس کی مدد سے میں اپنی زنجیریں کاٹ کر ایک روز قید سے بھاگ نکلا۔ وہاں سے
رج راہط گیا۔ اپنے چند پرانے دوستوں کی مدد سے عرب جوانوں کو جمع کیا اور یہودیوں کو
صحرا سے ختم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔"

صمام نے اس سے پوچھا۔

"مگر تم جنگ کے بعد کہاں بھاگ گئے تھے؟"

جنید نے کمر سے بندھی ہوئی چمڑے کی پیٹی کھول کر ایک طرف رکھ دی۔ ہم کے ہاتھوں جب ہمیں شکست ہوئی تو میں اور سلیمان بھاگ گئے۔ ایک رات ہم چوری بستی میں آئے۔ اسماء ابھی وہیں تھی۔ ہم دونوں نے اس کی بہت منتیں کیں کہ یہاں ابھی اور ظلم کریں گے لہٰذا وہ ہمارے ساتھ بھاگ چلے مگر وہ نہ مانی۔ وہ کہتی تھی جب میرا شوہر یہودیوں کی قید میں ہے میں کہیں بھاگ کر نہ جاؤں گی۔

ناچار ہم دونوں وہاں سے بھاگ کر قراقر کی طرف چلے گئے۔ ہم نے کئی ماہ تک لگاتار عربوں کو جمع کر کے یہودیوں سے بدلہ لینا چاہا مگر ہمیں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ پھر ہم خالد بن ولید کے لشکر میں شامل ہو گئے۔

"سنا ہے تمہارا لشکر اپنی بستیوں میں سے ہو کر آیا تھا۔"

"ہاں"

صمام نے اشتیاق سے پوچھا۔

"بستیاں کیسی ہیں اب؟"

"خوب آباد ہیں اور وہ سب لوگ مسلمان بھی ہو چکے ہیں۔ ان میں سے بہت سے اس جنگ میں حصہ بھی لے رہے ہیں۔"

صمام کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"کون کون ہیں؟"

"ہمیں اُن کے نام تو یاد نہیں تاہم کافی ہیں۔"

"تم دونوں نے کن کن جنگوں میں حصہ لیا ہے؟"

"سب میں، اجنادین گئے، دمشق محل میں لڑے، حمص کی جنگ میں بھی حصہ لیا ہم نے۔"

سلیمان جو اب تک خاموش ہی تھا ہچکچاتے ہوئے کہنے لگا۔

"ایک اور نئی بات بھی ہے اخی!"

صمام نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔

"کیا؟"

سلیمان نے کنکھیوں سے جنید کی طرف دیکھا۔

"بتا دوں وہی دمشق والی بات؟"

"بتا دو۔"

"ہم دونوں نے شادی بھی کر لی۔ ہے اخی!"

صمام مسکرا اٹھا۔

"کہاں؟"

"دمشق میں کچھ عیسائی لڑکیاں مسلمان ہو گئی تھیں۔ ان میں دو بہنیں بالکل یتیم اور تھیں۔ بڑی سے جنید نے نکاح کر لیا اور چھوٹی سے میں نے۔"

صمام بے حد خوش نظر آ رہا تھا۔

"اب کہاں ہیں وہ؟"

"دمشق ہی میں ہیں۔"

"میں تم دونوں کو مبارک باد دیتا ہوں۔"

جنید نے پھر پوچھا۔

"وہ ربطہ جسے تم لینے آئے تھے کہاں گئی؟"

صمام اداس ہو گیا۔

"اُس وقت دمشق سے پانچ میل دُور ایک قصبہ رباع کے کلیسا میں راہبہ تھی، نہیں کہاں اور کس حال میں ہو گی؟"

جنید نے شرارت کی۔

"تم سے محبت بھی کرتی ہو گی۔"

صمام خاموش ہی رہا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

اتنے میں ایک دیو قامت جوان خیمے میں داخل ہوا۔ وہ عمار تھا۔ صمام
صمام اُٹھا اور بھاگ کر اسے گلے لگا لیا۔

"او عمار! تم یہاں؟ کہو کیسے ہو؟"

عمار جو قد میں صمام سے کچھ چھوٹا تھا اس کے کندھے پر اپنا منہ رکھتے ہو
"تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ یہ دھوکہ اور فریب ہے۔"

صمام اسے ساتھ لے کر بیٹھ گیا۔

"کیوں؟ کیسا دھوکہ؟ کیسا فریب؟"

"اکیلے بستی سے بھاگ گئے اور پتہ نہیں کہاں کہاں قید ہوتے پھرے۔ دونو
کے لوگ تمہاری اچانک گمشدگی سے سخت پریشان ہیں۔ میں خبر نہیں تمہاری تلاش
کہاں کہاں مارا مارا پھرا مگر تم کہیں نہ ملے۔ کم از کم مجھے تو اطلاع کی ہوتی۔"

"میرا تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں اب یہاں ہوں۔"

"ازدی قبیلے کے ایک جوان نے بتایا تھا۔ سنا ہے جنگ میں تم نے ایک
کے سردار کی جان بچائی تھی۔ تمہارا سنتے ہی میں ادھر چلا آیا۔ میں جانتا تھا۔ جنید او
کے علاوہ تم کہیں اور نہ ہوگے۔"

"حبابہ بہن کیسی ہے؟"

"بالکل ٹھیک ہے۔ تمہیں بہت یاد کرتی تھی۔"

"بستی کے لوگ خوش ہیں"

"سب ہی خوش ہیں مگر تمہاری کمی محسوس کرتے ہیں۔ چلو اُٹھو میرے سا

"کہاں؟"

دونوں بستیوں کے جوان جو اس جنگ میں شامل ہوئے تھے۔ بڑی بیتا
تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ تو سب میرے ساتھ آتے تھے۔ پر میں نے ہی انہیں
سب یہیں ٹھہرو، میں صمام کو لے کر آتا ہوں۔"

صمام کھڑا ہو گیا۔

"چلو پھر چلیں۔"

ساتھ ہی اس نے جنید کی طرف دیکھا۔

"میں آتا ہوں تھوڑی دیر تک۔"

صمام اور عمار دونوں خیمے سے باہر نکل گئے تھے۔

○

رات تقریباً جا چکی تھی۔ لوگ اُٹھ کر عبادت میں مصروف تھے۔ کچھ خدائے برتر
حضور سربسجود تھے۔ ایک عجیب سماں تھا۔ لشکر میں ابھی ویسے صبح نہ ہوئی تھی اور
طرف گہرا اندھیرا تھا۔

صمام ایک دم جاگ اٹھا اور کچھ سننے کی کوشش کرنے لگا۔ دفعتہً فضاؤں میں
آواز ابھری اور اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ وَخَلَقَ الْجَآنَّ
اس نے انسان کو ایسی مٹی سے پیدا کیا جو ٹھیکری کی طرح بجتی ہے اور جنات
ن مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝
و خالص آگ سے پیدا کیا

صمام اُٹھا اور بھاگتا ہوا باہر آیا۔ آواز کا اس پر کچھ اس طرح اثر ہوا تھا کہ وہ
ں کی طرف از خود ہی کھنچا جا رہا تھا۔

خیمے سے جب وہ باہر آیا تو اس نے دیکھا کہ ایک جوان جو گھوڑے پر سوار
تھ میں جلتی ہوئی مشعل پکڑے ہوئے تھا۔ لشکر کے گرد پہرہ دیتے ہوئے قرآن پاک کی
کر رہا تھا۔ وہ لشکر کا خوش الحان قاری مقدار تھا۔

آواز پھر اُبھری اور صمام کا سینہ چاک کرتی ہوئی چلی گئی۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝

تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

صمام اپنے آپ میں نہ رہا تھا۔ کوئی نادیدہ قوت اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔

آواز اس کے کانوں سے ہو کر دل میں اُتر رہی تھی اور وہ دونوں کو ایک ریسمان میں پرو رہا تھا
کوئی اسے پکار رہا تھا۔ جیسے کوئی گلفام کوئی نادیدہ سروش آوازیں دے رہا
کسی نے اسے مدہوش کر کے رکھ دیا اور آیاتِ ربّانی کے وہ الفاظ اس پر
نشہ اور سرور طاری کر رہے تھے کہ وہ ان کی طرف کھنچتا جا رہا تھا۔ اس کی حالت عجیب
تھی۔ وہ دوبارہ ایسے الفاظ سننے کو بیتاب نظر آتا تھا۔

مقدارؓ لشکر کے گرد بڑی تیزی سے گھوڑا دوڑا رہا تھا۔ صمام اس کی طر
بھاگنے لگا۔

آواز اس بار ذرا بلند ہو کر ابھری اور لگاتار سنائی دی جیسے آسمان کے فرشتے
رب کی طرف سے پکارنے لگے ہوں۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۝

اس نے دو دریاؤں کو بلایا کہ باہم ملے ہوئے ہیں مگر ان دونوں کے درمیان
ایک حجاب ہے کہ آگے نہ بڑھ سکیں۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝

تو تم اپنے ربّ کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

صمام نے ایک جگہ کھڑے ہو کر پھر اس آواز کو غور سے سُنا اور دوبارہ اس کی طر
بھاگ نکلا۔ وہ پاگل ہُوا جا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ جنید، سلیمان، عمار
اور عروہ بن مسعود بھی اس کے پیچھے پیچھے بھاگ رہے تھے۔

مقدارؓ کی آواز اس بار اور زیادہ بلند ہو کر سنائی دی۔

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝

ان دونوں سے موتی اور مونگا نکلتا ہے۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝

تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَـَٔاتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝

اسی کے اختیار میں ہیں جہاز جو پہاڑوں کی طرح اُونچے کھڑے ہیں۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝

تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

صمام کچھ دیر رُک کر پھر اس سمت بھاگ کھڑا ہُوا تھا۔ وہ اب بُری طرح رو رہا تھا۔ بھاگتا بھی جاتا تھا اور اپنے عمامے کے پلو سے بار بار اپنے آنسو بھی پونچھتا جاتا تھا۔ وہ کپکپا رہا تھا جیسے کوئی قوت اُسے بُری طرح جھنجھوڑ رہی ہو۔

مقدارؓ کی آواز اب کچھ ایسی بلند ہو کر اُبھری کہ اس کے جسم کو چیرتی ہوئی نکل گئی

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝

جو بھی اس زمین پر ہیں سب فنا ہو جائیں گے۔ صرف آپ کے رب کی ذات جو عظمت اور احسان والی ہے باقی رہے گی۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝

تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے

صمام اب دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ وہ خوف سے کانپ رہا تھا۔ اس کا سارا لباس پسینے سے شرابور ہو چکا تھا۔ وہ بار بار گر پڑتا تھا۔ اس کی حالت قابلِ دید تھی۔ وہ اپنے حواس میں نہ تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی چیز اسے مضبوطی سے باندھ کر اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ اب وہ بار بار گر رہا تھا اور بار بار اُٹھ کر دوڑ پڑتا تھا۔ وہ اب مقدار کے نزدیک پہنچ چکا تھا۔

آواز پھر اُبھری۔

يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ۝

اسی سے سب آسمان اور زمین والے مانگتے ہیں۔ وہ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتا ہے۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝

تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ۝

ہم عنقریب تمہارے حساب کتاب کے لیے فارغ ہو جاتے ہیں۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝

تو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے

صمام نے ہانپتے کانپتے مقدادؓ کے گھوڑے کی رکاب پکڑ لی ۔ وہ بُری طرح سسک سسک کر رو رہا تھا ۔

مقدادؓ نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"کون ہو تم ؟"

صمام کی آواز اس کا ساتھ نہ دے رہی تھی ۔

"آہ ، مَیں ——— مَیں ——— مجھے ——— آہ مَیں کیسا قبیح ہوں ———"

مقداد اپنے گھوڑے سے اُتر پڑا ۔ صمام بے سُدھ سا ہو کر ریت پر گر گیا تھا ۔ مقدادؓ اس کے قریب آیا اور ہاتھ میں پکڑی ہوئی مشعل اس کے قریب ہی ریت میں گاڑتے ہوئے پوچھا ——— "کون ہو تم میرے بھائی !"

صمام نیم بے ہوشی کی حالت میں لیٹا تھا اور اونچے اونچے سانس لے رہا تھا ۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہہ رہا تھا ۔ مقدادؓ کی بات کا اس نے کوئی جواب نہ دیا مقدادؓ نے اسے سہارا دے کر بٹھایا ۔

"تمہیں کیا ہوا میرے بھائی ۔ بولتے کیوں نہیں تم کون ہو، کیا نام ہے تمہارا ؟"

"مَیں ——— مَیں وہ بدنصیب ہوں ۔"

اُس کی آواز ڈوب گئی ——— اور وہ کچھ نہ کہہ سکا ۔

مقدادؓ نے اُس کی پیٹھ تھپتھپائی ۔

"بولو، بولو ۔ کھُل کر کہو کیا کہنا چاہتے ہو ۔"

"مَیں وہ بدنصیب ہوں جو آج تک اس روشنی سے دُور ہی دُور بھٹکتا رہا ۔ مَیں ایک ایسا بھٹکا ہوا مسافر ہوں جو اپنے سنہری غول سے بچھڑ گیا تھا ۔"

مقدادؓ اس کی بات کچھ کچھ سمجھ گیا تھا ۔

"تم شاید ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے ۔"

صمام نے روتے ہوئے نفی میں سر ہلایا ۔

"نہیں ۔"

اتنے میں جنید، عمار، عروہ اور سلیمان بھی اس کے گرد آ کر کھڑے ہو گئے تھے ۔

مقدادؓ نے پھر نرمی سے پوچھا ۔

"مجھ سے کیا چاہتے ہو ؟"

صمام نے اپنی عبا کے اندر سے نقدی کی دو تھیلیاں نکالیں اور کانپتی ہوئی آواز میں کہا ۔

"نقدی کی ایک تھیلی پہلے ہی میرے پاس تھی ۔ دوسری آج مالِ غنیمت کے حصے میں مجھے ملی ہے ۔ تم گھوڑے پر سوار ہو کر جو کچھ پڑھ رہے تھے اگر دوبارہ پڑھو ۔ تو یہ دونوں تھیلیاں میری کل متاع ہیں مَیں تمہارے حوالے کر دوں گا ۔ اس کے ساتھ ہی وہ پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا ۔

مقدادؓ بھی رو پڑا تھا ۔ پیچھے کھڑے جنید، عمار، عروہ اور سلیمان بھی رو رہے تھے ۔ مقداد نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے ۔ دونوں تھیلیاں اس کی گود میں رکھ دیں اور لرزتی ہوئی آواز میں کہا ۔

"ان کی ضرورت نہیں ہے ۔"

صمام کانپ گیا وہ اور زیادہ بدحواس ہو کر بولا ۔

"اگر یہ نقدی کم ہو تو مَیں ساری عمر تمہارا غلام بننے کو تیار ہوں ۔ صرف ایک بار وہ آیات پھر پڑھو جو تم پڑھ رہے تھے ۔ یقیناً یہ کلام کسی انسان کا نہیں ہے ۔"

مقدادؓ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا ۔

"مَیں تمہیں مفت سُناؤں گا ۔"

صمام کی آنکھیں چمک اُٹھیں ۔

"مَیں تمہارا احسان مند ہوں گا ۔"

"کیا تم پہلے مسلمان ہونا پسند کرو گے ۔"

"صام نے فوراً کہہ دیا۔

"ہاں"

مقدارؓ نے زور سے کہا تو پھر پڑھو

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ۝

صام بڑی روانی سے پڑھ گیا۔

مقدارؓ کی آواز پھر فضا میں اُبھری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ .....

رحمٰن جس نے قرآن سکھایا اس نے انسان کو پیدا کیا۔

یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے فضاؤں میں نور ہی نور بکھر گیا ہو۔ ہر طرف اجالے ہی اجالے پھیل گئے ہوں۔ مقدار بڑے رقت آمیز انداز میں پڑھ رہا تھا اور اس کے سامنے بیٹھے ہوئے صام کی آنکھوں سے آنسوؤں کے موٹے موٹے قطرے نکل نکل کر ریت میں جذب ہو رہے تھے۔

جنید اور سلیمان کے ساتھ صام دمشق آیا۔ دونوں کی بیویاں جو سگی بہنیں تھیں، بالکل ہم شکل تھیں۔ صام جب ان کے ہاں داخل ہوا تو وہ دونوں بہنیں ظہر کی نماز ادا کر رہی تھیں۔ جنید اور سلیمان نے شاید پہلے ہی ان دونوں کو صام کے متعلق بتا رکھا تھا۔ دونوں بہنیں بڑے تپاک اور چاہت سے اس کے ساتھ پیش آئیں۔

جنید کی بیوی جو بڑی تھی اس کا نام مزینہ اور سلیمان کی بیوی جو چھوٹی تھی اس کا نام قبالہ تھا۔ نماز سے فارغ ہو کر جلدی جلدی وہ اٹھیں اور تینوں کے لیے کھانا تیار کیا صام ان کے سلوک اور حرکات سے بے حد متاثر ہو رہا تھا۔

کھانے کے بعد صام نے جب سلیمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں اب جاتا ہوں۔"

تو جنید کی بیوی سامنے آ کھڑی ہوئی اور بڑی ہمدردی سے پوچھا۔

"کہاں جاؤ گے اخی!"

صام نے ٹالنا چاہا۔

"ایک ضروری کام ہے۔"

"کوئی کام نہیں۔ جتنے دن یہ یہاں ہیں آپ بھی یہیں رہیں گے۔"

صام نے اسے تسلی دی۔

"میں بہت جلد واپس آؤں گا میری بہن۔"

"اول ہوں، ہم نہیں جانے دیں گے۔"

اتنے میں سلیمان کی بیوی قبالہ بھی آگے آئی اور شرماتے ہوئے پوچھا۔

"ربطہ کو کب لاؤ گے اخی!"

صمام اداس ہو گیا۔

"سلیمان نے اس سکوت کو توڑا۔

"ابھی اسے ہی تو لینے جا رہے ہیں۔"

قبالہ نے پھر پوچھا۔

"کہاں ہے وہ؟"

"یہاں سے نزدیک ہی کوئی قصبہ ہے وہاں رہتی ہے۔"

مزینہ بھی مسکرا دی اور صمام کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اخی! پھر ہم تمہیں نہیں روکتے۔ جاؤ ابھی جا کر لے آؤ ربطہ کو۔ پر جلد لوٹ کر آنا۔

صمام کھڑا ہو گیا۔

سلیمان نے پوچھا۔

"اخی! ہم بھی ساتھ چلیں۔ کوئی جھگڑے کا امکان تو نہیں ہے۔

صمام نے اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور باہر جاتے ہوئے کہا۔

"کوئی ضرورت نہیں میں بہت جلد لوٹ آؤں گا۔"

قصبہ رباع کے مکانوں میں سے ہوتا ہوا صمام کلیسا میں داخل ہوا۔ اس نے سب کمرے چھان مارے مگر پورا کلیسا خالی اور اداس پڑا تھا۔ سب کمروں میں مٹی کی ایک موٹی تہ جم گئی تھی۔ صمام غمگین ہو گیا۔

کلیسا سے باہر نکل کر وہ ایک گلی میں آیا اور وہاں کھڑے ایک بوڑھے سے کلیسا کے راہب زنیم کے متعلق پوچھا۔

بوڑھے نے لاعلمی کا اظہار کر دیا۔

صمام افسردہ سا ہو کر جب واپس مڑا تو اس بوڑھے نے اسے پھر روکا۔

"سنو!"

"تمہیں اس سے کوئی کام ہے۔"

صمام کی امید بندھی۔

"ہاں ایک بے حد ضروری کام ہے۔"

"وہ کئی دن ہوئے کلیسا سے غائب ہے۔ وہ سامنے والے گھروں میں سے کسی سے پتہ کر لو۔ وہ لوگ ابھی تک عیسائی ہیں۔ راہب کا اُن کے ہاں کافی آنا جانا تھا ——— کیا تم مسلمان ہو؟"

یہاں کے زیادہ لوگ مسلمان ہو چکے ہیں۔

صمام نے ان گھروں میں سے ایک کے دروازے پر دستک دی جن کی نشاندہی اس بوڑھے نے کی تھی۔ تھوڑی دیر بعد سانولے سے ایک نوجوان نے دروازہ کھولا اور صمام کی طرف دیکھا۔

"کس سے ملو گے؟"

"مجھے اس کلیسا کے راہب زنیم کے متعلق پوچھنا ہے کہ وہ کہاں چلا گیا ہے۔"

نوجوان ہچکچایا۔ تھوڑی دیر سوچتا رہا پھر صاف انکار کر گیا۔

"ہمیں تو اس کے متعلق کچھ خبر نہیں۔"

صمام کا ہاتھ بے اختیار تلوار کے دستے پر جا ٹھہرا۔

"سیدھی طرح سچ سچ بتا دو، ورنہ بچ کر اندر نہ جا سکو گے۔"

نوجوان خوف سے کانپنے لگا۔

صمام نے اسے تسلی دی۔

"اگر تم مجھے سچ کہہ دو تو میں تمہیں کچھ نہ کہوں گا۔ مگر یاد رکھو اگر تم نے مجھے اس کے متعلق کوئی غلط خبر دی اور وہ مجھے وہاں نہ ملا تو میں واپس آ کر تم سے اس کا بھیانک انتقام لوں گا۔"

"وہ تو قلیسا ریہ چلا گیا" اس نوجوان نے کانپتے ہوئے کہا۔

"کب؟"

"کافی دن ہو گئے ہیں۔"

"اور وہ جو اس کے ساتھ راہبہ تھی وہ کدھر گئی۔"

"اسے بھی وہ اپنے ساتھ زبردستی لے گیا ہے۔"

صمام اُلجھن میں پڑ گیا۔

"کیوں زبردستی کیوں۔ کیا وہ اس کے ساتھ نہیں جانا چاہتی تھی؟"

"وہ مسلمان ہو گئی تھی۔ راہب نے اسے کئی دن تک اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر کلیسا میں بند رکھا تھا۔ پھر کچھ دن بعد یہاں سے اس نے ایک بگھی کا انتظام کیا اور ایک رات اسے اپنے ساتھ لے کر قیساریہ روانہ ہو گیا۔"

صمام نے اس نوجوان کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

"میں تمہارا مشکور ہوں۔"

صمام وہاں سے ہٹ کر اس بستی کے بازار کی طرف جا رہا تھا۔

○

صمام نے رباع کے بازار سے اپنے لیے زادِ راہ خریدا اور اسی وقت وہ قیساریہ روانہ ہو گیا۔ وہ بہت جلد قیساریہ پہنچنا چاہتا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ وہ عیار راہب کہیں وہاں سے بھی کوچ نہ کر جائے۔

طبریہ کے راستے وہ منزل پر منزل مارتا ہوا قدرات پہنچا۔ یہاں بھی اس نے دیکھا کہ کافی لوگ مسلمان ہو چکے ہیں۔ اس نے وہاں ایک عرب مسلمان کی سرائے میں قیام کیا۔ گھوڑے کو تازہ دم کرنے کے لیے وہ وہاں ایک دن رُکا۔ اپنے لیے بھی زادِ راہ تیار کرایا اور گھوڑے کا توبرا بھی چارے سے بھرا لیا تھا۔

سرائے سے نکلتے وقت اس نے سرائے کے مالک حاطب سے بڑی رازداری سے پوچھا ——— "سیدی! تمہیں پتہ ہو یہاں سے کچھ دن قبل کوئی راہب بھی گزر رہا ہے۔"

حاطب نے سوچنے کے انداز میں ماتھے پر ہاتھ رکھا پھر چونک کر کہا۔

"اس کے ساتھ ایک نوجوان اور سنہری بالوں والی خوبصورت لڑکی بھی تھی۔"

"ہاں ہاں وہی۔ وہی راہب۔"

"کچھ ہی دن ہوئے اس نے یہاں اس لڑکی کے ساتھ دو دن قیام کیا تھا۔ پھر ساریہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ میرے خیال میں وہ رازداری سے سفر کر رہا تھا۔ کیونکہ وہ سنہری بال والی اس لڑکی سے کسی کو ملنے بھی نہ دیتا تھا۔"

صمام نے دُکھ سے کہا۔

"وہ لڑکی مسلمان تھی وہ راہب اسے زبردستی اپنے ساتھ لے گیا ہے۔"

حاطب نے افسوس کیا۔

"کاش مجھے خبر ہوتی تو میں اس بوڑھے عیار کا گلا گھونٹ کر اس معصوم بچی کو چھڑا لیتا۔ بڑی پیاری اور معصوم لڑکی تھی۔ خبر نہیں کیا گزری ہو گی بیچاری پر۔ کیا تم اسی کی تلاش میں نکلے ہو؟"

"ہاں میں اب اس کی تلاش میں قیساریہ جا رہا ہوں۔"

"کیا وہ تمہاری"

"میری منگیتر ہے؟"

حاطب مسکرا دیا"

"اوہ سمجھا، تبھی تم اتنے بیتاب دکھائی دے رہے ہو۔ اچھا جاؤ خدا تمہیں اپنے مقصد میں کامیاب کرے۔"

صمام اس سرائے سے نکل کر پھر قیساریہ کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

○

کئی روز کی لگاتار مسافت کے بعد صمام ایک روز صبح ہی صبح قیساریہ میں داخل ہوا۔ شہر میں داخل ہونے سے پہلے اس نے رُومی سپاہیوں کا لباس پہن لیا جو اسے انطاکیہ میں ملا تھا۔ کیونکہ قیساریہ پر ابھی تک رومنوں کا قبضہ تھا۔

سب سے پہلے اس نے ایک سرائے میں قیام کیا۔ کچھ دیر خود آرام کیا اور گھوڑے کے لیے بھی چارے کا بندوبست کیا۔ سہ پہر کے قریب وہ پھر سوار ہوا اور شہر

میں گھومنے لگا۔ یہ اتنا بڑا شہر تھا کہ اس کے تین سو[1] بازار تھے۔ لاکھ اس نے کوشش کی مگر ربطہ کا کہیں نشان نہ ملا۔

یہاں قیام کر کے اس نے کئی دن تک لگاتار ربطہ کو تلاش کیا۔ ہر روز جہاز کی روانگی کے وقت وہ بندرگاہ بھی پہنچ جاتا تاکہ راہب بحیرہ روم کے راستے کہیں بھاگ نہ جائے۔ شہر کی ایک ایک سرائے بھی وہ بڑی تندہی سے چھان رہا تھا۔ مگر ربطہ کا اُت کہیں بھی سراغ نہ ملا تھا۔

ایک روز وہ ایک سرائے میں جب داخل ہوا تو اس کی آنکھیں خوشی سے چمک اُٹھیں۔ سامنے ہی اس کا گھوڑا بندھا ہوا تھا جو دشت میں گرفتار ہوتے وقت ربطہ کے پاس کھلیا ہی میں رہ گیا تھا۔

صمام جب گھوڑے کے پاس آیا تو اس نے گھاس کھانا چھوڑ دی اور صمام کو دیکھ کر زمین پر پاؤں مارتے ہوئے ہنہنانے اور نتھنے پھڑپھڑانے لگا۔ صمام نے وہاں رُک کر تھوڑی دیر تک گھوڑے کو پیار کیا۔ پھر سرائے میں داخل ہوا اور مالک سے پوچھا۔

"کیا یہاں کوئی رفیم نام کا راہب بھی ٹھہرا ہوا ہے؟"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہاں، اُوپر کی منزل پر ہے۔"

"کیا تم اس کے کمرے تک میری رہنمائی کرو گے؟"

"سیڑھیاں چڑھنے کے بعد بائیں ہاتھ پانچواں کمرہ ہے۔"

صمام سیڑھیاں چڑھ کر اُوپر آیا۔ پانچویں کمرے پر جب اس کی نگاہ پڑی تو وہ پھر اُداس ہو کر رہ گیا۔ کمرے کو باہر سے تالا پڑا تھا۔ صمام نے کمرے کے گرد ایک چکر لگایا پھر لوہے کی سلاخوں والی ایک کھڑکی کے پٹ پر ہاتھ رکھا تو وہ کھل گیا۔ صمام مسکرا اٹھا۔ ربطہ ایک پلنگ پر لیٹی ہوئی تھی۔ صمام اسے غور سے دیکھنے لگا۔ وہ بیچاری بے حد لاغر

---

[1] بلاذری

ہو گئی تھی۔

صمام نے اسے ہلکے سے پکارا۔

"ربطہ! ربطہ!"

مگر وہ اسی طرح لیٹی رہی۔

صمام نے پھر ذرا زور سے پکارا۔

"ربطہ! ربطہ!"

مگر وہ پھر بھی نہ اُٹھی۔

صمام پیچھے ہٹا اور اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کوئی چیز تلاش کرنے لگا۔ ایک طرف اس نے ایک پتھر اُٹھایا اور کھڑکی میں سے تاک کر ربطہ پر مارا۔ پتھر ربطہ کی ران پر لگا وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھی۔

صمام نے پھر پکارا

"ربطہ!"

ربطہ نے گھبرا کر کھڑکی کی طرف دیکھا۔ صمام کو دیکھتے ہی وہ تیزی سے اپنا لباس درست کرتی ہوئی اُٹھی اور بھاگتی ہوئی کھڑکی کے پاس آئی اور صمام کے ہاتھ تھام لیے۔

"اوہ صمام! تم آ گئے؟ واللہ تم عین وقت اور مناسب موقع پر آئے ہو، ورنہ تو اپنی زندگی سے ہی مایوس ہو گئی تھی۔"

صمام نے اس کا گال سہلایا۔

"میں تمہیں اکیلا کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟"

"کب آئے ہو؟"

"کئی دن سے یہاں آیا ہوا ہوں۔ لگاتار تمہیں تلاش کرتا رہا بڑی مشکل سے آج ہو۔ وہ عیار راہب کہاں ہے؟"

"بندرگاہ گیا ہوا ہے جہاز میں جگہ حاصل کرنے کے لیے۔"

"تو کیا وہ تمہیں یہاں سے بھی لے جا رہا ہے؟"

"ہاں"

"کدھر؟"

"قسطنطنیہ"

"اب میں اس بوڑھے عیار سے بات کروں گا"

ربطہ نے صمام کے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

"نہیں صمام! ایسے نہیں۔ یہاں سب رومی سپاہی اس کی بے حد عزت کرتے ہیں۔ کسی طریقے سے اسی سانپ کے ہاتھوں جان چھڑا پڑے گی۔ پھر وہ ذرا رکی اور اس سے پوچھا۔

"صمام! ایک بات کہوں؟"

"کہو!"

"میں مسلمان ہو چکی ہوں"

صمام مسکرا دیا۔

"مجھے خبر ہے میں خود اسلام لا چکا ہوں"

ربطہ خوش ہو گئی۔

"اللہ تیرا شکر ہے"

"جیل سے کیسے نکلے؟"

"وہ سب قیدیوں کو مسلمانوں کے مقابلے کے لیے اجنا دین لے گئے تھے۔ میں وہاں سے بھاگ کر انطاکیہ چلا گیا۔ وہاں پھر ہرقل کے لشکر میں داخل ہونا پڑا۔ یرموک کے میدان میں میں دل سے اسلام قبول کر چکا تھا اور یہ جنگ میں نے رومیوں کے خلاف مسلمانوں کا ساتھ دیتے ہوئے لڑی تھی۔ جنگ کے بعد میں نے باقاعدہ اسلام قبول کر لیا۔

"میں بھی دن رات یہی دعائیں مانگا کرتی تھی کہ اللہ کرے تم مسلمان ہو چکے ہو اور میری مدد کو پہنچو۔ میں نماز کے بعد ہر روز ایسی ہی دعا مانگا کرتی تھی۔ ویسے مجھے اپنے خدا سے امید تھی کہ ایک روز وہ ضرور مجھے تم سے ملائے گا۔ آخر خدا نے میری دعا

سن لی۔"

"تم نے راستے میں کسی کو مدد کے لیے کیوں نہ پکارا؟"

"کیسے پکارتی اس راہب نے میرا منہ باندھ رکھا تھا اور چہرے پر بھاری نقاب چڑھا دیا تھا۔ وہ یہاں تک مجھے تقریباً باندھ کر لایا ہے۔"

بحیرہ روم کی طرف سے مون سونی خنک ہوائیں چل رہی تھیں اور ربطہ کے بھوری بال بڑے خوبصورت انداز میں اڑ رہے تھے۔ صمام کی انگلیاں اس کے خوبصورت بھوری بالوں سے کھیلنے لگیں۔

"بہت کمزور ہو گئی تم!"

"یہاں آ کر میں کئی روز تک بیمار پڑی رہی تھی"

"تو یہ کمرے کو باہر سے تالا کیوں پڑا ہے؟"

"روز ایسے ہی کرتا ہے۔ جب باہر جاتا ہے کمرے کو تالا لگا جاتا ہے تاکہ میں بھاگ نہ جاؤں"

صمام پیچھے ہٹنے لگا۔

"اچھا تم آرام کرو، میں بندرگاہ جاتا ہوں"

ربطہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ٹھہرو! باہر بہت سردی ہے میری پوستین لیتے جاؤ"

"نہیں، نہیں، اس طرح وہ جان جائے گا کہ میں تم سے مل کر آیا ہوں۔ میں سے کسی پھندے میں لا کر ماروں گا تاکہ وہ مجھ پر شبہ ہی نہ کر سکے"

ربطہ نے بیتاب ہو کر کہا۔

"تمہارے پاس کوئی بھاری کپڑا بھی نہیں۔ پھر زیادہ دیر تک باہر نہ ٹھہرنا۔ اگر ملے تو اسے لے کر یہیں آ جانا"

صمام نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر ہلائی۔

"تم فکر نہ کرو میں جلدی واپس آ جاؤں گا"

○

سرائے سے نکل کر صمام بندرگاہ پر آیا اور اپنا گھوڑا اِدھر اُدھر لے جاتے ہو
نعیم راہب کو تلاش کرنے لگا۔ اس نے بندرگاہ کے کئی چکر لگائے مگر وہ کہیں دکھائی
دیا۔ وہ واپس جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ راہب کچھ آدمیوں کے ساتھ باتیں کرتا ہو
ایک شراب خانے سے نکلا۔ صمام فوراً اس کے سامنے سے گزرا۔ مگر اس نے راہب کو
نہ کیا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ راہب اسے خود دیکھ کر مخاطب کرے۔

دوبارہ پھر وہ راہب کے سامنے سے گزرا۔ اس بار اس نے صمام کی طرف دیکھ
صمام اس کی طرف دھیان دیئے بغیر آگے بڑھتا گیا۔ راہب اس کی طرف لپکا اور چلایا۔

"صمام! صمام!"

صمام رُک گیا اور راہب کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے گھوڑے سے چھلانگ لگا
اور راہب سے لپٹ گیا۔

"مقرب راہب! تم یہاں"۔

راہب نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"مگر تم یہاں کدھر گھوم رہے ہو"؟

صمام نے فوراً اپنی راہ ہموار کی۔

"میں قسطنطنیہ جانے کے لیے جہاز میں جگہ حاصل کرنے آیا تھا۔"

راہب خوش ہو گیا۔

"تو تم بھی قسطنطنیہ جا رہے ہو۔ اچھی ملاقات ہوئی۔ میں بھی قسطنطنیہ جا
ہوں۔ فکر نہ کرو میں تمہارے لیے بھی جگہ کا بندوبست کر لوں گا۔ کب سے یہاں
"کئی روز ہو گئے ہیں"۔

"کہاں سے آئے تھے؟"

"میں ہرقل کے لشکر میں تھا۔ یرموک کے میدان میں جب ہمیں مسلمانو
ہاتھوں شکست ہوئی تو سب سپاہی جس کا جدھر منہ اُٹھا بھاگ آئے ہیں۔ میں قسطنط
کے لیے یہاں چلا آیا۔"

راہب نے بددلی سے پوچھا۔

"ہرقل بھی سُنا ہے قسطنطنیہ چلا گیا ہے"۔

"ہاں وہ یرموک کی شکست کا سنتے ہی انطاکیہ سے قسطنطنیہ بھاگ گیا تھا"۔

راہب دانت پیس کر بولا۔

"بہت بُزدل نکلا"۔

صمام نے اس کی اندھی تقلید کی۔

"ہاں اسے اس طرح شام سے بھاگ کر نہ جانا چاہیے۔ اب سب عیسائی
سے کوچ کر رہے ہیں۔ اس کے چلے جانے سے بے چینی اور بدامنی کی ایک عام لہر
پھیل گئی ہے"۔

راہب نے پھر پوچھا۔

"یرموک میں ہمارے کتنے سپاہی کام آئے ہوں گے"؟

صمام نے ایک مصنوعی اور لمبا سانس لیا۔

"کوئی ایک لاکھ"۔

راہب نے چھاتی پر صلیب کا نشان بنایا اور پھر کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"یہ تو بہت بڑا ظلم ہوا۔ مقدس مریمؑ ہمیں کبھی معاف نہ کرے گی"۔

"ہاں، مسلمانوں نے بہت ظلم کیا"۔

راہب نے خوفزدہ ہو کر کہا۔

"سنا ہے یہ عرب بہت ہی خونخوار ہیں۔ تم نے تو انہیں یرموک کے میدان
دیکھا ہو گا"۔

صمام بڑی مشکل سے اپنی ہنسی روک سکا۔

"ہاں بہت خونخوار ہیں، بھیڑیے اور چیتے کی طرح حملہ کرتے ہیں۔

راہب نے پھر چھاتی پر صلیب کا نشان بنایا۔

"خداوند یسوع مسیح ہماری مدد کریں۔ یہ تو ہمارے مذہب کے پیچھے ہاتھ دھو

کر پڑے ہیں۔

صمام نے دُکھ کا اظہار کیا۔

"ہماری اپنی غلطی ہے مقرب راہب۔"

اس نے مایوسی سے جواب دیا۔

"ہاں تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔ ہمیں اپنے گناہوں کی سزا ملی ہے۔"

پھر اس نے صمام کی طرف دیکھتے ہوئے موضوع بدلا۔

"کیا چلیں اب؟"

صمام نے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔

"واپس چلنا چاہیئے۔"

"تم کہاں ٹھہرے ہوئے ہو۔"

"میرا قیام ایک سرائے میں ہے، اور آپ؟"

"میں یہاں سے قریب ہی ایک سرائے میں ہوں۔ ربطہ بھی میرے ساتھ ہے چلو میں تمہیں اس سے جا کر ملاؤں، وہ تمہیں دیکھ کر یقیناً خوش ہوگی۔"

صمام چونک پڑا۔

"میں ضرور اس سے ملوں گا۔"

"مگر وہ مُرتد ہو گئی ہے۔"

صمام تجاہلِ عارفانہ برت گیا۔

"کیا کہا؟"

"مُسلمان ہو گئی ہے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"خود دیکھ لینا چل کر۔ میں یہاں تک اسے زبردستی لایا ہوں۔ میں اب تک اسے نرمی سے سمجھا رہا ہوں کہ دوبارہ اپنے مذہب پر آجائے۔ اگر نہ مانی تو میں یہ معاملہ قسطنطنیہ کے بشپ کے سامنے پیش کر دوں گا۔"

صمام نے اس کی منت کرتے ہوئے کہا۔

"مقرب راہب ایسا نہ کرنا۔ وہ میری چچا زاد ہے۔ میں اس پر سختی ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ مجھے دو دن کی مہلت دو۔ میں اسے سمجھالوں گا۔ مجھے اُمید ہے وہ ضرور راہِ راست پر آجائے گی۔"

راہب مُسکرا دیا۔

"اگر تم ایسا کرنے میں کامیاب ہو جاؤ تو مجھے بے حد خوشی ہوگی۔ اس کے لیے دو دن تو کیا میں تمہیں ایک ہفتہ تک دینے کو تیار ہوں۔"

صمام نے حامی بھر لی۔

"ٹھیک ہے۔"

دونوں تیز تیز قدم اُٹھاتے ہوئے سرائے کی طرف بڑھنے لگے تھے۔

صام کو ساتھ لے کر راہب سرائے میں آیا ۔ ربطہ کے کمرے کا دروازہ باہر سے کھولا اور صام کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"تم ذرا باہر ہی کھڑے رہو۔"

صام دروازے کے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ راہب اندر چلا گیا اور ربطہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ربطہ! میں تمہارے لیے ایک خوشخبری لایا ہوں۔"

ربطہ نے بے تکلفی سے پوچھا۔

"کیا؟"

اس نے دروازے کی طرف منہ کر کے کہا۔

"صام! آ جاؤ۔"

صام جب اندر آیا تو ربطہ نے بھاگ کر اس کے ہاتھ پکڑ لیے اور خود ساختہ انداز میں کہا۔

"او صام! تم آ گئے۔"

صام نے آہستگی سے کہا۔

"ہاں، میں کئی روز سے یہاں آیا ہوا ہوں۔"

ربطہ نے شکوے کے انداز میں کہا۔

"اس راہب نے مجھ پر بہت ظلم کیے ہیں صام!"

صام نے اُسے آنکھ ماری پھر اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"تم جھوٹ کہتی ہو۔ بزرگ راہب نے یقیناً تمہاری بہتری اور بھلائی کی خاطر ہی کوئی رسم اٹھایا ہوگا اور ہاں میں نے سنا ہے کہ تم مرتد ہو گئی ہو۔"

ربطہ نے دکھ سے کہا۔

"ہاں صام! میں مسلمان ہو چکی ہوں۔"

صام نے غصے میں ڈانٹا۔

"مگر کیوں؟ اگر تم مجھے زندہ دیکھنا چاہتی ہو تو تمہیں دوبارہ اپنے مذہب پر آ کر بزرگ راہب سے معافی مانگنا ہوگی۔"

ربطہ بڑی کامیاب اداکاری کرتے ہوئے ہکلائی۔

"پر صام!——"

صام نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں کچھ سننا نہیں چاہتا۔"

"مجھے کچھ دنوں کی مہلت دو تاکہ میں سوچ کر کوئی آخری فیصلہ دے سکوں۔"

صام نے جلدی جلدی بے تکے انداز میں اپنی چھاتی پر صلیب کا نشان بنایا۔

"خداوند یسوع تمہیں کبھی معاف نہ کرے گا۔ تم ایک نیک کام میں دیر کر رہی ہو——"

"صام! اچھے صام! میں——" ربطہ ہکلائی۔

صام غصے میں پھنکارا۔

"مطلب کی بات کے علاوہ میں اب کچھ نہ سنوں گا۔"

راہب ان دونوں کی بات چیت سے بڑا خوش دکھائی دے رہا تھا۔ صام کی طرف بیٹھے ہوئے اس نے کہا۔

"تم دونوں آرام سے بیٹھ کر آپس میں گفتگو کرو۔ میں ذرا نیچے جا رہا ہوں۔ تمہارے کھانے کا بندوبست کرتا ہوں۔"

صام اسے دیکھتا رہا۔ راہب جب سیڑھیاں اتر کر نیچے چلا گیا تو دونوں مسکراتے

ہوئے پلنگ پر بیٹھ گئے۔ ربطہ نے بڑے پیار سے صمام کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

"تم نے اسے خوب شیشے میں اتارا ہے۔ اب آگے کیا کرنا ہے"۔

صمام نے اس کا دوسرا ہاتھ تھام لیا۔

"میرا خیال ہے ہم آج ہی یہاں سے کوچ کر جائیں"۔

"پر کس طرح؟"

"میں آج رات سوتے میں اس کا گلا گھونٹ دوں گا اور بھاگ چلیں گے"۔

"بالکل ٹھیک ہے"۔

"اب تمہارا کام باقی رہ گیا ہے"۔

"وہ کیا؟"

"راہب ابھی واپس آتا ہے تاتو تم فوراً بھاگ کر اس کے قدموں میں گر جانا اور گڑگڑاتے ہوئے معافی مانگ لینا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی تھی۔ میں واپس اپنے مذہب پر آتی ہوں۔ اس طرح وہ خوش ہو جائے گا اور اسے ہم پر اعتماد بھی ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ ابھی ہم کھانا بھی نیچے جاکر کھائیں گے تاکہ سرائے کے مالک کو میرے متعلق بھی علم ہو جائے کہ یہ بھی راہب کا کوئی اپنا آدمی ہے۔ تاکہ ہمیں یہاں سے بھاگنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے"۔

ربطہ نے نئی بات پوچھی۔

"یہاں سے نکل کر ہم سیدھے گھر جائیں گے نا؟"

"نہیں پہلے ہم یہاں سے دمشق جائیں گے۔ وہاں جنید اور سلیمان بھی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہ رہے ہیں۔ ہم بھی کچھ عرصہ وہیں رہیں گے۔ اس دوران مجھے بیت المقدس کی جنگ میں حصہ لینے کے لیے جانا ہے۔ کیونکہ عنقریب اس پر حملہ ہونے والا ہے۔ اس کے بعد ہم اپنی بستی میں جائیں گے"۔

"تو دمشق میں مکان کس کا ہے؟"

جنید اور سلیمان نے جن لڑکیوں سے شادی کی ہے۔ وہ دونوں وہیں کی رہنے

والی ہیں اور سگی بہنیں ہیں وہ انہیں کے مکان میں رہ رہے ہیں"۔

اتنی دیر میں راہب اندر داخل ہوا۔ ربطہ فوراً اٹھی اور بھاگ کر اس کے قدموں میں گر گئی اور گڑگڑانے لگی۔

"مقدس باپ! مجھے معاف کر دو۔ میں بھٹک گئی تھی۔ میں اب واپس اپنے مذہب پر آچکی ہوں۔ اب کبھی آپ کو اس طرح تنگ نہ کروں گی"۔

راہب نے اسے اوپر اٹھایا اور سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"میں تمہیں معاف کرتا ہوں"۔

پھر اس نے صمام کی طرف دیکھا۔

"میں تمہارا بے حد مشکور ہوں۔ تم نے میری ایک بہت بڑی الجھن دور کر دی ہے۔ میں سرائے کے مالک کو کھانے کا کہہ آیا ہوں۔ کیا تم لوگ یہیں کھانا کھاؤ گے؟"

صمام فوراً بولا۔

"نہیں نیچے جاکر کھائیں گے"۔

تینوں کمرے سے باہر آگئے اور سیڑھیاں اترتے ہوئے نیچے جا رہے تھے۔

○

رات ابھی آدھی نہ گذری تھی کہ صمام کوئی آواز پیدا کیے بغیر اٹھا اور آنکھیں جھپکاتے ہوئے راہب کے بستر کی طرف دیکھا۔ وہ بے ہوش سویا پڑا تھا۔ دبے دبے قدموں سے وہ آگے بڑھا، بڑی آہستگی سے راہب کے اوپر سے بستر اٹھایا اور بڑی پھرتی سے اس کا گلا گھونٹ دیا۔

پھر وہ ربطہ کے بستر کے پاس آیا اور اس کا سر پکڑ کر ہلایا۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی اور پریشانی سے صمام کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"خیریت ہے؟"

صمام نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔

"اٹھو تیاری کرو اور کوچ کریں۔"

ربطہ نے ہونٹوں پہ انگلی رکھ دی۔

"آہستہ بولو، راہب جاگ جائے گا۔"

صمام نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔

"میں نے اسے ختم کر دیا ہے۔ تم جلدی اٹھو اور اپنی تیاری کرو۔"

ربطہ اٹھی، اپنی پوستین اٹھانے کے بعد اس نے کچھ اور کپڑے بھی اٹھائے اور صمام کے ساتھ ہو لی۔ چلو جلدی کرو۔ دروازے کی طرف جاتے ہوئے اس نے راہب کے اوپر سے اس کی گرم شال بھی کھینچ لی اور باہر نکل گئی۔ سیڑھیوں کے پاس آ کر اس نے صمام سے سرگوشی کی۔

"بستر ساتھ نہ لے لیں۔"

صمام نے اس کے کان میں کہا۔

"میرا بستر گھوڑے کی زین سے بندھا ہوا ہے۔ تم نے جو کپڑے اٹھا لیے ہیں یہی کافی ہیں۔"

دونوں دبے دبے قدموں سے چلتے ہوئے نیچے آئے۔ صمام نے دیکھا۔ سرائے کا مالک اور ملازم سب سوئے ہوئے تھے۔ ربطہ کا ہاتھ پکڑ کر وہ باہر نکلا۔ جلدی جلدی اپنے دونوں گھوڑوں پر زینیں، دھانے چڑھانے کے بعد وہ ان کی باگیں پکڑے باہر آیا۔ ربطہ اس کے پہلو بہ پہلو چل رہی تھی۔

بندرگاہ کی طرف سے وہ شہر سے باہر نکلے۔ سمندر کی طرف سے رات کے وقت سرد موسوں سوئی ہوائیں بدن کو کاٹ رہی تھیں۔ ایک درخت کے نیچے صمام نے دونوں گھوڑے روک لیے اور ربطہ سے کہا۔

"جلدی جلدی اپنی پوستین پہن لو پھر چلیں"۔ سردی لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی ہے۔

ربطہ نے پہلے جلدی جلدی سر اور کانوں پر اپنا رومال باندھا پھر اس نے پوستین پہنی اور صمام کی مدد سے گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ وہ جو کپڑے اپنے ساتھ لائی تھی صمام نے وہ گھوڑے

کی زین سے گٹھڑی بنا کر باندھ دیئے تھے۔

صمام بھی جب گھوڑے پر سوار ہوا تو ربطہ نے راہب کی وہ اونی شال اس کی طرف بڑھا دی۔

"یہ اوڑھ لو صمام سردی ہے۔"

صمام نے لے کر اوڑھ لی۔

ربطہ نے پھر اعتراض کیا۔

"کان بھی تو ڈھانپو نا اپنے۔"

صمام نے کانوں پر بھی شال ڈال لی۔

کچھ دیر تک وہ سمندر کے ساتھ ساتھ چلتے رہے پھر دائیں طرف مڑے اور اپنے گھوڑے دونوں نے سرپٹ دوڑا دیئے تھے۔

○

لگاتار اڑنا اور تھکا دینے والی مسافت طے کرنے کے بعد وہ ایک روز سہ پہر کے قریب قدرات میں اسی حاطب کی سرائے میں داخل ہوئے۔ سرائے کے احاطے میں جب وہ اپنے گھوڑوں سے اترے تو ایک طرف سے حاطب بھی آ گیا اور صمام سے مصافحہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"لوٹ آئے ہو۔"

صمام مسکرا دیا۔

"دیکھ لو لوٹ ہی آیا ہوں"

ربطہ کا منہ ابھی دوسری طرف تھا۔ لہٰذا حاطب اسے دیکھ نہ سکا تھا۔ اسی لیے اس نے پھر پوچھا۔

"کیا بنا تمہاری مہم کا؟"

صمام نے اسی انداز میں کہا۔

"کامیاب لوٹا ہوں۔"

اتنی دیر میں ربطہ بھی اپنے گھوڑے سے ہٹ کر ان کے پاس آ کھڑی ہوئی
حاطب خوش ہوتا ہوا چلایا۔
"خدا کی قسم یہی وہ سُرخ بالوں والی لڑکی ہے جسے وہ عیار راہب اپنے ساتھ لے کر گیا تھا۔"
"کیا یہی تمہاری منگیتر ہے نا؟"
صہام پھر مسکرا دیا۔
"ہاں۔"
ربطہ نے لجاتے ہوئے سر جھکا لیا۔
"کہاں جا پکڑا اس عیار بوڑھے کو۔"
"قیساریہ کی ایک سرائے میں ٹھہرا ہوا تھا اور قسطنطنیہ بھاگ جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ میں نے وقت پر اسے جا لیا تھا۔"
حاطب نے ربطہ کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔
"تمہاری قسمت بہت اچھی ہے بیٹی۔"
ربطہ کا سر اسی طرح جھکا رہا۔
حاطب پھر بولا۔
"اوپر کمرہ لینا پسند کرو گے یا نیچے؟"
"اوپر کی منزل میں اگر وہی کمرہ خالی ہو جس میں میں ٹھہر کر گیا تھا تو میں اسے زیادہ پسند کروں گا۔"
حاطب نے خندہ پیشانی سے کہا۔
"بالکل خالی ہے۔ تم دونوں پھر تو اوپر جاؤ میں تمہارے گھوڑوں کو سنبھالتا ہوں اور تمہارے لیے کھانا بھی بھجواتا ہوں۔"
صہام آگے بڑھتا ہوا پھر مڑا اور حاطب سے کہا۔
"کسی ملازم کو بھیج کر پہلے دونوں گھوڑوں کو لیٹنے کے لیے باہر ریت پر

بھیج دو۔"
حاطب نے دونوں گھوڑوں کی باگیں پکڑ لیں۔
"تم فکر نہ کرو میں سب ٹھیک کر لوں گا۔"
صہام اور ربطہ اوپر چڑھے اور ایک کمرے میں داخل ہو گئے تھے۔

کھانے کے بعد صمام اور ربطہ دونوں اپنے کمرے سے نکل کر راہ داری میں آ کھڑے ہوئے تھے اور ڈوبتے سورج کا نظارہ کرنے لگے تھے۔ ربطہ نے اپنے آپ کو پوستین سے خوب ڈھانپ رکھا تھا اور صمام نے وہی راہب کی اونی شال اوڑھ رکھی تھی۔ خنک ہوا ہم سمندر کی طرف سے سائیں سائیں کرتی ہوئی چلنے لگی تھیں اور سردی بڑھتی ہی جا رہی تھی

اتنے میں تین سوار سرائے میں داخل ہوئے انہوں نے عربوں جیسا لباس پہن رکھا تھا۔ صمام بڑے غور سے انہیں ٹکٹکی باندھے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر گہری سوچ پھیل گئی تھی۔

ربطہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"کیا دیکھ رہے ہو صمام!"

صمام خاموشی سے انہیں گھورتا رہا۔

ربطہ نے اپنا منہ اس کے سامنے لاتے ہوئے پوچھا۔

"کون ہیں یہ صمام! تمہیں اس قدر غور سے دیکھ رہے ہو۔"

صمام نے آہستگی سے کہا۔

"رومی ہمارے تعاقب میں لگ گئے ہیں۔"

ربطہ کانپ گئی۔

"یہ تین سوار وہی ہیں کیا؟"

ہاں میں نے ان کو اس روز قیساریہ کی بندرگاہ پر راہب کے ساتھ گھومتے ہوئے دیکھا تھا۔

ربطہ نے خوف سے صمام کا بازو پکڑ لیا۔

اب کیا ہوگا؟

صمام کے چہرے پر درندگی رقص کر گئی اس نے ربطہ کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا۔

"ڈرتی کیوں ہو۔ میرے سامنے اگر ان تینوں نے آنے کی کوشش کی تو اپنی ت کو آواز دیں گے۔ میں انہیں اتنی مہلت ہی نہ دوں گا کہ مجھ پر حملہ آور ہو سکیں"

ربطہ صمام سے لپٹ گئی۔

"وہ دیکھو وہ تینوں چوری چوری نگاہوں سے ہمیں گھور بھی رہے ہیں۔"

صمام نے اس کی پیٹھ سہلائی۔

"تم اتنی ڈرکیوں رہی ہو۔ میں تمہارے سامنے ان کا ایسا حشر کروں گا کہ وہ ی ایسا سوچ بھی نہ پائے ہوں گے۔ جس ارادے سے وہ ہمارا تعاقب کر رہے ہیں۔"

تینوں نووارد سرائے کے احاطے میں کھڑے ہو کر کچھ دیر تک صمام اور ربطہ دونوں ور سے دیکھتے رہے پھر خاموشی کے ساتھ سرائے سے باہر نکل گئے۔

ربطہ کا ہاتھ پکڑ کر صمام اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے بولا۔

"باہر سردی زیادہ ہو گئی ہے۔ آؤ آتش دان کے پاس بیٹھتے ہیں۔" دونوں آگ پاس آ بیٹھے۔ ربطہ نے اور لکڑیاں ڈالیں اور آگ زیادہ بھڑک اٹھی۔ صمام کھڑا ہو اور ربطہ سے کہا۔

"تم ذرا بیٹھو، میں دیکھوں وہ تینوں گدھر گئے ہیں۔"

ربطہ نے گھبرا کر اس کا بازو پکڑ لیا۔

میں یوں تمہیں جانے نہ دوں گی یہیں ادھر ہی بیٹھے رہو۔ رات کے اس وقت ہلے جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ صمام کو کھینچ کر اس نے پھر اپنے پاس بٹھا لیا۔ پھر سوچ کر اٹھی اور کمرے کی اندر سے اچھی طرح زنجیر لگا کر دوبارہ صمام کے پاس جا کر گئی تھی۔

رات کافی گہری ہوگئی۔ اچانک صمام کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے دیکھا، ایک رومی کھڑکی کے شیشے میں سے اندر جھانک رہا تھا اور اس کے دوسرے دو ساتھی کمرے میں داخل ہونے کے لیے چاروں طرف چکر لگا کر کوئی راستہ تلاش کر رہے تھے۔

صمام جلدی جلدی بستر سے نکلا اور ایک جھٹکے کے ساتھ اپنی تلوار بے نیام کرتا ہوا وہ دروازے کی طرف بڑھا تو اس کے قریب ہی دوسرے پلنگ پر سوئی ہوئی ربطہ بھی جاگ اُٹھی اور گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"کہاں جا رہے ہو صمام! ٹھہرو میری بات تو سنو۔ کون ہے باہر۔"

صمام دروازے کی طرف بڑھا۔

"ذرا ٹھہرو ربطہ"!

ربطہ بھی بچاری بستر سے نکل کر اس کے پیچھے پیچھے بھاگی۔

دروازہ کھول کر صمام باہر آیا اور راہ داری میں کھڑے ہو کر بلند آواز میں اس نے چلّا کر کہا۔

"رات کے اس سناٹے میں جب کہ سب لوگ گہری نیند سوئے ہوئے ہیں۔ میں تم تینوں کو مقابلے کی دعوت دیتا ہوں۔"

صمام وہیں کھڑے ہو کر اپنی تلوار لہراتے ہوئے ان کا انتظار کرنے لگا۔ ربطہ نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔

"کون تھا"

"وہی تینوں تھے۔ کمرے کے اندر داخل ہونے کی راہ تلاش کر رہے تھے۔"

ربطہ نے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔

"ہائے میرے اللہ! وہ یہاں بھی آ گئے"۔

اتنے میں سرائے کی پچھلی سمت سے کسی کے نیچے کودنے کی آواز سنائی دی۔

ربطہ صمام کو کمرے کی طرف کھینچنے لگی۔

"چلو اندر آ جاؤ۔ وہ تو بھاگ گئے ہیں۔

صمام وہیں کھڑا رہا۔

ربطہ نے اسے زور سے کھینچا۔

"چلو سردی ہے باہر"۔

دونوں اندر آ گئے۔ ربطہ نے پھر بڑی احتیاط سے دروازے کی زنجیر لگا دی۔ رات کا پچھلا حصّہ انہوں نے جاگ کر گذارا تھا۔

○

دوسرے روز دونوں اُٹھے۔ صمام نے حاطب سے کہہ کر اپنے لیے زادِ راہ تیار کرایا۔ پھر اس نے گھوڑوں پر زینیں ڈالیں۔ اپنے گھوڑے پر زین ڈال چکنے کے بعد اس نے تیر غائر نگاہوں سے پہلے خنجروں کا جائزہ لیا پھر کمندیں کھینچ کھینچ کر دیکھنے لگا۔ اتنے میں حاطب بھی آ گیا اور اس کے گھوڑے کی خرجین میں کھانا ڈال دیا۔

صمام اُوپر گیا اور ربطہ کو ساتھ لے کر واپس آیا۔ حاطب ابھی تک وہیں کھڑا تھا۔ ربطہ نے گھوڑے پر بیٹھنے سے قبل حاطب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"حاطب چچا! ہمیں کوئی یہاں سے تلوار مل سکے گی"۔

حاطب نے پریشانی سے اس کی طرف دیکھا۔

"کیوں؟ صمام کے پاس تلوار ہے تو!"

"ایک اور چاہیئے میرے لیے بھی۔ کچھ لوگ ہمارے تعاقب میں لگے ہوئے ہیں"

حاطب نے صمام کی طرف دیکھا۔

"کیا یہ سچ ہے؟"

صمام اپنا بستر گھوڑے کی زین سے باندھ رہا تھا۔

ہاں تین رُومی ہمارا تعاقب کر رہے ہیں۔ مگر تلوار کی کوئی ایسی ضرورت نہیں یہ ربطہ ایسے ہی گھبرائی ہوئی ہے"۔

ربطہ ضد کرنے لگی۔

"نہیں صمام ایک تلوار اور لے لینی چاہیئے۔ آخر حرج بھی کیا ہے۔ حاطب

چچا! اگر ممکن ہو تو تم بندوبست کر دو۔"

حاطب نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"کہاں دیکھے تم نے رومی؟"

وہ رات کے وقت ہمارے کمرے میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے تھے کہ

میں صمام جاگ اُٹھا۔ جب یہ دروازہ کھول کر باہر آیا۔ تو وہ بھاگ گئے۔ یہ وہی تینوں

جو شام کے وقت عربوں کے لباس میں سرائے میں آئے تھے اور جلدی ہی واپس چلے گئے تھے"

حاطب نے پیشانی پر انگلی ماری۔

"اوہ سمجھا تم نے مجھے اس وقت کیوں نہ بتایا ہم وہیں ان سے نبٹ لیتے"

پھر اس نے صمام سے کہا۔

"صمام! اگر تم کہو تو میں کچھ آدمی تمہارے ساتھ بھیج دوں"۔

صمام بستر باندھ چکنے کے بعد اسے کھینچ کر اس کی مضبوطی کا جائزہ لے رہا تھا

"ایسی کوئی ضرورت نہیں۔ تم صرف ربطہ کے کہنے پر ایک تلوار مہیا کر دو"۔

حاطب واپس گیا اور میان سمیت ایک تلوار لے آیا۔ صمام نے لے کر اسے

کے گھوڑے کی زین سے باندھ دیا۔

صمام اور ربطہ دونوں سرائے سے باہر نکل گئے اور حاطب ان دونوں کی سلا

کے لیے دُعا مانگ رہا تھا۔

○

صمام اور ربطہ دونوں بڑی احتیاط سے سفر کر رہے تھے۔ پہاری سلسلے

دُور دور وہ کھلے میدان میں چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں جا رہے تھے۔ دوپہر سے ذرا

جب کہ دونوں اپنے گھوڑے سرپٹ دوڑاتے جا رہے تھے ربطہ پیچھے دیکھتی ہوئی چلّا اٹھی

"صمام! دیکھو وہ تینوں آگئے"۔

صمام نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ وہ تینوں رومی بڑی تیزی سے ان کا تعاقب کر

تھے۔ ربطہ نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔

"گھوڑوں کی رفتار تیز کر دیں"۔

صمام کا ذہن بڑی تیزی سے کام کرنے لگا تھا۔ کچھ سوچتے ہوئے اُس

کہا۔

"نہیں۔ آہستہ آہستہ چلنے دو انہیں"۔

"وہ کیوں؟"

"یس میں کہتا ہوں۔ تم گھبرانا نہیں میں ابھی ان کا بندوبست کرتا ہوں"۔

گھوڑوں کی رفتار کم ہوتے ہی رومی ان کے نزدیک آگئے۔ ایک ان کے

ائیں طرف ہو گیا دوسرا بائیں طرف اور ایک پیچھے کی سمت ہی رہا۔

ربطہ نے اپنی تلوار بچاتے ہوئے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"وہ ہمیں گھیرنے کی کوشش کر رہے ہیں صمام!"

صمام نے کمندوں کا جائزہ لیا۔

"گھبراؤ مت! کرنے دو جو کچھ کرتے ہیں"۔

صمام دفعتہً گھوڑے پر اُٹھ ہو کر بیٹھ گیا۔

ربطہ گھبرا گئی۔

"یہ کیا؟"

"بس تم دیکھتی رہو"۔

رومی بڑی تیزی سے ان کے نزدیک ہونے لگے۔ صمام نے ابھی تک اپنی

ار نیام سے باہر نہ کی تھی اور بڑی گہری نگاہ سے وہ ان تینوں کا جائزہ لے رہا

تاہم اس کے دونوں ہاتھ کمندوں پر تھے۔

ربطہ کی پھر گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"تم تلوار تو نکال لو صمام! دیکھو وہ کس قدر نزدیک آگئے ہیں"۔

صمام نے ربطہ کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"تم گھبراتی کیوں ہو۔ میں بے خبر نہیں۔ میری نگاہ ان پر ہی ہے۔ ذرا

نزدیک آئیں پھر دیکھنا میں کیا حالت بناتا ہوں ان کی۔"

تینوں جب صمام کے ذرا اور قریب ہوئے تو مشینی انداز میں اس کے ہاتھ حرکت میں آئے۔ تین کمندیں باری باری آگے پیچھے فضا میں لہراتیں اور ان تینوں کی گردنیں جکڑی گئیں۔ اس کے ساتھ ہی صمام نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور سرپٹ دوڑا دیا۔ وہ تینوں اپنے گھوڑوں سے نیچے گر گئے اور صمام کا گھوڑا انہیں گھسیٹتا ہوا پر روندنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد صمام اپنی تلوار سونت کر نیچے اترا۔ ربطہ بھی اپنے گھوڑے سے اتر گئی۔ صمام نے ان تینوں کا جائزہ لیا۔ وہ ختم ہو چکے تھے۔ صمام نے اپنی کمندیں علیحدہ کر کے پھر زین سے باندھ لیں۔ ربطہ ابھی تک سارا منظر پریشانی سے دیکھ رہی تھی۔ ناگاہ وہ بھاگی اور صمام سے لپٹ گئی۔

"اوہ صمام! تم بہت ——————"

صمام نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا۔

"بہت بہادر ہو" ——————— یہی کہنا چاہتی ہو نا۔"

دونوں مسکرا دیئے۔ پھر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور دمشق کے رخ پر انہیں سرپٹ دوڑا رہے تھے۔

دمشق میں آکر صمام اور ربطہ نے شادی کر لی تھی۔ جنید اور سلیمان بھی ابھی تک وہیں تھے۔ مکان کو ٹاٹ کے پردوں کے ذریعے برابر کے تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ ربطہ یہاں بے حد خوش تھی۔ اسے اس کی منزل مل چکی تھی۔

شادی کے دوسرے روز صمام نے ربطہ کو چالیس ہزار دینار دیئے۔ ربطہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"اتنی بڑی رقم میں کہاں رکھوں گی صمام!"

صمام نے شرارتاً کہا۔

"تو میں کہاں رکھوں گا۔"

ربطہ ہنس دی اور رقم لے کر سنبھال لی۔

وہ اس قدر دل جمعی اور چاہت سے صمام کی خدمت کر رہی تھی کہ سوچا نہ جا سکتا تھا کہ ایک راہبہ بھی ایسے سلوک کا مظاہرہ کر سکتی ہے۔ سزینہ اور قبالہ کا سلوک بھی ربطہ سے کچھ ایسا پُر تپاک تھا کہ وہ ان دونوں بہنوں کے حسنِ سلوک سے بے حد متاثر ہوئی تھی۔

صمام ربطہ کے ساتھ دمشق میں دو ماہ تک مقیم رہا۔ دو تین دن تک وہ جنید اور سلیمان کے ساتھ لشکر میں واپس جانے والا تھا کہ ربطہ کے کہنے پر وہ کچھ گھریلو ضروریات کا سامان خریدنے بازار گیا۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار بازار کی سمت جا رہا تھا کہ ایک دم ٹھٹک لگا کر وہ گھوڑے سے اتر پڑا۔

اس کا چہرہ بے پناہ غصے کا اظہار کر رہا تھا۔

دایاں ہاتھ بڑی مضبوطی سے تلوار کے دستے پر جم کر رہ گیا تھا۔ اور اس کی آنکھوں

میں وحشت اور درندگی ناچ اٹھی تھی۔

اس کے سامنے ذرا فاصلے پر جرش کے یہودی سردار شمعون کا لڑکا داؤد دجار تھا۔ صمام نے اسے خوب اچھی طرح پہچان لیا تھا۔ وہ اکیلا ہی تھا۔ ذرا فاصلے پر ہی کروہ اس کا تعاقب کرنے لگا۔ سورج غروب ہونے کے قریب تھا اور مکانوں اور درختوں کے سائے خوب پھیل گئے تھے۔

ایک گلی میں مڑ کر داؤد ایک مکان میں داخل ہو گیا۔ صمام نے چند لمحے وہاں کھڑے ہو کر اس گلی اور اردگرد کے مکانوں کا بغور جائزہ لیا پھر واپس مڑا اور بازار چلا گیا۔ جو کچھ اسے خریدنا تھا خرید کر اس نے ایک دکاندار کے پاس رکھ دیا۔ اتنی دیر میں اندھیرا بھی پھیل گیا تھا۔ شام کی نماز صمام نے بازار ہی میں پڑھی۔ جب اندھیرا خوب اچھی طرح پھیل گیا تو وہ آہستہ آہستہ پھر اس مکان کی طرف بڑھ رہا تھا جس میں داؤد داخل ہوا تھا۔

○

صمام نے گھوڑے کو باہر گلی میں ہی کھڑا کر دیا۔ اس مکان کے دروازے میں داخل ہوتے ہوئے اس نے تلوار بے نیام کر لی اور پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہوا آگے بڑھا۔ راستے میں اسے کسی کا سامنا نہ کرنا پڑا تھا۔ چھوٹے سے صحن میں کھڑے ہو کر اس نے سامنے کا جائزہ لیا پھر ایک کمرے کی طرف بڑھا جو قدرے زیادہ روشن تھا۔ دروازے کے دونوں پٹ بند تھے۔ صمام نے تلوار پر گرفت مضبوط کی۔ چمڑے کی پیٹی سے بندھے ہوئے اس رومال کا جائزہ لیا جس میں اسماء کی قبر کی مٹی بندھی ہوئی تھی اور جسے اس نے داؤد کے خون سے بھگو کر اس کی قبر پر ڈالنے کی قسم کھا رکھی تھی۔

دروازہ کھول کر جب وہ اندر داخل ہوا تو کانپ گیا۔ بدن کے پورے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ تلوار پر اس کی گرفت ڈھیلی ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کا سر جھکا گیا تھا جیسے اس کے ذہن کو کسی نے کچل کر رکھ دیا ہو۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالنا چاہا مگر نہ سنبھال سکا۔ اس کے اعصاب جواب دے گئے تھے۔ آج اس کا دیو قامت اور خوب گٹھا ہوا جسم بھی

بار لرز گیا تھا۔

سامنے کمرے کے ایک کونے میں داؤد بڑے خشوع کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا ایک جوان اور خوبصورت عورت جو شاید اس کی بیوی تھی وہ بھی اس سے ذرا دائیں طرف نماز ادا کر رہی تھی۔ عجیب پُرسکوت اور سکون پرور ماحول تھا۔ دونوں بڑی بے فکری اور بے نیازی کے عالم میں عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے۔

صمام پریشان سا کھڑا انہیں ٹکٹکی لگا کر دیکھے جا رہا تھا۔ اچانک وہ سنبھلا کیونکہ داؤد سلام پھیرنے والا تھا۔ بڑی پھرتی کے ساتھ صمام نے اپنی پیٹی سے مٹی بندھا ہوا رومال کھولا اور داؤد کے پاس ہی رکھ کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

صحن میں وہ آیا ہی تھا کہ پیچھے سے داؤد کی آواز آئی۔

"ٹھہرو!"

صمام تیزی سے باہر نکلنے لگا۔

داؤد نے اس بار ذرا سختی سے کہا۔

"ٹھہر جاؤ صمام!"

صمام باہر کی طرف بھاگنے لگا۔

داؤد بھی تیزی سے اس کی طرف لپکا۔

"ٹھہر جاؤ۔ بزدلوں کی طرح بھاگتے کیوں ہو۔"

داؤد کا یہ حربہ کامیاب ثابت ہوا۔ صمام رُک گیا۔ تھوڑی دیر تک وہ باہر کی سمت منہ کر کے ہی کھڑا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ پیچھے مڑ کر دیکھا۔ داؤد بھی اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔ اس نے ایک ہاتھ میں صمام کا رومال بھی پکڑ رکھا تھا۔ اس دوران داؤد کی بیوی بھی اندر سے نکل آئی تھی۔ داؤد نے تھوڑی دیر صمام کی طرف غور سے دیکھا پھر دکھ سے کہا۔

"واپس کیوں لوٹ رہے ہو؟"

صمام نے تلوار نیام میں کر لی اور سر جھکا لیا۔

داؤد نے اس کا رومال اس کی طرف بڑھایا۔

"تم اپنی قسم پوری کر سکتے ہو۔ رات کے اس سمے تم سے کوئی باز پرس کرنے والا نہ ہوگا۔ کوئی یہ بھی نہ جان سکے گا کہ تم نے مجھے قتل کیا ہے۔ تمہیں اگر میری بیوی سے کوئی خطرہ ہو تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں وہ تمہارے خلاف زبان نہ کھولے گی۔"

صمام کا سر اور زیادہ جھک گیا اور کچلی ہوئی آواز میں اس نے کہا۔

"وہ وقت کچھ اور تھا۔ اب حالات کروٹ بدل گئے ہیں۔ میں مجبور ہو گیا ہوں۔"

داؤد غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کس چیز نے تمہیں انتقام لینے سے باز رکھا ہے؟"

صمام کی پلکیں بھیگ گئی تھیں۔

"ایک مسلمان ہو کر میں اپنے مسلمان بھائی سے کس طرح اس وحشی دور کا انتقام لے سکتا ہوں۔"

داؤد کی آنکھیں بھی نمناک ہو گئی تھیں۔

داؤد کی بیوی آگے بڑھی اور اس کے کان میں رازداری سے کہا۔

"کیا یہی صمام بن ثعلب ہے؟"

مدھم سی آواز میں داؤد نے کہا۔

"ہاں یہی صمام ہے اور اپنا انتقام لیے بغیر واپس لوٹ رہا ہے۔"

داؤد آگے بڑھا اور صمام کو لپٹا لیا۔ صمام بھی بُری طرح اس سے لپٹ گیا تھا۔ داؤد کی آنکھوں سے موٹے موٹے قطرے صمام کے کندھے پر گر رہے تھے کیونکہ وہ قد میں اس سے چھوٹا تھا۔ کانپتی ہوئی آواز میں داؤد نے تاسف سے کہا۔

"کاش وہ سنہری غول جس میں ہم دونوں اب شامل ہوئے ہیں اس سے کچھ عرصہ قبل ہی اس طرف پرواز کر آیا ہوتا تو ہم دونوں کی بستیوں میں وحشت اور بربریت کا وہ بھیانک کھیل نہ کھیلا جاتا جس میں ہم نے اپنا سب کچھ کھو دیا۔

داؤد سسک پڑا۔

"میں شرمندہ ہوں کہ میری بے حمیتی کے باعث اسماء بہن نے خودکشی کر لی۔ اس کی موت پر تمہیں کتنا گہرا زخم آیا ہوگا۔ میں جانتا ہوں۔ کاش ——— اس کی آواز ڈوب گئی۔

صمام کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے داؤد کے کان پر گر گر کر اس کے شانے کو بھگو رہے تھے۔

داؤد نے پھر پوچھا۔

"تمہارے گھر کا کوئی فرد بچا تھا؟"

صمام نے نفی میں سر ہلایا تو اس کے آنسوؤں نے داؤد کے گال بھی بھگو دیئے۔

"تمہارے ماں باپ اور بہن؟"

صمام کی زبان بُری طرح لڑکھڑا رہی تھی۔

"سب قتل ہو گئے۔"

داؤد کچھ دیر تک اپنے آپ پر قابو پاتا رہا۔

"سنا ہے تم نے اپنی بستیاں پھر آباد کر لی ہیں۔"

"ہاں"

"تمہاری لگن سچی تھی اور تم سچائی پر تھے۔ یقیناً ہم اندھیروں میں بھٹک رہے تھے۔ ہم خون آشام اندھیروں میں بھٹکنے والے ایک ایسے کاروان کے مسافر تھے جسے منزل کی طرف راہنمائی کے لیے ایک سنہری غول کی ضرورت تھی۔ کاش جس سنہری غول نے ہمیں اب روشنی، اُجالے اور نُور کی بلندیوں میں باہم متحد ہو کر پرواز کرنا سکھایا ہے ہم اس کے فیض سے پہلے مستفیض ہو جاتے۔ مگر ——— آواز دوبارہ ڈوب گئی تھی۔

اس بار صمام بولا۔

"میں نے تمہارے باپ کو قتل کر دیا تھا۔ اسی شہر میں بڑے بازار کے اندر۔"

داؤد روتا رہا۔

"مَیں جانتا ہوں"۔

"تمہاری ساری بستیاں بھی مَیں نے ہی جلائی تھیں"۔

"مجھے علم ہے"۔

دونوں ایک دوسرے سے علیحدہ ہوگئے اور بڑی محویت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ انہیں کچھ ہوش نہ تھا کہ کہاں کھڑے ہیں۔ دونوں کے چہرے آنسوؤں سے تر ہو رہے تھے اور عجیب اندازہ میں ٹکٹکی باندھے دیکھے جا رہے تھے۔ اچانک صمام واپس مڑا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

داؤد ابھی تک ویسے ہی بُت بنا کھڑا تھا۔ مگر اس کی بیوی نے اسے چونکا دیا۔

"اس بچارے کو کھانا تو پوچھا ہوتا۔ مہمان گھر سے اس طرح نکل جائے یہ ہم مسلمانوں کا شیوہ تو نہیں۔ پتہ نہیں کہاں سے آیا ہوگا"۔

داؤد باہر بھاگا۔ پر دروازے کے پاس آکر جب اس نے باہر دیکھا تو صمام اس وقت سامنے والی گلی کا موڑ مڑ رہا تھا۔ پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ اپنا گھوڑا سرپٹ دوڑاتا ہوا اندھیرے میں روپوش ہوگیا۔ داؤد داؤد اس اداس اور افسردہ افسردہ سا سر جھکائے لڑکھڑاتا ہوا واپس لوٹ گیا تھا۔

○

صمام گھر داخل ہوا۔ ربطہ نے اس سے گھوڑا لے کر ایک طرف باندھا اور اس پر رکھا ہوا سامان اتار کر ایک چھوٹے سے کمرے میں رکھنے لگی۔ صمام اندر جا کر پلنگ پر بیٹھ گیا تھا۔ وہ اداس تھا۔ داؤد کے حادثے کا ابھی تک اس پر گہرا اثر تھا۔

ربطہ نے گھوڑے سے سامان اتار کر اس کی زین علیحدہ کی، دھانہ اتارا اور پھر اسے چارے کا توبڑا چڑھا دیا۔ جب وہ کمرے میں آئی اور صمام کو سر جھکائے اداس بیٹھے دیکھا تو وہ ٹھٹھک سی گئی۔ آہستہ آہستہ اس کے قریب آئی اور اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"صمام! کیا بات ہے؟ اداس کیوں ہو؟"

وہ چونک پڑا۔ "اوں۔ کوئی بات نہیں"۔

ربطہ نے شکایت آمیز نگاہوں سے دیکھا۔ "پھر یہ تمہاری حالت کیا ہو رہی ہے۔ مجھ سے بھی اپنی حالت چھپانے لگے ہو"۔

صمام اس کے سنہری بالوں سے کھیلنے لگا۔ "کچھ بھی نہیں تمہیں وہم ہوا ہے"۔ اس نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

ربطہ کا لہجہ رقت انگیز ہوگیا تھا۔ "یوں زبردستی مسکرانے سے کیا فائدہ صمام! بتاؤ کیا بات ہے؟ میرے کہنے سے تمہیں تکلیف پہنچی ہے"۔

صمام کا سر پھر جھک گیا۔ "نہیں۔ وہ داؤد مل گیا تھا"۔

"وہ یہودی؟"

"ہاں"۔

"پھر"۔

"مَیں اس کے گھر اسمار کا انتقام لینے گیا تھا مگر وہ مسلمان ہو چکا تھا اور اندر اپنی بیوی کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا۔ مَیں وہ رومال اس کے پاس رکھ کر باہر آگیا۔ مگر نماز سے فارغ ہو کر اس نے مجھے روک لیا اور اسمار کا قصاص دینے کی خاطر خالی ہاتھ میرے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس کی باتوں میں اخلاص اور پاکیزگی تھی جس نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے اور مَیں اپنی قسم توڑ کر واپس لوٹ آیا ہوں"۔

ربطہ اٹھی، صمام کا گال بڑے پیار سے تھپتھپایا۔ پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور سامنے فرش پر بچھی ہوئی چٹائی پر بٹھایا اور کھانے کے برتن اس کے سامنے رکھنے لگی۔

○

صمام، جنید اور سلیمان پھر ابوعبیدہؓ بن جراح کے لشکر میں جا شامل ہوئے تھے۔ یرموک کے میدان سے نکل کر ابوعبیدہؓ حمص کو واپس گئے اور خالدؓ بن ولید کو قنسرین روانہ کیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اس لشکر نے قنسرین اور حلب فتح کر لیے اس کے بعد وہ انطاکیہ کی طرف بڑھے جو کسی زمانے میں قیصر کا دارالحکومت تھا۔ شہر کا محاصرہ کر لیا گیا اور چند دن کے بعد عیسائیوں نے مجبور ہو کر شہر حوالے کر دیا۔ اس کے بعد لشکر کو اِدھر اُدھر پھیلا دیا گیا اور چھوٹے چھوٹے مقامات مثلاً لوتا، جومہ، سرمین، توبڑی، قورس، تل عزاز، دلوک اور رعبان وغیرہ بغیر کسی مزاحمت کے فتح ہو گئے۔

دوسری طرف عمروؓ بن العاص فلسطین میں اپنی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے۔ آخر انہوں نے بیت المقدس کا جا محاصرہ کیا۔ عیسائی قلعہ بند ہو کر لڑنے لگے۔ ابوعبیدہؓ بن جراح اور خالدؓ بن ولید بھی شام کے انتہائی اضلاع کی فتوحات سے فارغ ہو کر بیت المقدس پہنچ گئے اور اس طرح محاصرے میں سختی اور تیزی پیدا ہو گئی۔

عیسائیوں نے ہمت ہاری اور اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ عمر فاروقؓ خود آئیں اور صلح کا معاہدہ ان کے ہاتھ سے لکھا جائے۔ ابوعبیدہؓ نے اس سلسلے میں حضرت عمرؓ کو خط لکھا۔ آپؓ نے حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کیا اور رجب ۱۶ھ کو مدینہ سے بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے۔

آپ کے ساتھ مہاجرو انصاریٰ کے چند لوگوں کے سوا کوئی نوبت، نقارہ،

۱؎ طبری۔ مگر یعقوبی کے مطابق حضرت عثمان غنیؓ کو نائب مقرر کیا گیا تھا۔

خیمہ اور لشکر تک نہ تھا۔ تاہم جہاں جہاں یہ آواز پہنچتی تھی کہ فاروق اعظمؓ مدینہ سے شام روانہ ہو گئے ہیں، زمین دہل جاتی تھی۔

حضرت عمرؓ نے جابیہ کے مقام پر قیام کیا۔ یزیدؓ بن ابی سفیان اور خالدؓ بن ولید نے یہیں آ کر آپؓ کا استقبال کیا۔ شام میں رہ کر ان سرداروں میں عرب کی وہ سادگی نہ رہی تھی اور اطلس و حریر کے لباس زیب تن کیے ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ سخت خفا ہوئے۔ گھوڑے سے اُتر کر انہوں نے سنگریزے اُٹھا کر ان کی طرف پھینکے کہ اس قدر جلدی تم لوگوں نے عجمی عادات کو قبول کر لیا۔

سرداروں نے جواب دیا۔

"مگر سپہ سالاری کا جوہر ہاتھ سے نہیں جانے دیا" اور قباؤں کے نیچے اپنے ہتھیار دکھائے تو فاروق اعظمؓ نے فرمایا "پھر کوئی مضائقہ نہیں"۔

شہر کے قریب پہنچ کر حضرت عمرؓ ایک ٹیلے پر چڑھے اور چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ غوطہ کا نظر فریب سبزہ زار اور دمشق کی بلند اور شاندار عمارتیں عجیب سماں باندھ رہی تھیں۔ دل پر رقت طاری ہو گئی اور عبرت کے لہجہ میں یہ آیت پڑھی۔

كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ الخ

جابیہ میں آپ نے کافی دیر تک قیام کیا۔ بیت المقدس کا معاہدہ بھی یہیں[۲] لکھا گیا۔ معاہدہ مکمل ہونے کے بعد آپ بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے۔ گھوڑا جو سواری میں تھا اس کے سُم گھس گھس کر بیکار ہو گئے تھے۔ لوگوں نے آپؓ کے لیے ایک ترکی گھوڑا پیش کیا جو بڑا شوخ اور عمدہ نسل سے تھا۔ حضرت عمرؓ جب سوار ہوئے تو گھوڑا اچھلنے کودنے لگا۔ آپ نے فرمایا۔

۱؎ تاریخ طبری

۲؎ طبری کہتا ہے مگر بلاذری اور ازدی کے مطابق یہ معاہدہ بیت المقدس ہی میں لکھا گیا۔

کم بخت! یہ غرور کی چال تم نے کہاں سے سیکھی۔

آپ گھوڑے سے اُتر پڑے اور پیدل ہی بیت المقدس کی طرف روانہ ہو۔ حضرت ابو عبیدہؓ اور دوسرے سردار آپ کے استقبال کو آئے۔ حضرت عمرؓ کا لباس، سروسامان جس معمولی حیثیت کا تھا اسے دیکھ کر مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اپنے دلوں میں کیا کہیں گے۔ چنانچہ لوگوں نے ترکی گھوڑا اور ایک عمدہ پوشاک پیش کی حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

"خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے۔"

بیت المقدس میں داخل ہونے کے بعد آپ پہلے مسجد میں گئے۔ محراب داؤد کے پاس سورۂ داؤد کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا۔ پھر عیسائیوں کے گرجا میں اور اِدھر اُدھر پھرتے رہے۔

ایک دن آپ نے نماز کے وقت حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ آج اذان حضرت بلالؓ نے کہا۔

"میں عزم کر چکا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لیے اذان نہ دوں گا تاہم آج آپ کا ارشاد ضرور بجا لاؤں گا۔"

جوں ہی حضرت بلالؓ نے اذان دینا شروع کی تو صحابہ کرامؓ کو رسول اللہ کا عہد مبارک یاد آ گیا اور رقت طاری ہو گئی۔ ابو عبیدہؓ اور معاذؓ بن جبل روتے روتے بیتاب ہو گئے۔ حضرت عمر فاروقؓ کی بھی روتے روتے ہچکی بندھ گئی تھی۔ دیر تک لوگوں پر یہ اثر رہا۔ یوں پہلی بار بیت المقدس مسلمانوں کے زیر نگیں ہو گیا۔

○

باب داؤد میں سے ہوتا ہوا صمام بڑی تیزی سے نکل کر لشکر میں اپنے خیمے کی طرف جا رہا تھا کہ پیچھے سے کسی نے اسے زور سے پکارا۔

"صمام!"

وہ رُک گیا اور پیچھے دیکھنے لگا۔ عمار بڑی تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا اس کی

طرف آ رہا تھا۔ مسکراتا ہوا وہ نزدیک آیا اور بھاگ کر صمام سے لپٹ گیا۔

"بہت بے حس ہو گئے ہو۔"

صمام مسکرا دیا۔

"کیوں؟"

"کہاں چلے گئے تھے اچانک۔ سال سے زیادہ ہو گیا تمہیں دیکھے ہوئے۔"

"ربطہ کا پتہ کرنے دمشق گیا تھا مگر وہ وہاں نہ تھی۔ کچھ لوگوں سے پتہ چلا تھا۔ جس کلیسا میں وہ رہتی تھی اس کا راہب اسے زبردستی قیساریہ لے گیا تھا۔ کیونکہ وہ مسلمان ہو گئی تھی۔ میں پھر وہاں اسے لینے چلا گیا۔"

عمار نے حیرت سے پوچھا۔

"قیساریہ چلے گئے تھے؟"

"تو اور کیا۔"

"اکیلے ہی؟"

"ہاں"

"تم نے مجھے کیوں خبر نہ کی۔ میں تمہارے ساتھ چلتا۔"

"میں تو جنید اور سلیمان کو بھی بتا کر نہ گیا تھا۔ میں تمہیں اپنے ذاتی کام کی خاطر جہاد جیسے اہم فرض سے محروم نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

"پھر مل ربطہ؟"

"ہاں مل گئی ہے۔"

"اور کیا تم نے اس سے"

"ہاں میں نے اس سے شادی کر لی ہے۔"

"گھر لے کر گئے تھے اسے؟"

"نہیں ابھی تک دمشق ہی میں ہے۔ جنید اور سلیمان کے بچے بھی وہیں ہیں جیسے میرا ارادہ ہے۔ کچھ عرصہ بعد یہاں سے دمشق جاؤں گا۔ وہاں سے ربطہ کو گھر چھوڑ کر

پھر لشکر میں آشامل ہوں گا۔ جنید اور سلیمان بھی میرے ساتھ جائیں گے۔ وہ بھی اپنے بچے گھر پہنچانا چاہتے ہیں۔"

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا اور ہاں مجھے مبارک باد بھی دو۔" عمار نے نے چھاتی پر ہاتھ مارا۔

"کیسی مبارک باد؟"

"میرے ہاں لڑکا ہوا ہے۔"

صمام مسکرا دیا۔

"خوش قسمت ہو۔ کیسے پتہ چلا تمہیں؟"

"میں ایک بار بستی سے ہو کر آیا ہوں۔ دونوں بستیاں اب خوب آباد ہیں۔ تمہارے باغات اور زمین سے اس بار کافی آمدنی ہوئی تھی۔ تمہاری بستی والوں نے تمہاری رقم سنبھال کر رکھی ہوئی ہے۔ میں وہاں گیا تھا۔ وہ سب بڑی بے تابی سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ مجھے انہوں نے کہا تھا کہ سردار سے کہنا ایک بار ضرور مل جائے۔"

صمام کا خیمہ آگیا تھا۔ دونوں اس میں داخل ہو گئے۔ اندر جنید اور سلیمان بیٹھے ہوئے تھے۔ عمار ان سے ملنے لگا۔ سلیمان نے شکایتاً کہا۔

"اخی! کہاں چلے گئے تھے کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

صمام جنید کے سامنے زمین پر بیٹھ گیا۔

"ذرا شہر چلا گیا تھا۔"

سلیمان نے ان کے سامنے کھانا رکھا اور چاروں کھانا کھانے لگے۔

○

عمار بیت المقدس سے سیدھا گھر چلا گیا تھا۔ صمام ایک روز جب سورج غروب ہونے کے قریب تھا دشق میں اپنے گھر کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ جنید اور سلیمان بھی اس کے ساتھ تھے۔

قبالہ نے دروازہ کھولا اور تینوں کو دروازے پر کھڑا دیکھ کر اس کے ہونٹوں گہری مسکراہٹ پھیل گئی۔ تینوں اندر داخل ہوئے۔ صمام جب اپنے گھر کی طرف نے لگا تو قبالہ نے دبی دبی مسکراہٹ سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اخی! مبارک ہو۔"

صمام نے حیرت سے پوچھا۔

"کیسی مبارک؟"

اتنے میں مزینہ بھی اندر سے نکل آئی اور خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"اخی! میں بھی مبارک باد دیتی ہوں۔ آپ کے ہاں لڑکا ہوا ہے۔"

صمام کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل گئی۔ جنید اور سلیمان بھی بے حد خوش آرہے تھے۔

صمام اپنے گھر کی طرف چلا گیا۔ گھوڑا اس نے صحن میں باندھا اور کمرے کی ف گیا۔ اچانک وہ دروازے کے پاس ہی رُک گیا۔ ایک بے حد پیارا بچہ پلنگ مہک رہا تھا اور ربطہ اس پر جھکی ہوئی اسے پیار کر رہی تھی۔

صمام کچھ دیر تک وہاں کھڑا انہیں ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔ اچانک ربطہ اس پر پڑی اور بھاگتی ہوئی صمام سے لپٹ گئی۔ صمام اسے لپٹائے ہوئے آگے اور جھک کر بچے کو پیار کرنے لگا۔

ربطہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بالکل تمہارے جیسا ہے نا صمام!"

صمام نے بچے کو چومتے ہوئے کہا۔

"ہاں!" اور وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"تم نے اس کا نام کیا رکھا ہے؟"

"تمہاری غیر موجودگی میں کیسے اس کا نام رکھ سکتی تھی۔ ویسے ایک نام نے سوچ رکھا ہے۔ اگر تم نے بھی پسند کیا تو ——————

"کیا ——— ؟"

"ثعلب ——— ثعلب بن صمام"۔

اپنے باپ کا نام سُن کر صمام اُداس ہوگیا اور اس کا سر قدرے جُھک گیا تھا۔ ربطہ بھی اُداس ہوگئی تھی۔

صمام نے فوراً سر کو جھٹکا دیا۔

"بہت پیارا نام ہے۔ مجھے بے حد پسند ہے"۔ اس نے مُنہ دوسری طرف کر لیا تھا۔ کیونکہ اس کی آنکھیں نمناک ہوگئی تھیں۔

ربطہ نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"نماز کا وقت ہوگیا ہے۔ پہلے نماز پڑھ لیں پھر کھانا کھائیں"۔

دونوں میاں بیوی نے وضو کیا اور بڑے خشوع کے ساتھ خدا کے حضور سربسجود ہونے لگے تھے۔

تیز ہوائیں صحرا میں کہیں کہیں نظر آتے ہوئے جھاڑی نما درختوں سے ٹکرا ٹکرا کر سائیں سائیں کی آواز پیدا کر رہی تھیں۔ ریت کے ذرات ایک جگہ سے اُڑ اُڑ کر دوسری جگہ نئے نئے ٹیلوں کو جنم دے رہے تھے۔ جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی اُفق تک صحرا ہی پھیلا نظر آرہا تھا۔ ایسے میں تین گھوڑوں اور تین اونٹوں پر مشتمل ایک مختصر سا کارواں صحرا میں بڑی تیزی سے ایک سمت بڑھ رہا تھا۔

گھوڑوں پر صمام، جنید اور سلیمان تھے۔ اونٹوں پر ربطہ، مزینہ اور قبالہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ اپنے اپنے گھر کا مختصر سامان بھی انہوں نے اپنے اپنے اُونٹ پر لاد رکھا تھا۔ لگاتار سفر کرتے ہوئے ایک روز شام ڈھلے وہ مرجِ راہط پہنچے اور ارید کی سرائے میں داخل ہوئے۔

تینوں گھوڑوں سے اُترے اور اپنے اپنے اُونٹ بٹھانے لگے۔ صمام نے اپنے اُونٹ کو بٹھانے کے بعد ربطہ کو سہارا دے کر نیچے اُتارا۔ اس نے پہلے اپنا لباس درست کیا پھر بچے کو کجاوے سے اُٹھا کر گود میں لے لیا۔

اتنے میں ارید اور رباح تیز تیز قدم اُٹھاتے ہوئے ان کی طرف بڑھ رہے تھے۔ صمام بھی تیزی سے آگے بڑھا اور ارید کو گلے لگا لیا۔

"اوہ ارید! کیسے ہو تم"۔

اس کے بعد صمام رباح سے بھی اسی طرح ملا۔ بعد میں جنید اور سلیمان کو ان سے متعارف کرایا گیا۔

ارید کی نگاہ جب ربطہ پر پڑی تو اس نے بڑی حیرت سے پوچھا۔

"ربطہ بیٹی تم ؟"

ربطہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ صرف ہلکے سے مسکرا کر رہ گئی۔

اربد نے پھر پوچھا۔

"یہ بچہ کس کا ہے ؟"

شرماتے ہوئے ربطہ نے جواب دیا۔

"میرا اپنا ہے۔"

"تو کیا تم نے شادی کر لی ہے ؟"

"ہاں !"

صمام بھی بول پڑا۔ "ربطہ اب وہ راہبہ نہیں رہی۔ یہ اب میری بیوی ہے۔"

اربد نے سر ہلایا۔

"اوہ سمجھا۔ میں تم دونوں کو مبارک باد دیتا ہوں۔"

اربد نے فوراً اپنے ملازموں کو آواز دی۔ سرائے کے ایک طرف سے دو ملازم بھاگتے ہوئے آئے اور اس کے کہنے پر اونٹوں کے کجاوے اور گھوڑوں کی زینیں اتارنے لگے۔ اربد اور رباح سب کو سرائے میں لے گئے۔ صمام ان دونوں کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ لوگ ایک کمرے میں جا کر بیٹھ گئے تو صمام نے اربد کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں آج تم دونوں باپ بیٹے کے گلے میں وہ سنہری صلیبیں نہیں دیکھ رہا جنہیں تم ہر وقت اپنے گلے میں لٹکائے رہتے تھے۔"

اربد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تمہارا اندازہ درست ہے۔ ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔"

صمام نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے۔

"خدا کا شکر ہے۔"

اربد نے بھی پوچھا۔

"کیا تم بھی مسلمان ہو چکے ہو؟"

"الحمدللہ ہم سب مسلمان ہیں۔"

"کیا ربطہ بھی ؟"

"بالکل"

"اس خدائے وحدہٗ لاشریک کا شکر اور کرم ہے۔"

اربد نے بڑی عاجزی سے کہا۔

صمام نے پھر پوچھا۔

"عطار کہاں ہے ؟"

اربد نے پہلو بدلا۔

"وہ آج کل بہت خوش حال ہے۔ ویسے تمہیں ہر روز یاد کرتا ہے۔"

"ہے کہاں ؟"

"تمہارے کہنے کے مطابق اس نے اپنی ذاتی سرائے چلائی ہے۔"

صمام خوش ہو گیا۔

"کس طرف ؟"

"شہر کے اس جانب جہاں کبھی کلیسا تھا نا بالکل اس کے دائیں جانب کوئی دو سو گز کے فاصلے پر۔"

"آگے جاتے ہوئے سڑک کے دائیں طرف ؟"

"ہاں۔"

صمام نے کھڑا ہونا چاہا۔

"اگر مجھے اجازت ہو تو میں اسے مل آؤں۔"

اربد نے اس کی عبا پکڑ کر پھر اسے بٹھا لیا۔

"کھانا بالکل تیار ہے۔ پہلے کھاؤ، اس کے بعد اپنے ان ساتھیوں کو اوپر ہی میں اپنے کمروں میں پہنچاؤ۔ میں ابھی تمہیں کمرے بتا دیتا ہوں کہ کون کون سے کمرے میں لوگ ٹھہروگے۔ اس کے بعد تم اطمینان سے عطار کو جا کر مل آنا۔"

صمام خاموشی سے بیٹھ گیا۔

سب نے مل کر پہلے کھانا کھایا۔ پھر اربد انہیں اپنے ساتھ اوپر لے گیا اور ان کو ان کے کمرے دکھا دیئے۔ باہر اربد کے ملازموں نے ان کے اونٹوں اور گھوڑوں کے چارے کا انتظام کر دیا تھا۔

صمام تھوڑی دیر ربطہ کے پاس بیٹھ کر بچے کے ساتھ کھیلتے ہوئے اسے پیار کرتا رہا۔ ربطہ اس کے پہلو میں بیٹھی دونوں کو مسکرا مسکرا کر دیکھ رہی تھی۔ پھر صمام کھڑا ہو گیا اور ربطہ کی طرف دیکھا۔

"میں ذرا عطار سے مل آؤں۔"

ربطہ بھی کھڑی ہو گئی۔

"جلدی آنا۔"

صمام باہر نکل گیا۔

"تم فکر نہ کرو میں دیر نہیں لگاؤں گا۔"

○

تھوڑی دیر بعد وہ عطار کی سرائے میں داخل ہو رہا تھا۔ سامنے ایک ملازم تھا جو شاید مسافروں کے اونٹوں اور گھوڑوں کے چارے کا انتظام کر رہا تھا۔ صمام اس کے پاس آیا اور اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے عطار سے ملنا ہے۔"

ملازم نے ایک بار سر سے پاؤں تک اسے دیکھا۔

"کیا سرائے کے مالک سے؟"

"ہاں۔"

"آؤ میرے ساتھ۔"

صمام اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ وہ اسے ایک کمرے میں لے گیا جہاں فرش پر بیٹھا عطار عشاء کی نماز پڑھ رہا تھا۔

ملازم نے باہر جاتے ہوئے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ "تم بیٹھو وہ ابھی نماز فارغ ہو جاتے ہیں۔"

صمام چپ چاپ بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد عطار نماز سے فارغ ہوا۔ پھر دعا مانگنے لگا۔ اس کی پشت صمام کی طرف تھی لہٰذا ابھی تک اس نے اسے دیکھا نہ تھا۔ دعا سے فارغ ہو کر اس نے مصلّے تہہ کر کے ایک طرف رکھا اور پھر جونہی واپس مڑتے ہوئے اس کی نگاہ صمام پر پڑی وہ خوشی سے کھل اٹھا اور آگے بڑھ کر صمام کو گلے لگا لیا۔

"کب آئے ہو؟"

"تھوڑی ہی دیر ہوئی ہے۔"

"اکیلے ہو؟"

"نہیں اور ساتھی بھی ہیں۔"

"وہ کہاں ہیں؟"

"اربد کی سرائے میں۔"

"کون کون ہیں؟"

"میری بستی کے دو جوان جنید اور سلیمان، ان کی بیویاں اور میری بیوی ہیں۔"

عطار نے حیرت سے پوچھا۔ "تم نے شادی کر لی؟"

"ہاں"

"کب اور کہاں؟"

"یہاں اس کلیسا میں ربطنام کی راہبہ تھی تا اس سے"

"اوسمجھا۔ یہودیوں کو ختم کرنے کے بعد تم ایسے غائب ہوئے کہ اپنی خبر تک
دی۔ پھر میں تمہارا پتہ کرنے تمہاری بستی میں گیا تھا۔ وہاں سے پتہ چلا کہ تم قید سے
کے بعد یرموک کے میدان میں اسلام قبول کر چکے ہو اور ہاں تم سیدھے میری سرا
میں کیوں نہ آئے"

"مجھے علم ہی نہ تھا کہ تم نے اپنی سرائے بنالی ہے"

"تم اگر کسی اور کی سرائے میں ہوتے تو میں تم سب کو اٹھی پکڑ کر یہاں
آتا۔ مگر افسوس اربد کی سرائے میں ٹھہرے ہوئے ہو جو ہمارا اپنا بھائی ہے۔

"کیسی چل رہی ہے سرائے؟"

"بہت اچھی میں تمہارا بے حد شکور ہوں۔ تم نے مجھے ایک نئی راہ پر ڈال
ہے۔ اب میں کافی خوشحال ہوں۔ کچھ سرمائے کی ضرورت ہو تو بولو"

"نہیں اللہ کا فضل ہے۔ میں چلتا ہوں"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کھانا کھائے بغیر کیسے جاؤ گے؟"

"میں اربد کے ہاں سے کھا آیا ہوں۔ صبح پھر آؤں گا اور کھل کر باتیں کریں
دیر ہو رہی ہے۔ میری بیوی انتظار کر رہی ہو گی"

عطار کھڑا ہو گیا۔ "تم صبح نہ آنا۔ میں خود تم سب کو لینے آؤں گا۔ جتنے دن
یہاں قیام کرو گے کھانے کا بندوبست میرے ہاں سے ہو گا۔ کب تک یہاں رکو گے

"پرسوں چلا جاؤں گا"

دونوں باتیں کرتے ہوئے باہر نکل آئے۔ اور عطار سے علیحدہ ہو کر صمام ا

سرائے کی طرف جا رہا تھا۔

○

سہ پہر کے وقت ایک روز وہ سب القطر میں داخل ہو رہے تھے۔ بستی سے
اذانیں سنائی دے رہی تھی۔ صمام نے دیکھا بستی میں کئی مسجدیں تعمیر ہو گئی تھیں جن
کے مینار صاف دکھائی دے رہے تھے۔ گلی میں بچے اِدھر اُدھر بھاگتے ہوئے کھیل رہے
تھے جس کا مطلب تھا بستی اب خوب آباد ہو گئی ہے۔

گھوڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے صمام نے اپنا سر جھکا لیا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ پھر
وہ سب کے ساتھ اپنے گھر داخل ہوا۔ گھوڑے سے اُتر کر سب سے پہلے وہ اسمار کی
قبر پر گیا اور فاتحہ کہنے لگا۔ قبر کے اردگرد کسی نے پھولدار پودے لگا دیئے تھے جن کے
پھولوں نے خوب سماں باندھ رکھا تھا۔ قبر پر کسی نے پانی بھی چھڑکا ہوا تھا۔

فاتحہ کے بعد صمام نے کچھ پھول توڑے اور قبر پر بکھیر دیئے وہ بہت اداس لگ
رہا تھا۔ جنید اور سلیمان بھی فاتحہ کہنے لگے تھے۔ صمام جب پیچھے ہٹا تو ربطہ نے
اسے اداس اداس اور افسردہ دیکھ کر پیار سے پوچھا۔

"یہ اسمار کی قبر ہے؟"

صمام کا سر جھک گیا تھا۔

"ہاں اسی بدنصیب کی قبر ہے"

بستی کے لوگ ہجوم بنائے اس سے ملنے آ گئے تھے۔ مرد، عورتوں اور بچوں
اس کے گھر میں ایک میلہ سا لگ گیا تھا۔ صمام سب کے ساتھ بڑے تپاک اور سلو
سے پیش آ رہا تھا۔

شام سے پہلے پہلے سلیمان اپنے پرانے گھر میں آباد ہو گیا اور جنید کو سردار جہ
دو جوبلی دے دی گئی جس میں کبھی اس کے گھوڑے بندھتے تھے۔ سردار کی ساری زمی

باغات تین برابر حصّوں میں تقسیم کیے گئے اور صمام، جنید اور سلیمان تینوں نے آپس میں بانٹ لیے۔

دوسرے روز انھوں نے ربطہ، مزینہ اور قبالہ تینوں کو اپنی اپنی زمین اور باغات دکھا دیئے کیونکہ انھوں نے واپس گھر میں چلے جانا تھا اور بعد میں ہر چیز کی دیکھ بھال انہیں ہی کرنا تھی۔ اس روز صمام، جنید اور سلیمان عمدف میں بھی گئے اور عمار کے ساتھ لشکر واپس جانے کا وقت بھی مقرر کر آئے۔

حبابہ اور ابتی کے دوسرے لوگ انہیں ایسے ہی ملے جیسے برسوں کے بچھڑے ہوئے عزیز آپس میں ملتے ہیں۔

ایک ہفتہ تک بستی میں قیام کرنے کے بعد صمام ایک روز جنید اور سلیمان کے ساتھ کوچ کی تیاری کر رہا تھا۔ ربطہ نے اس کے لیے بڑی محنت کے ساتھ زادِ راہ تیار کیا تھا۔ وہ کچھ اُداس اُداس تھی۔ شاید شوہر کے بچھڑنے کا اثر ہوگا۔

سورج ابھی تھوڑا سا ہی اُوپر ہُوا تھا کہ وہ تینوں اپنے گھوڑوں کی باگیں پکڑے اپنے گھروں سے نکلے۔ ربطہ، مزینہ اور قبالہ بھی ان کے پیچھے تھیں۔ باہر کھجوروں کے جُھنڈ میں آکر وہ سب کچھ دیر تک آپس میں باتیں کرتے رہے۔ اتنے میں عمار بھی اپنا گھوڑا دوڑاتا ہُوا وہاں آگیا۔

وہ تینوں بھی اپنے گھوڑوں پر سوار ہوگئے۔ صمام نے چند لمحوں تک میٹھی میٹھی نگاہوں سے ربطہ کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے تھے۔ تاہم وہ مسکرانے کی کوشش کرتی ہوئی اسے ہاتھ ہلا ہلا کر الوداع کہہ رہی تھی۔ صمام اپنے ساتھیوں کے ساتھ صحرا کے اندر مغرب کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

جب وہ چاروں صحرا میں کافی دُور تک آگے چلے گئے تو ربطہ سر جھکائے مزینہ اور قبالہ کے ساتھ گھر آگئی۔

صمام، جنید، عمار اور سلیمان اپنے گھوڑے صحرا کی ہر لمحہ تپتی ہوئی ریت پر سرپٹ دوڑا رہے تھے۔ اُن کی منزل اب قیساریہ تھی۔ جہاں یزید[1] بن ابی سفیانؓ کی وفات کے بعد ان کے بھائی امیر معاویہؓ نے شہر کا بڑے سر و سامان کے ساتھ محاصرہ کر رکھا تھا۔

○

اسلم راہی ایم اے
۴۲ حیدر بلڈنگ، مٹھائی روڈ لاہور

○

تمت بالخیر

○

تکمیل کتابت: اکتوبر ۱۹۶۲ء

---

[1] الفاروق۔ مولانا شبلی نعمانی